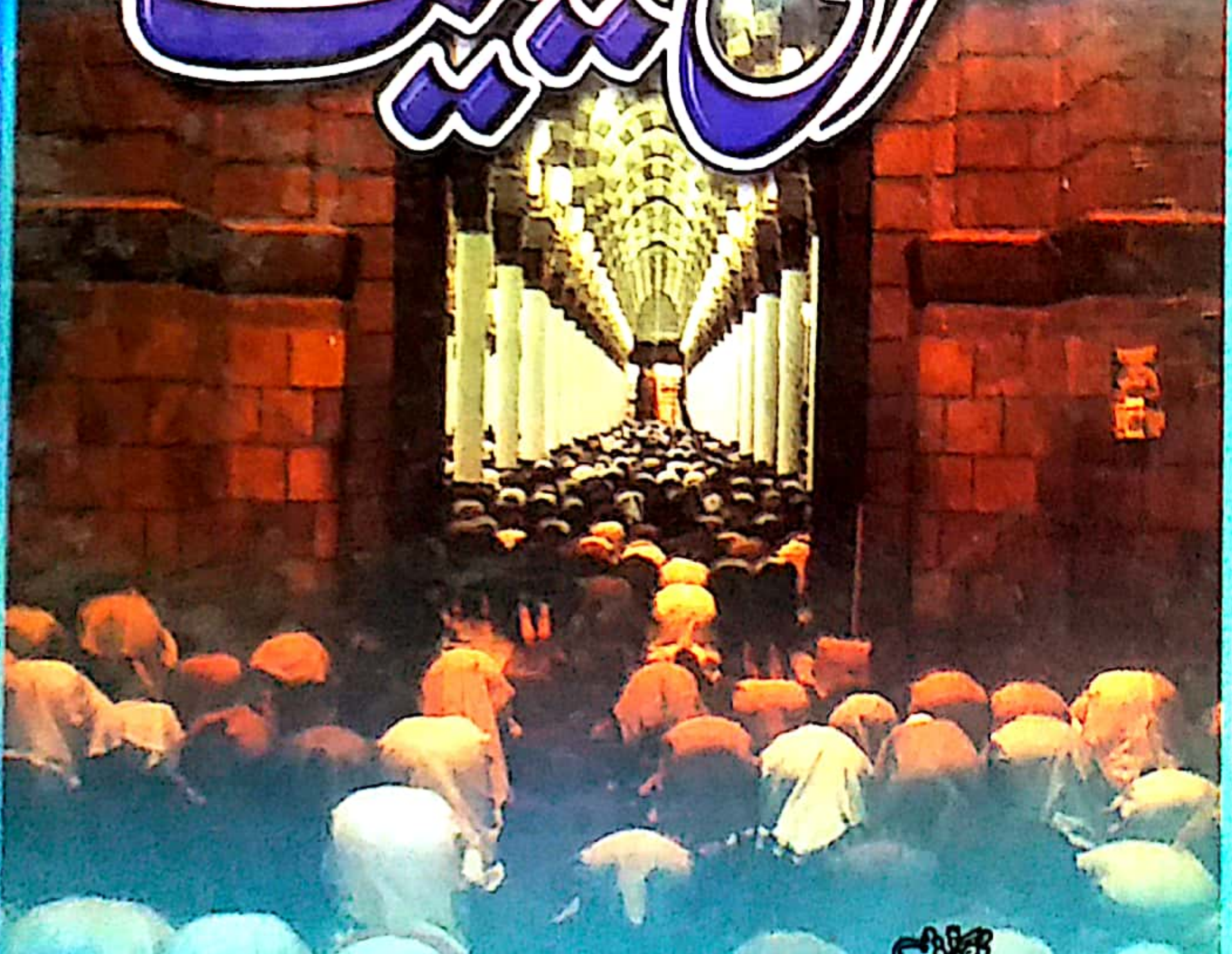
مسئلہ تقلید کی شرعی حیثیت



تصنیف

مخدوم العلماء حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم چشتی

شبیر برادرز

بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

نام کتاب	--------	مسئلہ تقلید کی شرعی حیثیت
مصنف	--------	علامہ الحاج محمد ابراہیم چشتی
اشاعت	--------	ستمبر ۲۰۰۴ء
صفحات	--------	۲۴۰
تعداد	--------	۱۱۰۰
کمپوزنگ	--------	words maker
طابع	--------	اشتیاق احمد مشتاق پرنٹرز لاہور
ناشر	--------	ملک شبیر حسین
قیمت	--------	۹۰ روپے

ملنے کے پتے

۱۔ **ادارہ پیغام القرآن** 40 اُردو بازار لاہور

۲۔ **مکتبہ اشرفیہ** مریدکے (ضلع شیخوپورہ)

انتساب

حجۃ الخلف، بقیۃ السلف، جامع المعقول
والمنقول شیخ الحدیث والتفسیر، استاذی
واستاذ العلماء حضرت العلام مولانا
سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ
حاصلانوالہ شریف (منڈی بہاؤالدین)

و

زبدۃ الاصفیاء، سند الاتقیاء، زاھد بے ریا
عالم باعمل، والدی المکرم حضرت
مولانا فیض احمد رحمۃ اللہ علیہ
مہلو شریف ضلع گجرات

فہرست مضامین

قرأت خلف الامام

مصنف

حضرت علامہ الحاج محمد ابراہیم چشتی

ناشر

شبیر برادرز

40 اُردو بازار لاہور فون 7246006

مقدمۃ الکتاب

برادران اسلام واضح ہو کہ ہم کو' زمانۂ خیر القرون سے بہت دور ہونے کے باعث احکام شرع شریف علماء راسخین وصلحائے کاملین کے توسّل اور ذریعہ سے پہنچے اور یہ دو گروہ ہیں ایک محدثین عظام اور دوسرا مجتہدین کرام۔ محدثین رحمہم اللہ کا کام لفظ حدیث کی تنقید اور صحت روایت میں جدوجہد ہے اور اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے یہ جماعت اپنے مقصد میں کامیاب وکامران رہی (جزاھم اللہ عنا خیر الجزاء)اور مجتہدین کا کام ہے آیات قرآنی اور احادیث نبویہ سے احکام کا استنباط (یعنی آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کے باطنی معانی کو اپنے تدبر وتفکر سے نکالنا) اور بفضل الٰہی یہ گروہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب وکامران رہا۔ اور صاحب عقول کو معلوم ہونا چاہیے کہ عبادات ومعاملات میں ہمارا عمل کرنا احکام پر موقوف ہے اور بسبب بعدِ زمانہ اور نہ معلوم ہونے ناسخ و منسوخ، ومحکم و مأوّل ، مقدّم و مؤخر اور متضاد نصوص کے درمیان مطابقت، کے اہل حق کیلئے اس زمانہ میں سوائے تقلید کسی مجتہد کے، جو قرب زمانہ اور نور علم وکثرت روایت اور کمال تقویٰ اور ملکۂ استنباط میں نہایت عمدہ اوصاف کا مالک ہو، کوئی چارہ کار نہیں۔ اس لئے حضرت سفیان بن علینہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے (الحدیث مضلۃ الا للفقھاء) یعنی فقیہ ومجتہد کے علاوہ حدیث عام لوگوں کیلئے گمراہ کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس قول کو علامہ ابن الحاج نے اپنی مدخل میں نقل فرمایا۔

(وهم اعلم بمعانی الحدیث) ترمذی شریف کتاب الجنائز۔ یعنی فقہاء ہی حدیث کے معانی کے اعلم ہیں (بہت جاننے والے)

ابن حجر قلائد الجواہر اور اہلِ حدیث کے امام ابن قیم اپنی کتاب اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

لایجوز لأحد ان یاخذ من الکتاب والسنة مالم یجتمع فیه شروط الاجتهاد الی آخرہٖ

یعنی عام آدمی کیلئے کتاب وسنت سے اخذ کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس میں شرائط اجتہاد جمع نہ ہوں۔ معلوم ہوا ظاہر کتاب وسنت پر عمل کرنا جائز نہیں بلکہ کتاب وسنت کے سمجھنے کیلئے کسی مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے جس میں شرائط اجتہاد پائی جاتی ہوں۔

صاحب کفایہ، کفایہ شرح ہدایہ کتاب الصوم میں فرماتے ہیں۔

العامی اذا سمع حدیثا لیس له ان یاخذ بظاهره لجواز ان یکون معروفًا عن ظاهره او منسوخًا بخلاف الفتویٰ

(فتح القدیر بمعہ کفایہ ج دوم ص ۲۹۴)

یعنی عام آدمی نے جب حدیث کو سنا اس کیلئے اس حدیث کے ظاہر کے ساتھ عمل جائز نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے وہ حدیث اپنے ظاہر سے مصروف ہو (یعنی دوسرے معنی کی طرف پھیر دی گئی ہو) یا بخلاف فتویٰ منسوخ ہو۔

اور اسی طرح تقریر شرح تحریر ابن امیر الحاج حلبی میں ہے بلکہ اس میں لفظ منسوخ کے بعد اس طرح تحریر فرمایا۔

بل علیه الرجوع الی الفقهاء الی آخرہٖ

بلکہ عام آدمی پر واجب ہے کہ وہ فقہاء کی طرف رجوع کرے کیونکہ وہ احادیث صحیحہ اور سقیمہ اور ناسخ اور منسوخ کی معرفت نہیں رکھتا۔ اگر اس نے حدیث پر اعتبار کر لیا تو گویا کہ وہ واجب کا تارک بن گیا۔

تحریر ابن ہمام اور اس کی شرح تیسیر المعروف بامیر بادشاہ میں ہے۔

غیر المجتهد المطلق یلزمه عندالجمهور التقلید و ان کان مجتهدا فی بعض المسائل الفقهیة او بعض العلوم

یعنی مطلق غیر مجتہد کیلئے جمہور کے نزدیک تقلید ضروری والازمی ہے۔ اگرچہ وہ بعض مسائل فقہیہ یا بعض علوم میں مجتہد ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ حموی الأشباہ والنظائر میں لکھتے ہیں۔

الفتویٰ فی حق الجاهل بمنزلة الاجتهاد فی حق المجتهد

یعنی جاہل کے حق میں فتویٰ مجتہد کے حق میں اجتہاد کے قائم مقام ہے۔

علامہ سید سمہوری رحمۃ اللہ علیہ عقد فرید میں لکھتے ہیں۔

وقد قال محقق الحنفیة الکمال بن الهمام رحمة الله علیه نقل الامام الرازی اجمع المحققون علی منع العوام من تقلید اعیان الصحابة بل یقلدون من بعد هم الذین یسروا و وضعوا ودوّنوا

محقق حنفیہ کمال بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ امام رازی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جملہ محققین کا اجماع ہے کہ عوام کو صحابہ کرام کی تقلید نہیں کرنی چاہئے بلکہ ان لوگوں کی تقلید کرنی چاہئے جو لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد آئے اور انہوں نے مسائل شرعیہ کو آسان کیا اور ان کو اپنے مقام ومحل پر رکھا اور کتابی شکل میں ترتیب دیا۔

صاحب مسلم الثبوت لکھتے ہیں۔

اجمع المحققون علی منع العوام من تقلید الصحابة بل علیهم اتباع الذین یسروا وبوّبوا وهذّبوا ونصّحوا وفرّقوا وعلّلوا وفصّلوا وعلیه ابتنیٰ ابن الصلاح منع تقلید غیر الائمه

یعنی تقلید صحابہ سے عوام کو منع کرنے پر محققین کا اتفاق ہے بلکہ عوام پر ان لوگوں کی

اتباع ضروری ہے جنہوں نے مسائل شرعیہ کو آسان کیا اور ابواب میں تقسیم کیا اور ان کی اصلاح کی، صحیح کو غیر صحیح سے جدا کیا۔ اور دلائل سے ثابت کیا اور فصلوں میں تقسیم کیا۔

شرح منہاج الاصول میں ہے امام الحرمین ''البرہان'' میں فرماتے ہیں محققین کا اتفاق ہے کہ عوام کو مذاہب صحابہ پر عمل جائز نہیں بلکہ وہ مذاہب ائمہ کی اتباع کریں اور وہ مذاہب اربعہ ہی ہیں۔

لہٰذا جو شخص اس اجماع کو توڑنے کی کوشش کرے گا اسے گمراہ کہا جائے گا اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسبب امور جہاد میں مشغول ہونے کے تدوین کتب تفاسیر و احادیث کی فرصت نہیں رکھتے تھے۔ انوار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دلوں میں اس قدر جلوہ گر تھے کہ ان کو کسی کتاب کی ضرورت ہی نہ تھی اور وہ حضرات براہ راست اس نور کی روشنی سے مستفید و مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ جب زمانۂ خیر القرون اپنے انتہا کو پہنچا اور لوگوں میں اختلافات پیدا ہوئے اور صحابہ کرام اور تابعین کی نقل سے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف تھے کوئی کہتا میں نے اس طرح سنا ہے دوسرا کہتا میں نے اس طرح سنا ہے۔ ان حالات سے طالبان حق کو پریشانی لاحق ہوئی۔ اللہ عزوجل نے اپنے فضل وکرم سے اس امت مرحومہ میں سے چار علماء و صلحا اور فقہاء کو ان کی رہبری کیلئے منتخب فرمایا اور کمال احتیاط کے ساتھ ان کو طاقت استنباط عطا فرمائی اور مخلوق خدا کو ان کی تقلید کے سبب گمراہی کے کنوئیں سے نکال کر مصلائے ہدایت پر لا کھڑا کیا اور یہ اللہ عزوجل کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

لہٰذا ائمہ مجتہدین کی تقلید ہی راہ نجات ہے اور گمراہی کے کنواں سے نکلنے کا سبب۔

اس لئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر سعادت میں فرماتے ہیں۔

مجتہدین نے احادیث و آثار کو تطبیق دی ناسخ کو منسوخ اور صحیح کو سقیم سے جدا کیا اور تحقیق و تاویل فرمائی۔ عام مسلمانوں بلکہ اس وقت کے علماء میں یہ قوت و طاقت کہاں کہ

یہ کام کرسکیں لہٰذا ان کیلئے مجتہدین کی تقلید اوران کی اتباع کے سوا کوئی چارہ کارنہیں۔

برادران اسلام: علماء راسخین کی چند آراء اور کتب معتبرہ کی چند عبارات جو میں نے اس کتاب کے مقدمہ میں پیش کی ہیں ان کو ملاحظہ فرمائیں کہ فقط احادیث پر عمل کرنا اور مجتہدین عظام کے اقوال کوتسلیم نہ کرنا جہالت وگمراہی ہے۔ بلکہ علماء کرام کی تصریحات سے ظاہر وعیاں ہے کہ موجودہ دور میں ظاہری کتاب وسنت پر عمل نہ کیا جائے بلکہ عبادات ومعاملات میں ائمہ مجتہدین کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ ہم کتاب وسنت کے سمجھنے کے اہل نہیں۔ لیکن افسوس ایک دہقان وکسان، نیم ملاں خطرہ ایمان کو محدث ومجتہد اور شیخ الکل اور افضل سمجھا جاتا ہے اور محدثین ومجتہدین وفقہاء کو بدعتی اور غیر مقلدوں کو ہی اہلِ حدیث کہا جاتا ہے باقی تقلید کرنے والوں کو کافر ومشرک وبدعتی سمجھا جاتا ہے حالانکہ مولانا عبدالحی لکھنوی اپنی کتاب آثار مرفوعہ ص ۲۲۸ میں لکھتے ہیں۔

نیچریوں، ملحدوں کے بھائی وہابی جن کے باعث تمام ہندوستان، سندھ، پنجاب اور افغانستان وغیرہ میں فتنہ وفساد برپا ہوا یہی وجہ ہے کہ امیر ابن امیر والیٔ دولت خداداد افغانستان حضرت امیر عبدالرحمٰن مرحوم اپنی کتاب تقویم الایمان میں وہابیوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دے گئے چنانچہ اس کی گواہی مولوی ثناء اللہ صاحب کے رسالہ ''اہلحدیث کا مذہب'' صفحہ نمبر ۴ پر تحریر فرماتے ہیں اور پھر مولانا عبدالحی صاحب اپنی کتاب (ابراز الغی) ص ۸ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ظاہر پرست لوگ بلا سمجھے سوچے نصوص پر حکم لگاتے ہیں جو عقل ودانش سے مردود ومنکر ہیں۔ افسوس کہ غیر مقلدین اپنے آپ کو اہلِ حدیث کا لقب دیتے ہیں لیکن ان کو حضرت سفیان بن علینہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول (الحدیث مضلة الا للفقهاء) یادنہیں۔ کیونکہ یہی لوگ معانیٔ احادیث کے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔

یہ ایک مختصر سا مقدمہ فقط تقلید کے سمجھنے کے لئے عرض کیا ہے اور اس کی تفصیل

انشاءاللہ کتاب میں نقل کی جائے گی۔

اس مقدمہ کے پڑھنے سے انشاءاللہ ضرور مسئلہ تقلید کو سمجھنے میں تقویت ملے گی اور کتاب (مسئلہ تقلید کی شرعی حیثیت) کا عنوان آپ کے ذہن نشین ہوگا۔ اس کتاب کا اصل ماخذ تو صرف چار کتابیں ہیں۔

اول: تحفۃ الاسلام، مفتی محمود ابن المرحوم المغفور المفتی عبدالغیور غفرالہ الغفور

دوم: الاصول الاربعۃ فی تردید الوہابیۃ، عارف ربانی، امام المتقین، شیخ الاسلام والمسلمین، اعلیٰ حضرت، حکیم الامت خواجہ محمد حسن جان سرہندی مجددی

سوم: کتاب المجید فی وجوب التقلید، مولانا محبوب احمد نقشبندی مجددی امرتسری

چہارم: جاءالحق حضرت العلام حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ گجراتی

ان کے علاوہ انشاء اللہ کتب تفاسیر واحادیث، کتب فقہ واصول فقہ اور دیگر کتب سے آپ کو حوالہ جات ملیں گے اور اپنی بساط کے مطابق کوشش کی ہے کہ عربی عبارت کا اصل متن پیش کروں تاکہ تلاش میں دشواری پیش نہ آئے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش کی ہے کہ یہ عبارت اصل کتاب سے نقل ہو تاکہ قاری کے ذہن سے یہ وسوسہ دور ہو کہ یہ عبارت اصل کتاب سے نقل کی گئی یا نہیں؟

انشاءاللہ العزیز جہاں یہ کتاب مسئلہ تقلید کے سمجھنے کیلئے عوام الناس کے واسطے نافع ہے وہاں علماء حضرات کیلئے بھی مفید ہے۔ انسان خطاونسیان سے مرکب ہے۔ علماء کرام اس کتاب میں جہاں کہیں غلطی دیکھیں تو تصحیح فرمادیں۔

بندہ ناچیز پُرتقصیر اس قابل نہ تھا کہ اس اہم مسئلہ پر قلم اٹھاتا اور نہ ہی مجھ میں اتنی استعداد تھی کہ اس مسئلہ کو بیان کرتا۔ فقط ایک ذوق تھا کہ اہلسنّت وجماعت کی حقانیت اور مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی صداقت پر کچھ عرض کروں یہی ذوق مجھے اس میدان میں لے آیا ورنہ میں ایک ادنیٰ متعلم کی حیثیت رکھتا ہوں۔ علماء کرام کا خادم بننا اپنے لئے وجۂ افتخار سمجھتا ہوں، میں بصد عجز ونیاز علماء راسخین کی خدمت میں عرض کروں گا اگر

مجھ جیسے ناچیز سے کوئی غلطی ہوتو معاف فرما دیں اور اپنی شفقت ومحبت سے اپنے اس ادنیٰ شاگرد کی حوصلہ افزائی فرمائیں۔

آخر میں دُعا ہے کہ اللہ عزوجل بوسیلہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس حقیر وناچیز بندہ کی اس کاوش اور جدوجہد کو اپنی بارگاہ صمدیت میں مقبول فرمائے اور اہلسنّت وجماعت کی خدمت اور مذہب امام ہمام امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ وابستگی کی توفیق عطا فرمائے۔ میں تمام قاری حضرات سے ملتمس ہوں جب اس کتاب کو پڑھیں تو میرے والدین مرحومین اور میرے استاذی المکرّم سلطان العلماء حضرت العلام مولانا سلطان احمد نور اللہ مرقدہ حاصلانوالہ شریف ضلع منڈی بہاء الدین کیلئے دعائے خیر فرما دیں اور اس کے ساتھ جملہ مومنین مرحومین کیلئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ آمین

بجق طٰہٰ ویٰسین

محمد ابراہیم چشتی

مہتمم دارالعلوم کنزالایمان۔ نصیرہ تحصیل کھاریاں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ
فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

قارئین کرام! قبل اس کے کہ میں مسئلہ تقلید پر ادلۂ شرعیہ پیش کروں چند امور بطور تمہید ہدیۂ ناظرین کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کے پڑھنے سے مسئلہ تقلید سمجھنے میں نہایت آسانی ہوگی۔ وہ امور درج ذیل ہیں۔

(۱) جس طرح خدا کی سب کتابوں پر ایمان لانا اور ان کا منجانب اللہ ہونا تسلیم کرنا لازمی ہے اور بوقت تعمیل وارشاد فقط قرآن معظم کو ہی دستاویز ومستند بنانا ضروری ہے اس طرح جملہ مجتہدین کو راجع الی الحق خیال کر کے معاملات کے وقت صرف ایک ہی مجتہد کی اتباع لازم ہے کیونکہ ایک کتاب پر بالخصوص عمل کرنا باوجودیکہ جملہ کتب منجانب اللہ ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہر ایک کتاب میں مسائل مختلف ہوتے ہیں اور ہر ایک کتاب پر عمل کرنے سے ایک قسم کا نفاق پیدا ہوتا ہے اس وجہ سے حدیث میں آپ نے فرمایا: اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب میرے زمانہ میں ہوتے تو میری ہی اتباع کرتے۔ تو اس طرح مجتہدین عظام بھی بہت سے مسائل میں باہم مختلف ہیں اور مسائل مختلفہ فیہا میں سوائے ایک مجتہد کی اطاعت کے کوئی طریق صواب نہیں اور اس اتباع شخصی سے نفاق واختلاف کی آگ سے نجات حاصل ہوگی اور یہی طریق اہل علم ہے۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام سے تا حضرت مولانا وہادینا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جتنے

نبی و مرسل گزرے ہیں وہ سب برحق اور خدائے عزوجل کی طرف سے ہیں اور ان سب پر ایمان لانا اور ان سب کو سچا جاننا اہل ایمان پر فرض ہے۔ مگر باوجود تصدیق جملہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوات والتسلیمات کے متابعت صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروری و لازمی ہے۔ اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ عزوجل کے نبی ہیں مگر راہِ صواب اور طریق سلامتی یہی ہے کہ انسان کو ایک ہی راستہ پر لگایا جائے تاکہ وہ اضطراب و تذبذب میں سرگشتہ نہ ہو جائے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں جملہ انبیاء علیہم السلام کو سچا جانتا ہوں۔ میں سب مذہبوں اور سب دینوں کے مسائل پر عمل کروں گا تو یہ آدمی سراسر گمراہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ نبیوں کے اکثر احکامات و عبادات جدا جدا ہیں تو ہر ایک نبی کی اطاعت محال ہوئی۔ اس طرح جملہ مجتہدین کرام اگرچہ مدعی حق و متبع سنت ہیں مگر عند الاختلاف ایک ہی کے فرمان پر عمل ہوسکتا ہے۔ اس میں سلامتی ہے ورنہ کبھی ایک مجتہد کو خاطی و عاصی کہے گا اور کبھی دوسرے کو۔ وعلیٰ ہذا سب کو خلاف حق سمجھ کر اپنا ایک جدا مذہب بنائے گا۔ جیسا کہ نیچریوں، مرزائیوں اور وہابیوں نے کیا۔

سوم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جگہ حکم ہوا (فبهدا هم الله اقتده) یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ہدایت کی تابعداری کریں۔ دوسری جگہ حکم ہوا۔

(اتبع ملة ابراهيم حنيفا) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کرو۔ کیا وجہ ہے کہ سب کی ہدایت و توحید ایک ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی متابعت فرض ہوئی۔ وجہ صرف یہ ہے کہ گو سب حق پر ہیں مگر ایک کی اطاعت بہتر ہے اور اس میں اصلاح و احسان موجود ہے۔ پس جبکہ سنت اللہ عزوجل کے مطابق منیبین الی اللہ میں سے ایک کی بالتخصیص اطاعت محمود ہے تو پھر ائمہ مجتہدین میں سے ایک کی متابعت کیوں معیوب ہے بلکہ سب سے وہی بہتر ہے جو ایک امام کی اطاعت کرتا ہے۔

(۴) اگر کسی بادشاہ کے چار صوبے ہیں تو رعایا پر لازم نہیں کہ ہر ایک صوبہ کے ماتحت

رہے اور اس پر فرض نہیں کہ ہر ایک ضلعی حاکم کی تابعداری کرے بلکہ اس حاکم کی جو اس ضلع کا ہے یا اس صوبہ کی جو اس کی ملکی حدود کا محافظ وحکمران ہے۔ اس کی اطاعت لازم ہے کیونکہ ہر ایک صوبہ اپنی اپنی حدود کا حکمران ہے اور ہر حاکم کے احکام وقوانین مناسب حال جدا جدا ہیں اور کل قانون کی اتباع مشکل ہے پس ایک کا تابعدار رہنا لازم ہوا۔ اس ایک حاکم یا صوبہ دار کی اطاعت عین وقت کے بادشاہ کی اطاعت ہے اس طرح مجتہدین مذاہب کے مسائل میں ایک کی اتباع عین اتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(۵) عامی کی مثال ایک مریض کی ہے اور مجتہدین اس کے ڈاکٹر وحکیم۔ اور ہمیشہ قاعدہ یہی رہا ہے کہ علاج کے وقت اکثر حکماء واطباء تشخیص وعلاج میں اختلاف کرتے ہیں کیونکہ ہر ایک کی تحقیق وطبعی ذہانت جدا جدا ہے لہٰذا مریض کو ایسے وقت میں صرف ایک ہی حکیم وطبیب کے علاج وفرمان پر اپنی مرض کا علاج تصور کرنا چاہئے۔ کھانے، پینے اور پرہیز وغیرہ میں امرونہی ایک ہی حکیم یا ڈاکٹر کا مفید ہے۔ اگر دو یا تین ڈاکٹروں یا حکیموں کا علاج مختلف کرے گا تو ایسا کرنا بسا اوقات مریض کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ اس طرح جو شخص ائمہ اربعہ کی اتباع کرے اور چاروں امام کے احکام کو اپنی منشاء کے مطابق عمل کرے گا تو ایمان مشکل سے حاصل کرے گا۔

(٦) اتباع ائمہ مجتہدین عین اتباع ارشادات انبیاء ورسل ہے کیونکہ ہر ایک امام ومجتہد اپنی معلومات وتحقیقات میں حق پر ہے اور بنظرِ اقوال واعمال واحکام امام متبع حق ہے۔ پس جو شخص بہمہ وجوہ متبع حق ہو اس کی اتباع فرض ہے کہ وہ اتباع عین اتباعِ حق ہے (والحق حق ان یتبع) اور اگر یہ خیال ہو کہ سب کی اتباع فرض ہے نہ ایک کی۔ تو عرض یہ ہے کہ اگرچہ سب کی اتباع فرض ہے مگر سب میں سے ایک بھی تو فرض ہے۔ جیسا کہ پانچ نمازیں فرض ہیں ان میں سے ایک نماز بھی تو فرض ہے۔ پس جس طرح ایک نماز کے وقت پانچ نمازوں کا جمع کرنا یا ایک نماز سے تھوڑا تھوڑا حصہ لے کر ایک وقت میں ادا کرنا ممنوع وناجائز ہے اس طرح ہر ایک مذہب ومجتہد سے اپنی حسب منشا مسائل جمع کرکے اس پر اپنا عمل درآمد رکھنا ناجائز ہے۔ بالاجماع جس طرح ایک نماز

کے وقت تک دوسری نماز فرض نہیں ہوتی مثلاً صبح کے وقت ظہر وعصر فرض نہیں یا مغرب و صبح وعشاء فرض نہیں۔ جب تک کہ دوسری نماز کا وقت نہ آ جائے وہ نماز فرض نہیں ہوتی۔ اس طرح ایک امام کی اتباع میں جب تک ہے تب تک دوسرے کی متابعت ممنوع ہے۔

(۷) مجتہدین کی تقلید کے واسطے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ مبلغ احکام شرعیہ اور مبین اسرار نبویہ ہیں اور بس۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ احکام فرقانیہ اجمال ہیں اور اس کی تفصیل احادیث میں ہے اور یہ تفصیل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار واقوال سے مل سکتی ہے اور آثار صحابہ کی تحقیق تصدیق اجتہاد و مجتہدین پر موقوف ہے۔ اور موقوف علیہ ہمیشہ موقوف سے مقدم ہوتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کوئی کتاب احادیث اور مسائل معمولہ کی جمع نہیں تھی جس سے ہر مسئلہ یا کوئی مسئلہ دریافت ہوسکتا اور نہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ایسی کوئی بات تھی۔ اور نہ ہی ان کو مہمات جہاد سے فراغت حاصل تھی کہ کوئی کتاب لکھتے۔ باقی رہا دوسرا قرن (زمانہ) جس سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔ انہوں نے ادلۂ شرعیہ سے اجتہاد واستنباط کرکے مسائل کا لکھوانا شروع کیا پھر اس کے بعد تیسرا زمانہ آیا انہوں نے بھی امام صاحب کا طریقہ تحریر وتقریر اختیار کیا۔ یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا (الناس کلھم عیال ابی حنیفة فی الفقه) فقہ میں تمام لوگ حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان ہیں۔ امام صاحب کے اصحاب اور طالب علموں نے جب کتابیں لکھنا شروع کیں تو دیگر ائمہ کی کتابیں بھی تصنیف ہونے لگیں۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے گو دیگر ائمہ نے اپنے مسائل تحقیق وتصدیق کردہ کی کتابیں تالیف کیں مگر بنسبت تیسرے زمانہ کے دوسرا زمانہ جس میں امام صاحب تھے ازروئے اطاعت کے اقدم واسبق ہے کیونکہ حدیث شریف کی ترتیب سے دوسرا زمانہ تیسرے زمانے سے خیریت وافضلیت میں برتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذاہب اربعہ میں سے امام صاحب کے مقلدین ستر (۷۰) فیصد ہیں اور دیگر ائمہ کے تیس فیصد جیسا کہ ملا علی قاری نے تحریر فرمایا اور حسب الارشاد باری عزاسمہ (فاستبقوا الخیرات) بھی امام صاحب کی اطاعت کا مقام ارفع واعلیٰ ہے۔ کیونکہ آپ

افضل واکمل اور افقہ واعلم ہیں بنسبت تیسرے زمانہ کے اور تقریباً جملہ محدثین ومجتہدین آپ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔تو ثابت ہوا آپ کی تقلید بنسبت دیگر ائمہ کے افضل واحسن ہے۔

(۸) تیسرے زمانہ کے بعد وہ زمانہ آیا جس زمانہ کی احادیث میں افشاء کذب وزور (جھوٹ) کی خبریں ہیں اور جس زمانہ میں اکثر واضعین احادیث لوگوں کے درمیان پیدا ہوئے۔اس زمانہ میں دیگر محدثین مثل امام بخاری ومسلم وترمذی وغیرہ وغیرہ (اور یہ مجتہد نہ تھے) موجود تھے۔انہوں نے ہر چند بغرض تائید حق سعی بلیغ وجان نثاری وعرق ریزی سے تحقیقات وجستجو کرکے احادیث جمع کیں مگر تابعین قرن ثانی وتبع تابعین قرن ثالث کے برابر ان کی تحقیق وتصدیق نہ پہنچی کیونکہ قرن ثالث زمانہ صحابہ کے قریب تھا اور قرن ثانی زمانۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرب تھا بلکہ امام صاحب نے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے۔تو ایسے زمانہ میں جس میں شر نہ تھا، کی تحقیق وتصدیق بہتر وافضل تر ہے زمانۂ شر سے۔پس اہل انصاف کیلئے فقط امام صاحب کی تحقیق ہی کافی ہے اتباع کیلئے کیونکہ امام صاحب کا زمانہ محفوظ ہے شر وفتنۂ وفساد سے اور مصؤن ومحفوظ ہے کذب وزور اور وضع سے۔

(۹) جس حال میں ائمہ مجتہدین حقائق ودقائق قرانیہ اور اسرار ونکات احادیث نبویہ کے مبین ومظہر ہیں تو اس حال میں ان کی تقلید کے واسطے دلیل طلب کرنا خالی از جہالت نہیں۔کیونکہ حصول اسرار قرآنیہ موقوف ہوا اتباع تحقیق مجتہدین پر اور اتباع مجتہدین موقوف ہوئی قرآن پر تو یہ دور لازم آیا جو کہ باطل ہے عند الکل۔پس ثابت ہوا کہ تقلید مجتہدین عقلاً بھی واجب ہے اور اس کا ثبوت مثل ثبوت مسائل ایمانیہ اور اعتقادیہ مثل وجود سبحانہ تعالیٰ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ ویوم الحشر والنشر وغیرہ کے ہے پس داخل ہوا یہ مسئلہ مسائل ایمانیہ واعتقادیہ میں اور ثبوت اس کا ادلّہ شرعیہ سے لازم نہ ہوا بدیں وجہ کہ ثبوت مسائل شرعیہ کا اتباع ائمہ پر موقوف ہے۔

(۱۰) انسان اگر آئمہ اربعہ کے تحقیق کردہ مسائل کی اتباع نہ کریگا تو لامحالہ کسی نہ

کسی محدث کی متابعت ضرور کرے گا پس جبکہ کسی اور امام کی سوائے ائمہ مجتہدین تقلید وتحقیق اختیار کرے گا تو کیاوجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین (جو کہ اطاعت کے واسطے احق ہیں) کی تقلید کو ترک کرے۔ حالانکہ ازروئے قرآن واحادیث مجتہد کا رتبہ برتر واعلیٰ ہے محدثین وغیرہ سے۔

یہی وجہ ہے کہ مجتہد باوجود خطا کرنے کے ایک ثواب کا مستحق ہے اور بحالت صواب دو اجر کا حصہ دار۔ یہی وجہ ہے کہ امت محمدیہ نے ائمہ مجتہدین مذاہب اربعہ کی تقلید کا وجوب بیان کیا ہے نہ تقلید محدثین کا کیونکہ مجتہد مسائل اصولیہ وفرعیہ اور اجتہادیہ واجتماعیہ کا جامع ہے بخلاف محدث کے۔

(۱۱) مسائل اسلامیہ تین قسم پر منقسم ہیں: اوّل نصّی، دوم اجماعی، سوم اجتہادی۔ مسائل نصّی تمام کے نزدیک مسلم ہیں اور مسائل اجماعی بھی واجب الاتباع ہیں۔

باقی رہے مسائل اجتہادیہ تو وہ مختلف فیھا ہیں۔ اب اس میں انسان تین حال سے خالی نہیں اگر وہ مجتہد ہے تو قوت اجتہادیہ سے تحقیق کرکے اپنا فیصلہ آپ کرے گا۔ یا وہ مجتہدین میں سے کسی ایک مجتہد کی تقلید کرے گا۔ یا کبھی ایک مذہب پر عمل کرے گا، کبھی اس کو چھوڑ کر دوسرے پر اور کبھی تیسرے پر اور اس طرح وہ آزاد ہو جائے گا حالانکہ خدا فرماتا ہے (ایحسب الانسان ان یترك سدی) یعنی کیا انسان شتر بے مہار بننا چاہتا ہے اور نیز کبھی ایک چیز کو حلال کہے گا اور کبھی اس کو حرام اور جس کو حلال کہے گا اس کے حرام ہونے کا اس کے دل میں خیال بھی ہوگا اور جس کو حرام کہے گا دل میں اس کی حلت بھی موجود ہوگی تو یہ اجتماع نقیضین ہے جو کہ بالاتفاق باطل ہے مثلاً کبھی سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض واجب سمجھ کر کو امام کے پیچھے پڑھے گا۔ کبھی دوسرے مذہب کے مطابق اسی قرات خلف الامام کو مکروہ بلکہ مفسد صلوۃ خیال کرتے ہوئے چھوڑ دے گا یا کبھی ایک مذہب کے مطابق رفع یدین وآمین بالجھر اور نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کو سنت جان کر عمل کرے گا تو پھر ایک وقت بخیال دیگر مذہب افعال مذکورہ کو مکروہ وخلاف سنت گمان کرتے ہوئے ترک کردے گا۔ یا کبھی ایک کو واجب کہے گا پھر اس کو مستحب ومندوب

قرار دے گا یا کبھی ایک امام کے فرمان وتحقیق کے مطابق بوجہ پانی میں مردار گرنے کے پانی کو نجس وناپاک خیال کر کے وضوو غسل کیلئے اس کو مانع صلوۃ بلکہ اس جسم کو جس پروہ پانی گرا ہو ناپاک یقین کرے گا۔ پھر دوسرے امام کے فرمان کی رو سے اس پانی کو پاک بلکہ پاک کرنے والا خیال کرے گا یا کبھی کسی جانور کو حرام ومکروہ ذہن نشین کرتے ہوئے اس کا کھانا باعث گناہ سمجھے گا۔ پھر اسے حلال اور پاک سمجھ کر اس کا کھانا موجب ثواب تصور کرے گا غرضیکہ جو شخص تقلید شخصی کو ترک کر کے مذاہب کے درمیان پھرنے کا عادی ہو جائے گا۔ وہ کمال درجۂ فتنۂ وفساد میں مبتلا ہوگا بلکہ فتنہ انگیزی، اور شرانداز ی کا وہی باعث موجب ہوگا جس کی ممانعت قرآن مقدس میں ہے (**لاتفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا**) آخر الامر جب انسان تقلید چھوڑ کر آزاد ہو جاتا ہے تو شیطان اس کو جماعت سے جدا دیکھ کر قابو کر لیتا ہے جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا اور یہی وجہ ہے کہ جملہ محدثین، مفسرین، فقہاء مذاہب اربعہ کے مقلد رہے ہیں۔

(۱۲) اور اگر ہم نے تسلیم کر لیا اور فرض کر لیا کہ تقلید شخصی باالتخصیص واجب نہیں مگر چونکہ جملہ امصار وبلادِ اسلامیہ کے علماء وفضلاء باالخصوص علمائے حرمین شریفین ودیگر قضاۃ واہل فتویٰ سابقہ کسی نہ کسی مصلحت ونیک اندیشی سے ایک ہی امام کے متبع ومقلد رہے ہیں۔ لہٰذا بغرض امن واصلاح وخیر اندیشی ہم کو بھی ایک ہی امام کی تقلید کافی ووافی ہے۔

جملہ محدثین کا مقلد ہونا (انصاف) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ میں بخوبی درج ہے اورنواب صدیق نے کتاب (**حطہ فی ذکر صحاح ستہ**) میں سب حال لکھا ہے اس ایک امام کی تقلید سے صلحاء اہل اللہ وعلماء کی اتباع حاصل ہے اور یہی مقصد اسلام ہے۔ کیونکہ خدائے عزوجل نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قرآن میں یوں بیان فرمائی۔ (**توفنی مسلمًا والحقنی بالصالحین**) یعنی اے اللہ مجھے مسلمان کی حالت میں موت دے اور مجھے صالحین کے ساتھ ملادے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا یہ ہے (**رب ھب لی حکما والحقنی بالصالحین**) اے خدا مجھے حکم دے اور مجھے صالحین کے ساتھ ملادے۔ اور اہل عقل واصحاب کی دعا یوں نقل فرمائی (**ربنا فاغفر لنا**

ذنوبنا و کفر عنا سیاتنا و توفنا مع الابرار) اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور برائیوں کو ہم سے دور فرما اور نیکوں کے ساتھ ہمیں موت نصیب فرما۔ جب کہ انبیاء و اولیاء اللہ کی یہی دعا ہے کہ خدا ہمیشہ بزرگوں کے ساتھ رکھے اور ان کے ساتھ مارے اور یہ اس صورت میں ہوسکتا ہے جب آدمی اولیاء اللہ کی محبت ومتابعت کو اپنے اوپر لازم کرے اور ان کے اقوال اور اعمال کی اتباع کرے اور ان کی لغزشوں کے درپے نہ ہو اور ان کو اپنے سے کم تر تصور نہ کرے۔

ان کی حقارت و اہانت و بے ادبی نہ کرے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ اولیاء اللہ کی متابعت و محبت فرض ہے تو ہم نے بھی ائمہ کی تقلید کو واجب سمجھ کر اختیار کرلیا۔ اگر چہ ہم ائمہ اربعہ کے مطیع وفرمانبردار ہیں لیکن مسائل مختلفہ میں ہم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں جن کے ورع وتقویٰ، زُہد وحلم، عقل وعلم اور اجتہاد کو اکثر مجتہدین محدثین نے تسلیم کیا ہے جس کو اس سے مزید کی ضرورت ہو وہ کتاب لائف ابوحنیفہ (سوانح عمری ابوحنیفہ مصنف شبلی نعمانی) ملاحظہ کرے اور فاضل مصنف یا تو بوجہ کم علمی یا بوجہ صحبت ملاحدہ نیچریہ کئی مقامات پر فاحش غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

ناظرین کرام! ان بارہ امور مذکورہ کو اچھی طرح سے ذہن نشین اور گوشہ خیال میں جگہ دے کر ادلہ شرعیہ مفصلہ ذیل کو اچھی طرح سے ملاحظہ فرمائیں۔ امید ہے مسئلہ تقلید کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی اگر چہ اس وجوب شخصی کے بارے میں علماء راسخین نے رسائل مفیدہ تحریر فرمائے جو ہمارے لئے باعث نفع اور نجاتِ اُخروی کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔

مگر چونکہ چند احباب نے مجھے اس مسئلہ پر لکھنے کیلئے مجبور کیا لہٰذا چند ادلہ کاملہ معرض تحریر میں لانے سے قبل تقلید کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کی اقسام اور پھر طبقات مجتہدین ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں اور اس کے بعد دلائل شرعیہ سے وجوب تقلید پر ثبوت پیش کروں گا۔ وما استطعت وماتوفیقی الاباللہ وعلیہ توکلت والیہ انیب ۔

لفظ تقلید کا لغوی اور شرعی معنی

القلادة التی فی العنق ومنه التقلید فی الدین ۔ الصحاح للجوهری
یعنی گردن میں ہار وغیرہ ڈالنا اور اسی سے تقلید فی الدین ہے۔
والقلادة ماجعل فی العنق ومنه التقلید فی الدین
یعنی وہ ہار جو گلے میں ڈالا جائے اور اسی سے دین میں تقلید ہے (لسان العرب لابن منظور)

اصطلاح اور شرع میں اس کا معنی یہ ہے کہ کسی کے قول وفعل کو اپنے اوپر لازم شرعی جاننا یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لئے حجت ہے کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔

جیسا کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول وفعل اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

حاشیہ حسامی باب متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۸۶ میں شرح مختصر المنار سے نقل کیا ہے اور یہ عبارت نور الانوار بحث تقلید میں بھی ہے۔

التقلید اتباع الرجل فیما سمعه یقول أوفی فعله علی زعم انه محق بلانظر فی الدلیل

تقلید کا معنی ہے کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا اس بات میں جو کچھ اُس سے سنا یا اُسے کرتے دیکھا یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے بلا نظر کئے دلیل میں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (المستصفی) جلد دوم میں ص ۳۸۷ میں فرماتے ہیں۔

التقلید هو قبول قول بلاحجة
یعنی کسی کے قول کو بلا حجت قبول کرنا یہ تقلید ہے۔

مسلم الثبوت میں ہے **التقليد العمل بقول الغير من غير حجة**
یعنی تقلید کا معنی ہے بلا دلیل کسی کے قول پر عمل کرنا

علامہ مولانا حسن جان سرہندی الاصول الاربعہ ص ۱۱۵ میں فرماتے ہیں۔
معنائی تقليد قبول كردن قول شخصے است بلا طلب دليل
تقلید کا معنی ہے کسی شخص کے قول کو بلا طلب دلیل قبول کرنا۔

تقلید کے شرعی معنی سے واضح ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہتے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے اور تقلید میں ہوتا ہے دلیل کو نہ دیکھنا۔ لہٰذا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد۔ اس طرح صحابہ کرام اور ائمہ دین حضور علیہ السلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد۔ اس طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیونکہ کوئی شخص بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے حجت نہیں بناتا بلکہ یہ سمجھ کر اس کی بات مانتا ہے کہ یہ ایک عالم دین ہے جو کچھ کہہ رہا ہے یہ کتاب سے دیکھ کر کہہ رہا ہے۔ اگر اس کا یہ فتویٰ غلط ثابت ہو جائے تو اس کو کوئی نہیں مانتا۔

بخلاف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مسئلہ بتادیں تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا (اور یہ فرق ضرور یاد رکھیں)

تقلید دو طرح کی ہے تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں جیسے روزے، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں ائمہ دین کی اطاعت کی جاتی ہے اور تقلید غیر شرعی دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا ہے۔ جیسے طبیب لوگ علم طب میں بوعلی سینا کی اور شاعر حضرات داغ، امیر یا مرزا غالب کی یا نحوی یا صوفی لوگ سیبویہ اور خلیل کی پیروی کرتے ہیں اس طرح ہر پیشہ ور اپنے پیشہ ور کی پیروی کرتا ہے۔ یہ تقلید دنیاوی ہے۔

صوفیائے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے

ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف ہے تو حرام ہے اس قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآن حکیم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے اور ایسے تقلید کرنے والوں کی برائی فرماتا ہے۔ مثلاً

(۱) ولاتطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان امره فرطا ۔

(۲) وأن جاهدك على ان تشرك بى ماليس لك به علم فلاتطعهما ۔

(۳) واذا قيل لهم تعالوا الى ماانزل الله والى الرسول قالو ا حسبنا ما وجدنا عليه آباء نا اولو كان آباؤ هم لايعلمون شيئا ولايهتدون ۔

(۴) واذا قيل لهم اتبعوا ماانزل الله قالو ابل نتبع ما الفينا عليه آباء نا ۔

اور ان جیسی دوسری آیات میں اس حرام تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے۔ جن کو اہلِ حدیث عوام کے سامنے پڑھ کر ان کو گمراہ کرتے ہیں کہ تقلید غیر شرعی ہے اور حرام ہے وغیرہ۔

تقلید شرعی اور ائمہ دین کی اطاعت سے ان آیات مقدسہ کا کوئی تعلق نہیں ہے اور ان جیسی آیات سے تقلید ائمہ کو شرک یا حرام کہنا محض بے دینی اور گمراہی ہے۔

تقلید شرعی محتاج تفصیل ہے۔ شرعی مسائل تین طرح کے ہیں اول عقائد، دوم وہ احکام جو قرآن حکیم یا حدیث مبارکہ سے صراحۃً ثابت ہوں اجتہاد کو ان میں دخل نہیں ہے، سوم وہ احکام جو قرآن وسنت سے استنباط واجتہاد کر کے نکالے جائیں۔

عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ تفسیر روح البیان سورہ ھود (**نصيبهم غير منقوص**) اس آیہ کریمہ کے ماتحت فرمائے ہیں۔

وفى الاية ذم التقليد وهو قبول قول الغير بلادليل وهو جائز فى الفروع والعمليات ولايجوز فى اصول الدين والاعتقاديات بل لابد من النظر والاستدلال

اس آیۂ کریمہ میں تقلید کی مذمت ہے اور تقلید کیا ہے وہ بلا طلب دلیل غیر کے قول

کو قبول کرنا اور یہ تقلید فروع اور اعمال میں جائز ہے۔ اصول دین واعتقادیات میں جائز نہیں بلکہ اس میں نظر واستدلال ضروری ہے۔

مقدمہ شامی بحث تقلید المفضول مع الافضل میں ہے:

(عن معتقدنا) ای عما نعتقده من غير المسائل الفرعية مما يجب اعتقاده على كل مكلف بلا تقليد لاحد وهو ما عليه اهل السنة والجماعة وهم الاشاعره والماتردية

(ردالمحتار جلد اوّل ص ۳۶)

یعنی جن کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں فرعی مسائل کے علاوہ کہ جن کا اعتقاد رکھنا ہر مکلّف پر بغیر کسی کی تقلید کے واجب ہے وہ عقائد وہی ہیں جن پر اہلسنّت وجماعت اشاعرہ اور ماتریدیہ ہیں۔ اور طرح امام فخر الدین رازی آیہ کریمہ (فاجره حتى يسمع كلام الله) پارہ نمبر ۱۰ کے ماتحت لکھتے ہیں۔

هذه الاية تدل على ان التقليد غير كافٍ فى الدين وانه لابد من النظر والاستدلال (تفسیر کبیر جز ۱۵ ص ۲۲۸)

یہ آیہ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اصول دین میں تقلید غیر کافی ہے اور اس میں نظر واستدلال ضروری ہے۔

صریح احکام میں کسی کی تقلید جائز نہیں مثلاً پانچ نمازیں اور ان کی رکعات، تیس روزے اور اس میں کھانا پینا حرام ہونا یہ وہ مسائل ہیں جو نص سے فراحتۂ ثابت ہیں۔ اور ان کیلئے قرآن وسنت سے دلائل دیئے جائیں گے نہ کہ تقلید کے محتاج ہیں۔

جو مسائل قرآن وحدیث یا اجماع امت سے اجتہاد واستنباط کر کے نکالے جائیں ان میں غیر مجتہد پر کسی مجتہد کی تقلید واجب ہے۔

اور قیاس مسائل میں فقہاء کا قرآن وسنت سے دلائل پیش کرنا صرف مانے ہوئے مسائل کی تائید کیلئے ہے۔ وہ مسائل پہلے ہی سے قول امام سے مسلم ہیں تو بلا نظر فی الدلیل کے یہ معنی ہیں کہ مقلد دلائل دیکھے ہی نہیں بلکہ یہ کہ دلائل سے مسائل حل نہ کرے۔

معنی اجتہاد اور تعریف مجتہد

مکلف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد دوسرے غیر مجتہد اور مجتہد کا معنی ہے اجتہاد کرنے والا۔

اجتہاد کا معنی: **الاجتهاد وهو فی اللغة تحمل الجهدای المشقة وفی الاصطلاح استفراغ الفقیه الوسع لتحصیل ظن بحکم شرعی وهذا هو المراد بقولهم بذل الجهود لنیل المقصود ومعنی استفراغ الوسع بذل تمام الطاقة بحیث یحس من نفسه العجز عن المزید علیه** (توضیح تلویح باب الاجتہاد ص ۴۲۹)

اجتہاد لغت میں مشقت اٹھانے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس کا معنی ہے بحکم شرعی ظن کو حاصل کرنے کیلئے فقیہ کا پوری پوری کوشش کرنا اور اصولیوں کے نزدیک مقصود کے حصول کیلئے جدوجہد بروئے کار لانا اجتہاد ہے اور (**استفراغ الوسع**) کا معنی ہے پوری طاقت کا بروئے کار لانا اس طرح کہ اس سے زیادہ طاقت کے بروئے کار لانے میں عجز محسوس کرے۔

یعنی انتہا تک اپنی پوری جدوجہد بروئے کار لائے جس کے بعد اس میں جدوجہد کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔

کمال الدین ابن ھمام لکھتے ہیں:

وهو ان یبذل جهده فی طلب الظن بحکم شرعی عن هذه الادلة ولایقلد احداً (فتح القدیر ج۶ ص ۳۶۲)

اجتہاد کا معنی ہے کتاب وسنت اور اجماع سے بحکم شرعی ظن کے طلب میں اپنی

پوری پوری طاقت وجدوجہد بروئے کار لائے اور کسی کی تقلید نہ کرے۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں۔

ولاجتھاد بذل الجھد فی الطلب واصطلاحا بذل الوسع للتوصل الی معرفة الحکم الشرعی (فتح الباری ج۱۳ص۲۹۹)

اور یہی معنی صاحب فتاویٰ شامیہ اور بحر الرائق نے کیا ہے۔

اجتہاد کا لغوی معنی ہے طلب میں طاقت کا صرف کرنا اور اصطلاح میں حکم شرعی کی معرفت تک پہنچنے کیلئے کوشش کرنا اور قوت استعمال کرنا۔

اجتہاد کے یہ معنی ایسے ہیں جس پر علماء اصولیین کا اتفاق ہے۔ اب تعریف مجتہد ملاحظہ فرمائیں۔

تعریف مجتہد

ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

والحاصل ان یعلم الکتاب والسنة باقسامها من عبارتهما واشارتهما ودلالتهما واقتضائهما وباقی الاقسام ناسخهما ومنسوخهما ومناطات احکاهما وشروط القیاس والمسائل المجتمع علیها لئلایقع فی القیاس فی مقابلة النص واقوال الصحابة (فتح القدیر ج٦ص٣٦٢)

الحاصل مجتہد وہ ہے جو کتاب وسنت بمعہ جملہ اقسام ان کی عبارات و اشارت اور دلالت واقتضاء کو جانتا ہو اور ان کے باقی اقسام ناسخ ومنسوخ وغیرہما اور ان کے احکام اورمشروط قیاس اور وہ مسائل جن پر اجماع ہے تاکہ نص اور اقوال صحابہ کے مقابلہ میں قیاس میں نہ پڑے۔ اوراس کے ساتھ لوگوں کے عرف بھی جانتا ہو۔

قہستانی جامع الرموز میں فرماتے ہیں۔

مجتہد کیلئے شرط ہے کہ وہ پانچ صد آیات اور تین ہزار احادیث جو احکام میں وارد ہوتی ہیں ان کے معانی کو جانتا ہو اور ان دونوں یعنی کتاب وسنت کی تمام اقسام کا عالم ہو۔ مفردات ومرکبات اور فائدہ دینے میں ان کے خواص کو جانتا ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ علم لغت اور صرف ونحو، معانی و بیان کو بھی جانتا ہو۔ یہ شرائط لغت کے اعتبار ہیں (یعنی لغوی معانی) شریعتاً یعنی معانی شرعیہ کا عالم ہو، یعنی وہ معانی جو احکام میں موثر ہوں جیسے کتاب وسنت کی جملہ خاص ومشترک اور مجمل وغیرھا کا عالم ہو اور سند حدیث اور رواۃ کے حال کا عالم ہو اور وجوہ قیاس بمع شرائط واحکام اور اقسام اور اجماع کا عالم ہو (جامع

الرموز ج دوم ص ۳۹۴)

شیخ محمد بن سلیمانی المعروف بلاماد آفندی مجمع الانھر میں لکھتے ہیں۔

واختلفوا فی المجتھد فقیل ان یعلم الکتاب بمعانیه والسنة بطرقھا والمراد بعلمھما علم به یتعلق الاحکام منھما من العام والخاص والمشترك والماوّل والنصّ والظاھر والناسخ والمنسوخ ومعرفة الاجماع والقیاس

(مجمع النھر ج دوم ص ۱۵۴، بحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۴)

یعنی مجتہد وہ ہے جو کتاب کو بمع معانی اور حدیث کو بمع طرق جانتا ہوں اور ان کے جاننے سے مراد وہ علم ہے جو احکام کے متعلق ہو ان دونوں میں سے یعنی خاص، عام، مشترک، ماول ونص اور ظاہر ناسخ ومنسوخ اور اجماع وقیاس کا پہنچاننے والا۔

اگر مزید تحقیق چاہئے تو توضیح تلویح باب الاجتہاد کا مطالعہ فرمائیں۔

مفتی محمود بن عبدالغیور حجۃ الاسلام میں مجتہد کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں۔

مجتہد وہ ہے جو جملہ آیات احکام اور ان کے معانی وتفاسیر اور تاویلات اور ان کا شان نزول اس کے جملہ اقسام میں سے جانتا ہو جیسا کہ کتب اصول میں مرقوم ہے۔

تمام احادیث احکام اور ان کی سند اور راویوں کے احوال اور ان کے معانی ومرادات وتاویلات کا اچھی طرح جاننے والا ہو اور احادیث احکام کی جملہ اقسام جیسا کہ کتب احادیث کی شروح میں مذکور ہے اور ہر حدیث کو مفصلاً یاد کیا ہوا ہو۔ اور تمام احکام اجماعی کا بھی وہ مکمل علم رکھتا ہو۔ اور استنباط قیاس میں کمال استعداد اور قوت عام رکھتا ہو۔

شرح نقایہ میں ہے کہ اہلیت اجتہاد یہ ہے کہ اصول فقہ کا عالم ہو اور اصول فقہ کتاب وسنت اور اجماع وقیاس ہے اور اس کے علاوہ تمام علوم میں سے جو ضروری ہے اس کا مجتہد کو علم ہو۔ مفتی محمود علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں پوشیدہ نہ رہے کہ اس میں اس طرح اشارہ ہے کہ جو مجتہد کی تعریف میں مذکور ہوا۔ وہ کافی نہیں بلکہ مجتہد کیلئے

لغت عربیہ کے علم کی معرفت، متواتر آحاد، مرسل و منقطع کی معرفت اور لغۃ جس کی روایت قبول کی جائے اور جس کی چھوڑ دی جائے اس کی معرفت، طرق ردی اور لغات سے وضع کئے ہوئے کی معرفت، فصیح وردی اور مذموم کی معرفت، مفرد و شاذ، نوادر و شواذ، مستعمل و مہمل، معرب و مؤلد اور خصائص کی معرفت اشتقاقِ لغت کی معرفت۔ حقیقت ومجاز اور مشترک کی معرفت، اضداد کی معرفت، مطلق ومقید، ابدال وقلب اور اس کے سوا تمام کے تمام جو علم لغت سے متعلق ہوں ان کی معرفت ضروری ہے اور جو ان سے جاہل ہے اسے عالم وفاصل نہیں کہا جاتا چہ جائیکہ اس کو مجتہدین میں شمار کیا جائے۔ مفتی موصوف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اگر ان کی تحقیق مطلوب ہوتو (المزھر) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی مطالعہ کرے۔ وہاں ان سے زیادہ شرائط ملیں گی۔ آگے چل کر فرماتے ہیں مجتہد کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ علم صرف ونحو، معانی وبیان اور بدائع اور علم اصول فقہ واصول حدیث و اصول تفسیر کا جاننے والا ہو۔ اصولیین کی تحقیق کا عارف اور جو محدثین نے روایت کیا اس کو بھی جانتا ہو۔ ائمہ جرح وتعدیل کا حافظ ہو اور اس میں بغیر کسی کی تقلید کے مثل ابوارزعہ وابویعلی وابن المدینی اور ان کی مثل، ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتا ہو اور عرف الناس کو جانتا ہو۔ پس جس میں یہ تمام شرائط جمع ہو جائیں اجتہاد کا اہل ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے۔

(حجۃ الاسلام ص ۲۹)

ناظرین کرام! آپ نے اجتہاد کا لغوی واصطلاح معنی اور مجتہد کی تعریف ملاحظہ فرمائی اس کے بعد مجتہدین کرام کے طبقات آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

طبقات مجتہدین

صاحب ردالمحتار شرح دُرمختار ابن العابدین شامی ردالمحتار جلد اوّل ص ۵۷ میں قاضی زادہ شریف مخدوم ابن قاضی عبدالرحیم البخاری نے اپنے رسالہ میں جو جامع امروز کے ساتھ ہے ص ۱۵ میں مجتہدین کے طبقات تحریر فرمائے۔

لکھتے ہیں طبقات المجتہدین چھ ہیں:

(۱) مجتہد فی الشرع (۲) مجتہد فی المذہب (۳) مجتہد فی المسائل (۴) اصحاب التخریج (۵) اصحاب الترجیح (۶) اصحاب التمیز اور قاضی زادہ شریف مخدوم نے ساتواں طبقہ فقہاء میں سے طبقۃ المقلدین تحریر فرمایا ہے۔

(۱) مجتہد فی الشرع وہ مجتہدین جنہوں نے اصول میں قواعد کی بنیاد رکھی اور ادلہ اربعہ سے فروعی احکام استنباط کئے اور وہ غیر مقلدین ہیں جیسے ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۲) مجتہد فی المذہب: وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں (جن کی ائمہ اربعہ نے بنیاد رکھی) اور ان اصول سے مسائل شرعیہ فرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں جیسے امام ابو یوسف ومحمد وابن مبارک رحمھم اللہ اجمعین یہ حضرات قواعد میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد۔

(۳) مجتہد فی المسائل: وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل دونوں میں مقلد ہیں مگر وہ مسائل جن کے متعلق ائمہ عظام کی تصریح نہیں ملتی۔ ان کو قرآن وسنت وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں جیسے امام طحاوی، حلوانی، سرخسی، بزودی اور فخر الدین قاضیخان وغیرھم۔

(۴) اصحاب تخریج: وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے ہاں ائمہ میں سے کسی کے مجمل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں جیسے امام کرخی ورازی

(۵) اصحاب ترجیح: وہ حضرات ہیں جو حضرات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دوقول روایت میں آئے تو ان میں سے کسی کو ترجیح دیں۔ اس طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں یعنی ھذا اصح وھذا اولیٰ وغیرہ سے جیسا کہ صاحب قدوری اور صاحب ھدایہ۔

(۶) اصحابِ تمیز: وہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات نادرہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقوی میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کردیں اور صحیح روایات اور معتبر قول کو لیں جیسے صاحب کنز اور صاحب درمختار۔

(۷) طبقہ مقلدین: جن میں ان وصفوں سے کچھ بھی نہ ہوں وہ مقلد محض ہیں جیسے ہم اور ہمارے اس زمانہ کے عام علماء حضرات۔ ان کا صرف یہی کام ہے کہ کتابوں سے دیکھ کر لوگوں کو مسائل بتادیں۔

قاضی زادہ فرماتے ہیں مفتی کیلئے لازمی ہے کہ ان مذکورات کو پہچانے اور اصول وفروع کو یادرکھے پھر فتویٰ دے اور اس کے آخر میں واللہ اعلم تحریر کرے۔

علماء حضرات جانتے ہیں کہ مجتہد کو تقلید کرنا حرام ہے تو ان چھ طبقات میں سے جس درجہ کے مجتہد ہوں گے وہ اس درجہ سے کسی کی تقلید نہیں کریں اور اس سے اوپر والے درجہ کے مقلد ہوں گے۔ جیسے امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ یہ حضرات اصول وقواعد میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور مجتہد فی المسائل ہونے کے اعتبار سے یہ خود مجتہد ہیں اور ان میں کوئی کسی کے مقلد نہیں۔

اس تقریر سے غیر مقلدوں کا یہ سوال بھی ختم ہوگیا کہ جب امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ حنفی اور مقلد ہیں تو وہ اپنے امام کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہی ہے یہ حضرات اصول وقواعد میں امام صاحب کے مقلد ہیں اور اس میں وہ امام صاحب کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ فرعی مسائل میں اختلاف کرتے ہیں اور اس میں وہ خود مجتہد ہیں کسی کے مقلد نہیں۔

غیر مقلدوں کا یہ سوال بھی لایعنی ہوا کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہو اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو چھوڑ دیتے ہو۔

اس کا جواب ہوگیا کہ بعض درجہ کے فقہاء اصحاب ترجیح بھی ہیں جو چند اقوال میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں اس لئے ہم کو فقہاء کا مرجح قول ملا اس پر فتویٰ دے دیا اور یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ پھر تم اپنے آپ کو حنفی کیوں کہتے ہو۔ یوسفی یا محمدی یا ابن مبارکی کہو

کیونکہ کئی جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو چھوڑ دیتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ امام ابو یوسف وامام محمد اور ابن مبارک رحمھم اللہ اجمعین کے جملہ اقوال امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قوانین واصول پر مبنی ہیں لہٰذا ان حضرات کے کسی بھی قول کو لینا درحقیقت امام صاحب کے قول کو ہی لینا ہے۔ جیسے حدیث پر عمل درحقیقت قرآن پر ہی عمل ہے اس لئے کہ رب ذوالجلال نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کوئی صحیح حدیث ثابت ہو جائے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔ اب اگر کوئی محقق فی المذاہب کوئی صحیح حدیث پا کر اس پر عمل کرے گا تو وہ اس سے غیر مقلد نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدہ سے عمل کیا ہے۔

اگر اس بحث کی پوری تحقیق مطلوب ہو تو مقدمہ شامی، **مطلبٌ صحّ عن الامام اذا صحّ الحدیث فھو مذھبی**، مطالعہ کریں۔

قارئین کرام: آپ نے اجتہاد کا معنی اور پھر مجتہد کی تعریف اور طبقات مجتہدین کو ملاحظہ فرمایا۔ پھر ذرا ایمان سے دیکھیں کیا جو لوگ حروف ابجد سے ناواقف ہیں۔ وہ قرآن وسنت میں اپنی مرضی سے تاویل کر رہے ہیں اور جو آیات مقدسات تقلید حرام کی برائی میں نازل ہوئیں ان کو تقلید شرعی پر محمول کر رہے ہیں۔ عوام الناس کو باور کرا رہے ہیں کہ تقلید از روئے قرآن حرام ہے شرک ہے۔

بعض مقلدین کہتے ہیں ہم میں اجتہاد کی قوت ہے لہٰذا ہم کسی کی تقلید کیوں کریں۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اجتہاد کیلئے کس قدر علم کی ضرورت ہے اور یہ قوت علمی ان کو حاصل ہے یا نہیں۔

دیکھیئے امام رازی وغزالی وغیرہ امام بخاری وترمذی وابوداؤد حضور غوث معظم و حضرت بایزید بسطامی وغیرہ بھی اسلام میں ایسے بلند پایہ علماء ومشائخ گزرے جن پر اہل اسلام جتنا فخر کریں کم ہے۔ مگر ان حضرات میں سے کوئی بھی مجتہد نہیں ہوا بلکہ سب مقلد ہی بنے خواہ وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہوں یا امام اعظم رضی اللہ عنہ یا دیگر

ائمہ کے۔

اس موجودہ زمانہ میں کوئی آدمی ان جیسی قابلیت کا اہل ہے یا ان جیسی قابلیت رکھتا ہے؟ جب ان حضرات کا علم مقام مجتہد کیلئے کافی نہیں تو جن بیچاروں کو کتب احادیث کے نام بھی نہیں آتے وہ کس شمار میں ہیں۔

اس لئے اگر ایمان کی درستگی وپختگی چاہتے ہو تو کسی کے مقلد بن جاؤ تاکہ معاملات وعبادات میں ان برگزیدہ حضرات کی اتباع کر کے اپنے آپ کو گمراہی کے کنواں سے نکال کر جادۂ ہدایات پر متمکن کر سکیں۔ اور یہی سبیل مومنین ہے اس راہ پر چل کر اپنے آپ کو قہر خدا اور عداوت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچا سکتے ہو ورنہ آخرت کی فکر کرو کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔

صاحب تفسیرات احمدیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

والانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعة واتباعهم فضل الٰهی وقبولیته من عنده الله تعالیٰ لامجال فیه للتوجیهات والادلة وقالوا هٰذا اذا کان الاختلاف فی الشرعیات ای النقلیات واما اذاکان الاختلاف فی التعقلیات اعنی علم الکلام فالمخطی فیه معاقب والحق واحدق علی الیقین ولهذا قالوا بضلالة فرق الاهوا من المعتزلة والروافض والخوارج وغیرهم وتیعین الحق فی مذهب اهل السنة والجماعة

(تفسیر احمدی ص ۳۶۳)

حق اور انصاف یہی ہے کہ مذاہب اربعہ یعنی امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ اجمعین اور ان کی اتباع یہ فضل الٰہی ہے اور اس کی قبولیت من جانب اللہ ہے۔ اور اس میں توجیہات ودلائل کی مجال نہیں (اور مجتہد کے اجتہاد کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب مجتہد اجتہاد کرتا ہے اگر مصیب ہو تو دو اجر کا مستحق ہوتا ہے اور اگر مخطی ہو تو ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ اور حق ایک ہی ہے یعنی وہ مجتہد جس کا اجتہاد درست ہو

(ادنیٰ ثواب ہے) معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اس وقت ہے جب اختلاف شرعیات یعنی نقلیات میں ہو۔ اور جب اختلاف عقلیات (عقائد سے متعلق ہوں) میں ہو تو خطا کرنے والا مرتکب بدعت بلکہ یقیناً کافر ہے۔ اسی لئے علماء نے معتزلہ اور روافض وخوارج وغیرہ فرقوں کو جو خلاف شریعت کی پیروی کرتے ہیں گمراہ کہا ہے اور مذہب اہل سنت وجماعت میں حق کو متعین فرمایا۔

صاحب تفسیر احمدی کی یہ عبارت اور شرح وتوضیح کا اشمس الاظہر اس بات کی مظہر ہے کہ مذاہب ائمہ مجتہدین اور ان کی اتباع فضل الٰہی ہے۔ معلوم ہوا ان برگزیدہ حضرات کی تقلید کرنے والوں پر اللہ عزوجل کا فضل ہے کیونکہ ان کی اتباع فضل الٰہی ہے۔

فضل الٰہی سے اعراض کرنے والا غضب وعتاب الٰہی کا سزاوار و مستحق ہے اس لئے ان حضرات کی تقلید کرکے ہی ہم اپنی دنیوی اور آخروی حیات کو سنوار سکتے ہیں۔

مسائل شرعیہ میں ان حضرات کی اتباع کرکے ہی ہم اللہ عزاسمہ اور اس کے رسول شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے متبع ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ائمہ مجتہدین کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کیلئے اجتہاد جائز ہے

علماء راسخین محدثین ومفسرین واصولیین نے اللہ عزوجل کے فرمان

ففهمنا ها سليمن و كلا اتينا حكما وّعلما

اور حدیث مبارک:

وردى ان الخثعمية قالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان فريضة الحج ادركت ابى شيخًا كبير الايستطيع ان يتمسك على الراحلة أفتخبرنى ان احج عنه فقال عليه السلام ارايت لو كان على ابيك دين فتقضيه اكان يقبل منك قالت نعم فقال عليه السلام فدين الله احق ان يقبل

خثعمیہ نامی عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ پر حج

فرض ہو گیا ہے اور وہ سواری پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا خیال کرتی ہے اگر تیرے باپ پر قرض ہو تو اس کی طرف سے ادا کرے تو کیا وہ تمہاری طرف سے قبول کر لیا جائے گا۔ اس عورت نے عرض کیا۔ ہاں پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کو قبول کیا جائے۔

اور اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا روزے دار کا بوسہ لینے میں استفسار اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو کلی سے تشبیہ دیا۔ اور ان کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد کرنا ثابت ہے۔ قرآن مقدس کی آیہ کریمہ اور حدیث سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کیلئے اجتہاد جائز ہے۔ حافظ عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

واحتج من ذهب الى انه كان يجتهد بقول الله تعالىٰ فاعتبروا يااولى الابصار والانبياء افضل اولىٰ لابصار ولماثبت من اجر المجتهد ومضاعفته والانبياء احق بمافيه جزيل الثواب ثم ذكر ابن بطال امثلة مماعمل فيه صلى الله عليه وسلم باالراى من امر الحرب وتنقيذ الجيوش واعطاء المؤلفة واخذ الفداء من اسارى بدر واستدل بقوله تعالىٰ (وشاورهم فى الامر) قال ولاتكون المشورة الافيما نص فيه ۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۹۲)

جو علماء اس طرف گئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول (فاعتبروا يا اولىٰ لابصار) سے دلیل پکڑی ہے کہ الانبیاء اولی الابصار کے افضل ہیں۔ (لہٰذا بدرجہ اولیٰ وہ اجتہاد کے مستحق ہیں) اور جب ثابت ہو گیا کہ مجتہد کے اجر اور اس کے دوگنا ہونا (یعنی اگر مصیب ہو تو دو اجر) تو حضرات انبیاء علیہم السلام زیادہ حقدار ہیں اس لئے کہ یہ ثواب جزیل ہے پھر ابن بطال نے ان مثالوں کا

ذکر کیا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رائے کے ساتھ عمل کیا۔ ان میں سے امر حرب، لشکروں کا روانہ کرنا، مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ وصدقات دینا اور بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینا وغیرہ۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ابن بطال نے دلیل اخذ کی کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کیلئے اجتہاد جائز ہے۔ وہ فرمانِ خدا یہ ہے (وشاورھم فی الامر) کیونکہ مشورہ ان امور میں ہوتا ہے جس میں کوئی نص وارد نہ ہوتی ہو۔

علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں باب (مایذکر من ذم الرای وتکلف القیاس) کے تحت ارشاد فرماتے ہیں۔

الذی یکون علی غیر اصل من الکتاب اوالسنۃ او الاجماع اماالرای الذی یکون علی اصل من ھذہ الثلاثۃ فھو محمود وھوالاجتھاد قولہ (وتکلف القیاس) الذی لایکون علی ھذہ الاصول لانہ ظن واماالقیاس الذی یکون علی ھذہ الاصول فغیر مذموم وھوا الاصل الرابع المستنبط من ھذہ والقیاس ھوالاعتبار ولاعتبار ماموربہ فالقیاس ماموربہ وذالک لقولہٖ تعالیٰ (فاعتبروایا اولی الابصار) فالقیاس اذا مامور بہ فکان حجۃ (عمدہ القاری ج ۲۵ ص ۴۳)

یعنی رائے وہ مذموم ہے جو کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف ہو اور اگر رائے ان تینوں کی بنیاد پر ہو وہ محمود ہے اور یہ اجتہاد ہے۔ اور امام بخاری کا قول ہے (وتکلف السناس) اور قیاس وہ مذموم ہے جو ان اصول پر نہ ہو اس لئے کہ قیاس ایک ظن ہے اور اگر قیاس ان اصول پر ہو تو وہ مذموم نہیں اور یہ قیاس چوتھا اصل ہے جو ان اصول سے نکالا گیا ہے اور قیاس اعتبار ہے اور اعتبار ماٗمور بہ ہے لہٰذا قیاس بھی ماٗمور بہ ہے اور یہ بوجہ قول اللہ عزوجل (فاعتبروا یااولی الابصار) اور قیاس اس جگہ مامور ہے لہٰذا حجت ہے۔

درحقیقت قیاس ہی اجتہاد کا نام ہے اور یہ ماموربہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولی الابصار کے افضل ترین ہیں لہٰذا آپ بھی اجتہاد کے ماموربہ ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسال ممالم ینزل علیه الوحی فیقول لاادری أولم یجب حتی ینزل علیه الوحی ولم یقل برای ولابقیاس لقوله تعالٰی بما أراك اللہ (بخاری شریف کتاب الاعتصام کے تحت فرماتے ہیں)

وقال المهلب ماحاصله الرد علی البخاری فی قوله ولم یقل برای ولاقیاس لان النبی صلی اللہ علیه وسلم قدعلم امته کیفیة القیاس والاستنباط فی المسائل لها اصول ومعان فی کتاب اللہ تعالٰی عزوجل لیریهم کیف یصنعون فیما عدموا فیه النص قدشبه صلی اللہ علیه وسلم الحمر باالخیل فقال ما انزل اللہ علی فیهما بشیءٍ غیر هذه الآیة الفاذة الجامعه (فمن یعمل مثقال ذرة خیر ایره) وقال للتی اخبرته ان اباها لم یحجّ ارایت لوکان علی ابیك دینٌ أکنت قاضیه فاللہ أحق بالقضاء وهذا هوعین القیاس عندالعرب (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۴۶)

مہلب کے قول کا ماحصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا رد ہے جوانہوں نے کہا (لم یقل برای ولاقیاس) اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسائل میں جن کے متعلق اللہ عزوجل کی کتاب میں اصول ومعانی ہیں ان میں قیاس واستنباط کی کیفیت کی اپنی امت کوتعلیم دی تاکہ ان کو دکھایا جائے کہ جن مسائل میں نص نہیں ان میں کس طرح قیاس کیا جائے۔اور تحقیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر کو گھوڑے کے ساتھ تشبیہ دی ہے پس فرمایا ان دونوں میں مجھ پر کچھ نازل نہیں ہوا سوائے اس آیۃ جامعہ کے (فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره) اوراس عورت جس نے خبر دی کہ اس کے باپ نے حج نہیں کیا تو جواب میں ارشاد فرمایا کیا اگر تیرے باپ پر قرضہ

ہوتا تو اس کو ادا کرتی۔ عورت نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا اللہ عزوجل اس سے بھی زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے اور عرب کے نزدیک یہ عین قیاس ہے۔

حافظ عسقلانی کے الفاظ یہ ہیں۔

ونقل ابن بطال عن المھلب مامعناہٗ انما سکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اشیاء معضلۃ لسیت لھا اصول فی الشریعۃ فلابد فیھا من اطلاع الوحی والافقد شرع صلی اللہ علیہ وسلم لامتہٖ القیاس واعلمھم کیفیہ الاستنباط فیما لانص فیہ حیث قال للتی سالتہ ھل تحج عن اُمھّا فاللہ احق بالقضا وھذا ھوالقیاس فی لغۃ العرب واماعند العلماء فھوتشبیہ مالاحکم فیہ بمافیہٖ حکم فی المعنی وقدشبہ الحمر باالخیل الٰی اٰخرہ

ابن بطال نے مہلب سے ان کا معنی نقل کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشیاء معضلہ (یعنی مبہم ومشکل) میں سکوت اس کے سوانہیں تھا کہ ان اشیاء کا شریعت میں اصول نہیں۔ پس ان میں بذریعہ وحی اطلاع ضروری تھی وگرنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قیاس بیان فرما دیا۔ اور جن مسائل میں نص نہیں ان میں استنباط کی کیفیت کی تعلیم دی اس لئے آپ نے اس عورت کو جس نے یہ سوال کیا کہ کیا میں اپنی ماں کی طرف سے حج کرسکتی ہوں فرمایا اللہ زیادہ حق والا ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔ یعنی حج تیری ماں پر قرض ہے تو اسے ادا کر اور لغت عرب میں یہی قیاس ہے۔

علماء کے نزدیک قیاس تشبیہ دینا ہے اس چیز کو جس میں حکم نہیں، ساتھ اس چیز کے کہ اس میں حکم ہے معنی میں۔ اور تحقیق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر کو گھوڑے سے تشبیہ دی۔ جیسا کہ علامہ بدرالدین کی تصریح ابھی گزری۔

حافظ عسقلانی اور بدرالدین عینی کے قول سے معلوم ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فقط اجتہاد کرنے والے ہی نہیں بلکہ امت کو اجتہاد کی تعلیم دینے والے بھی ہیں۔ آپ ہی

کے نور اجتہاد سے مجتہدین کرام منور ہوئے اور اپنے اجتہاد سے قیامت تک آنے والے لوگوں کو مستفیض و مستفید فرماتے رہیں گے۔

وہ حدیث جو سنن میں مشہور ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا روزہ دار کیلئے بوسہ لینا کیسا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کلی کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے عرض کیا نہیں فرمایا بوسہ لینے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

امام نووی شارح مسلم اس حدیث کو بطور حجت پیش کر کے فرماتے ہیں۔

قال القاضی قد قال بإباحتها للصائم مطلقا جماعة من الصحابة والتابعين واحمد واسحق وداؤد وكرهما على الاطلاق مالك وقال ابن عباس وابوحنيفة والثورى ولاوزاعى والشافعى تكره للشاب دون الشيخ الكبير وهى روايه عن مالك دروى ابن وهب عن مالك اباحتها فى صوم النفل دون الفرض ولاخلاف انها لاتبطل الصوم الا ان ينزل المنى باالقبلة واحتجوا باالحديث المشهور فى السنن وهو قوله صلى الله عليه وسلم أرايت لو تمضمضت ومعنى الحديث ان المضمضة مقدمة الشرب وقد علمتم أنّهالا تفطر وكذا لقبلة مقدمة للجماع فلاتفطر (نووی شرح مسلم جلد اوّل ص ۳۵۲)

قاضی عیاض فرماتے ہیں صائم کیلئے بوسہ لینے کو ایک جماعت نے مطلقا مباح کہا ہے (اور جماعت سے مراد) صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت امام احمد، اسحاق اور داؤد۔ اور امام مالک نے مطلقاً اس کو مکروہ کہا ہے اور ابن عباس، امام ابوحنیفہ، ثوری واوزاعی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا قول ہے کہ نوجوان کیلئے مکروہ ہے اور بوڑھے شیخ کے لئے مباح۔ اور امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ ابن وھب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ یہ روزہ نفلی میں مباح ہے اور روزہ فرض میں نہیں

اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ بوسہ لینے سے روزے دار کا روزہ باطل نہیں ہوتا اور علماء نے سنن میں ایک مشہور حدیث کے ساتھ دلیل اخذ کی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول (ارایت لو تمضمضت) ہے جس کا معنی گزر چکا اور حدیث کا معنی اس طرح ہے کہ کلی کرنا پانی پینے کا مقدمہ ہے اور تم نے جان لیا کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح بوسہ لینا جماع کیلئے مقدمہ ہے لہٰذا بوسہ لینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

حضرات گرامی! آپ نے امام نووی کا قول ملاحظہ فرمایا جس کا ماحاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے دار کے بوسہ لینے کو کلی کرنے پر قیاس کیا ہے اور فرمایا جس طرح روزہ دار کا کلی کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ کلی کرنا پانی پینے کا مقدمہ ہے اسی طرح روزہ دار کے بوسہ لینے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ جماع کا مقدمہ ہے اور یہ قیاس عین اجتہاد ہے دیکھو تلویح شرح تنقیح علامہ تفتازانی معلوم ہوا حضرات انبیاء علیہم السلام کیلئے اجتہاد جائز ہے۔

علامہ ملا علی قاری المرقات فی شرح المشکوٰۃ میں ایک حدیث جوام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے۔

عن ام سلمة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انما انا بشروانکم تختصمون الیّ الی آخرالحدیث متفق علیه .

کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فان قیل اولم یکن النبی صلی الله علیه وسلم مصئونافی أقواله وافعاله معصوما علی سائرا حواله قلنا ان العصمة تتحقق فیما یعد علیه ذنبًا ویقصده قصدًا واما مانحن فیه فلیس بداخل فی جملته فان الله تعالٰی لم یکلفه فیما لم ینزل علیه الاما کلف غیره وهوالا جتهاد بالاصابة ویدل علیه ماروی عنه فی

الحديث الذی ترويه ام سلمة من غير هذا الوجه وهو فی حسان فی هذالباب انا اقضی بينكم برايی فيما لم ينزل علی(رواه ابوداؤد) وفيه دلالة علی وقوع اجتهاد صلی الله عليه وسلم (مرقاہ شرح مشکوٰۃ ج ۷ص۲۵۲، ۲۵۷)

اگر کہا جائے کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقوال وافعال میں محفوظ اور جملہ احوال پر معصوم نہیں تو ہم کہیں گے عصمت ان میں متحقق ہوتی ہے جو آپ پر گناہ شمار کرے۔ اور آپ وہ قصداً کریں اور جس مسئلہ میں ہم ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوال وافعال واحوال اس میں داخل نہیں۔ اس لئے کہ اللہ عزوجل نے ان چیزوں میں آپ کو مکلّف نہیں بنایا جو آپ پر نازل نہیں ہوئیں مگر جو آپ کے غیر کو مکلّف بنایا گیا ہے اور وہ درست وصحیح جانب اجتہاد ہے اور جو آپ سے روایت کیا گیا حدیث میں جسے ام سلمہ نے دوسری وجہ سے روایت کیا۔ اور وہ حدیث اس باب میں (حسان) ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے درمیان اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں ان میں جو مجھ پر نازل نہیں کیا گیا اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتہاد کے واقع ہونے پر دلالت ہے اور اس حدیث مبارکہ کا اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں جس کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر اعتراض کیا جائے۔

اس حدیث کی تفصیل امام نووی سے سنئے۔ وہ فرماتے ہیں۔

فان قيل هذا الحديث ظاهره انه قديقع منه صلی الله عليه وسلم حكم فی الظاهر مخالف للباطن وقد اتفق الاصولين علی انه صلی الله عليه وسلم لايقر علی خطافی الاحكام فالجواب انه لاتعارض بين الحديث وقاعدة الاصوليين لان مراد الاصولين فيما حكم فيه باجتهاده فهل يجوزان يقع فيه خطا ۔ فيه خلاف الاكثرون علی جوازه ومنهم من منعه فالذين جوزوه قالوا لايقر علی امضائه بل يعلمه الله تعالیٰ ويتداركه واماالذی فی

الحديث فمعناهُ اذاحكم بغير اجتهاد كا لبينة و اليمين فهذا اذاوقع منه مايخالف ظاهره باطنه لايسمي الحكم خطابل الحكم صحيح بناء علي مااستقربه التكليف وهو وجوب العمل بشاهدين ۔ (نووی شرح مسلم جلد دوم ص ۷۴)

اور اگر کہا جائے کہ اس حدیث کا ظاہر (اس بات کا ثبوت ہے) کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر میں جو حکم دیا ہے وہ باطن کے خلاف واقع ہوا ہے حالانکہ اصولین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احکام میں خطا پر ثابت نہیں رہتے (لہٰذا اس حدیث میں جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فیصلہ باطن کے خلاف تھا اس کے باوجود فیصلہ متغیر نہیں ہوا) اور یہ حدیث اور قاعدہ اصولین کے درمیان تعارض ہے۔ امام نووی اس کے جواب میں فرماتے ہیں یہ حدیث اور قاعدہ اصولین کے درمیان تعارض نہیں اس لئے کہ مراد اصولین کی اس میں یہ ہے کہ جو فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے دیا ہو کیا اس میں خطا کا واقع ہونا جائز ہے۔

اس میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء اس کے جواز پر گئے (یعنی نبی سے اجتہاد میں خطا جائز ہے) اور کچھ ان میں سے اس کے منع پر ہیں (یعنی نبی اجتہاد میں خطا سے معصوم ہے)

جو علماء اس کے جواز کی طرف گئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ نبی جو فیصلہ کر چکا ہوتا ہے (اور اس میں خطا ہے) وہ اس پر ثابت نہیں رہتا بلکہ اللہ عزوجل اس کو آگاہ کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ استدراک کر لیتا ہے لیکن جو حکم اس حدیث میں ہے (یعنی حدیث ام سلمہ) پس اس کا معنی یہ ہے جب بغیر اجتہاد کے حکم دے مثل گواہ یا قسم کے (اور جب نبی کوئی فیصلہ گواہ یا قسم کی بنا پر کرتا ہے) تو اس وقت جو حکم واقع ہوا ہو اس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف نہیں ہے اور ایسے حکم پر خطا کا نام نہیں رکھا جاتا بلکہ وہ حکم اس بنا پر صحیح ہے کہ تکلیف کے ساتھ ساتھ ثابت ہوا ہے۔ اور وہ ہے دو گواہوں کے ساتھ عمل کا واجب ہونا۔

لہٰذا اس حدیث مبارکہ کا تعلق اجتہاد سے نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر اعتراض کیا جائے بلکہ یہ فیصلہ دو گواہوں کے ساتھ ہوا جو واجب العمل ہے اگر چہ اس فیصلہ کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اس لئے صاحب مسلم شریف نے باب اس طرح باندھا ہے کہ حاکم کا وہ حکم جو باطن کو متغیر نہ کرے۔ امام نووی کی اس ایمان افروز صراحت سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء کیلئے اجتہاد جائز ہے اور اگر ان سے اجتہاد میں خطا ہو جائے تو وہ اس پر ثابت نہیں رہتے بلکہ رب ذوالجلال ان کو مطلع فرما دیتا ہے۔

احمد شہاب الدین خفاجی شفا شریف کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔

(فعلی القول بتجویز وقوع الاجتهاد منه) صلی الله علیه وسلم (فی ذالك) ای فیمالم ینزل علیه وحی فیه (علی قولی المحققین) الذاهبین لجواز اجتهاده وهو القول الصحیح ثم علی هذا هل یجوز الخطأمنه فیما اجتهد فیه فمنعه بعضهم وجوزه بعض مع الاتفاق علی عدم اقراره صلی الله علیه وسلم علی الخطا وهذا رجحه کثیر من الاصولیین وذهب کثیر منهم الی ترجیح عدم وقوع الخطا فی اجتهاده اصلاً والیه قال المصنف رحمه الله تعالیٰ وادلتهم مسبوطة فی کتب الاصول فمن اراد فلیا خذالماء من مجاریه (وعلی مقتضیٰ) بصیغة المفعول ای علی مایقتضیه ویدل علیه لزوما (حدیث ام) المؤمنین هند بنت ابی امیة المشهور نام (سلمة) رضی الله تعالیٰ عنها بفتحات فیما روته عنه صلی الله علیه وسلم انه قال (انی انما اقضی بینك برائی) واجتهادی (فیمالم ینزل علی فیه شی) ای فیما لم ینزل من الله شی من وحیه وهو صریح فی وقوع الاجتهاد منه صلی الله علیه وسلم (اخرجه الثقات) ای

رواہ مسند امن یوثق بہ کابی داؤد وغیرہ وھو حدیث صحیح دال علی صحۃ اجتہادہ صلی اللہ علیہ وسلم (نسیم الریاض ج ۴ ص ۵۷،۵۸)

اس قول پر (جس میں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتہاد کا واقع ہونا جائز سمجھا گیا ہے وہ مسائل یا امور جن میں بذریعہ وحی آپ پر کچھ نازل نہیں ہوا۔ محققین کے قول پر جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے جواز کی طرف گئے ہیں اور یہی قول صحیح ہے۔ پھر اس قول پر کیا ان مسائل میں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد فرمایا خطا جائز ہے۔ بعض علماء اس کے منع کی طرف گئے ہیں اور بعض علماء اس کو جائز سمجھتے ہیں (یعنی خطا کو) اور مجوزین کا اس بات کے ساتھ اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطا پر ثابت نہیں رہتے (بلکہ ان کو مطلع کر دیا جاتا ہے جیسا کہ امام نووی نے فرمایا ہے) اور اصولیین میں سے کثیر نے اس کو ترجیح دی ہے اور اصولیین میں سے زیادہ لوگ اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد میں اصلاً خطا واقع نہیں ہوئی۔ مصنف یعنی قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع بھی اسی طرف ہے اور کتب اصول میں ان کے دلائل نہایت بسط سے مرقوم ہیں۔ پس جو شخص وہ دلائل دیکھنا چاہے اسے چاہئے کہ وہ ماخذ کی طرف رجوع کرے۔

(مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً قول محققین پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کا جائز ہونا نقل فرمایا اور اس کے بعد فرماتے ہیں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر حدیث ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تقاضا اور دلالت کر رہی ہے جس حدیث کو آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمایا۔

اور وہ دلائل مبارکہ یہ ہے کہ میں تمہارے درمیان اپنی رائے اور اجتہاد سے بھی فیصلہ کرتا ہوں۔ اس مسائل میں جن کے متعلق اللہ عزوجل کی طرف سے مجھ پر اس کی وحی سے کچھ نازل نہیں ہوا اور یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتہاد کے واقع ہونے میں صریح ہے۔

اس حدیث کو ثقات نے تخریج فرمایا یعنی اس حدیث کو سنداً ان سے روایت کیا جو

توثیق شدہ ہیں۔ مثل ابوداؤد اور ان کے علاوہ دیگر محدثین۔ اور یہ حدیث صحیح ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے صحیح ہونے پر دلالت کرنے والی ہے۔

میں نے مثل (مشتے از خروارے) بطور نمونہ صاحب نسیم الریاض سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز اجتہاد پر کچھ نقل کیا ہے ورنہ احمد شہاب الدین علیہ الرحمہ نے مسئلہ اجتہاد پر نہایت مفصل تحریر فرمایا ہے اور اگر آپ صاحب نسیم الریاض کی فکر انگیز اور محققانہ نقل دیکھنا چاہتے ہوں تو آپ کی کتاب نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض کی طرف رجوع فرمائیں۔ انشاء اللہ آپ کی تشنگی تحقیق دور ہو جائے گی۔

علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی شرح مواہب میں فرماتے ہیں کیا وجہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس میں معراج کی رات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا کرنے کے بعد ایک پیالہ دودھ اور دوسرا شراب کا پیش کیا گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمالیا اور شراب سے اعراض کیا حالانکہ شراب اس وقت مباح تھا اور اس کی حرمت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور یہ واقعہ معراج ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے پیش آیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا (اخترت) اور ایک روایت میں (احقات) اور ایک روایت میں (اصبت الفطرہ) یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فطرت کو پالیا اور پھر اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

أنّ المراد تفويض الامر فی تحريم مايحرم وتحليل مايحل الى اجتهاده صلى الله عليه وسلم وسداد نظره المعصوم فلما نظر فيهما أداه اجتهادهٗ الى تحريم الخمر وتحليل اللبن فوافق الصواب فی حكم الله تعالٰى فقال له جبريل اصبت وفيه اجتهاده فيما لم يوح الله فيه وهی مسئلة خلاف وهذا الحديث يحقق الجواز مع اتفاق المسلمين على ان اجتهاده معصوم من الخطا بخلاف غيره من العلماء (زرقانی علی المواہب ج ۶ ص ۴۷)

بے شک مراد یہ ہے کہ حرام کرنے میں جو حرام کیا جائے اور حلال کرنے میں جو

حلال کیا جائے کے امر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد اور درست ہونے پر آپ کی نظر معصوم کے سپرد کر دیا۔

پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں نظر معصوم فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد شراب کے حرام اور دودھ کے حلال کرنے کی طرف گیا۔ اور آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے صحیح اور درست کو پالیا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے درست پالیا اور اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی طرف اشارہ ہے ان مسائل میں جن میں آپ پر وحی نازل نہیں کی گئی اور یہ مسئلہ خلافی ہے۔ اور یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز اجتہاد کی محقق ہے کیونکہ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد خطا سے معصوم ہے بخلاف دوسرے علماء کے۔

قارئین کرام: حضرات محدثین کرام کے چند اقوال مقدسہ ومبارکہ آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے ہیں ان سے آپ کو بخوبی علم ہوگیا ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے لئے اجتہاد جائز ہے۔ میں نے بخوف طوالت جو علت ملالت ہے فقط چند احادیث مبارکہ اور ان کے ماتحت محدثین کرام کی تصریحات پیش کی ہیں ورنہ ذخیرہ کتب احادیث میں بیشمار احادیث ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کے جواز اجتہاد پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ عزوجل سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اب علماء اصولیین سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ علامہ تفتازانی تلویح شرح تنقیح میں فرماتے ہیں۔

(قولہ) **فعند البعض حظه الوحی لاالاجتهاد**) کے ماتحت فرماتے ہیں۔

بعض نے صریحاً اس پر اللہ عزوجل کے قول (**ان هو الاوحی یوحی**) کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان ترجمان سے ارشاد فرماتے وہ وحی ہی تو ہے اور وحی سے جو مفہوم ہے وہ یا تو فرشتہ کی زبان سے آپ کی طرف بھیجا گیا یا اس کے علاوہ (یعنی یہ سب وحی ہے) جواب میں ارشاد فرمایا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد کے ساتھ مکلّف ہیں مامور بہ ہیں تو جو حکم آپ نے اجتہاد کے ساتھ کیا ہوگا وہ بھی وحی ہے نہ کہ اپنی خواہش سے کلام کرنا۔

آگے چل کر فرماتے ہیں۔ بعض نے یہ دلیل اخذ کی ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اجتہاد جائز ہوتا تو سوال کے جواب میں توقف نہ فرماتے بلکہ اجتہاد کرتے اور جو اس کا جواب تھا اس کو بیان فرماتے۔

اس کا جواب اس طرح ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتظار کرنے میں مامور تھے اس لئے کہ انتظار کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کیلئے شرط ہے کیونکہ نفس اجتہاد بھی وقت کا مقتضی ہے۔

اس کے بعد علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ اجتہاد کے جواز پر دلائل پیش کرتے ہیں۔

واستدل علی المحتاز بخمسة اوجه: یعنی مختار مذہب پر علماء نے پانچ وجوہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد پر استدلال کیا ہے۔ (توضیح تلویح ص ۳۲۰)

<u>اوّل</u>: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اجتہاد کے واجب ہونے کی دلیل اللہ عزوجل کا قول (**فاعتبروا یا اولی الابصار**) ہے اس کی توضیح علامہ بدرالدین کے حوالہ سے پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

<u>دوم</u>: اجتہاد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے واقع ہوا ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان میں فرق کا کوئی بھی قائل نہیں۔

<u>سوم</u>: قصہ خثعمیہ اور روزہ دار کے بوسہ کے جواز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتہاد واقع ہوا ہے۔

<u>چہارم</u>: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نصوص کے علل (یعنی اسباب) کے عالم ہیں اور جو بھی ان علل کا جاننے والا ہوگا فرع کی وہ صورت جس میں یہ علت پائی جائے اس پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے اور یہ اجتہاد کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے۔

<u>پنجم</u>: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر امور میں جو متعلقہ حروب یا ان کے علاوہ ہیں، میں

اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا اگر یہ مشورہ فقط ان کے دلوں کو خوش کرنے کیلئے ہوتا اور ان کی رائے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمل نہ کرتے تو یہ ایذا و استہزاء ہوتا' نہ کم ان کے دلوں کو خوش کرنا۔ اور اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے پر عمل کیا ہے (جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رائے پر عمل کیا) تو بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اُقویٰ ہے۔

نص کی عدم موجودگی کے وقت صحابہ کرام کی رائے کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کرنا جائز ہے تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر عمل کرنا اولیٰ کیونکہ آپ کی رائے اُقویٰ ہے۔

علامہ تفتازانی کی تصریح سے ثابت ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد کے مکلّف ہیں مامور بہ ہیں جیسا کہ امام بدرالدین علیہ الرحمہ نے اس آیہ کریمہ (فاعتبروا یا اولی الابصار) کے ماتحت نقل فرمایا لہٰذا ان جملہ اقوال محدثین واصولین سے کالشّمس الاظہر عیاں ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے اجتہاد جائز ہے۔ اور اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق اجتہاد انبیاء کرام میں خطا بھی جائز ہے لیکن اس خطا پر قرار نہیں بخلاف دیگر علماء کے آپ اللہ تعالیٰ کے کلام (ففھمنٰھا سلیمان الی آخر الایہ) کے ماتحت علماء مفسرین کے اقوال مقدسہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجتہاد کے جواز میں نقل کرتا ہوں۔ وھو الموفق للصواب

سید محمود آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں اس آیہ مقدسہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

ومال کثیر الی ان حکمھا علیھما السلام کان بالاجتہاد وھو جائز علی الانبیاء علیھم السلام کما بین فی الاصول

(جز ۱۷ ص ۷۴)

کثیر علماء عظام نے اس طرف رجوع کیا ہے کہ ان دونوں یعنی (حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام) کا حکم اجتہاد کے ساتھ تھا اور اجتہاد انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے

جائز ہے جیسا کہ علم اصول میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔

صاحب تفسیرات احمدی فرماتے ہیں۔

وقیل کانابالاجتهاد والا ان اجتهاد سلیمان اشبه باالصواب وهوالمختار للامام الزاهد وفخر الاسلام واذا کانا بالاجتهاد فلیستنبط من آلایه والقصة مسائل باب الاجتهاد وهو المقصود لنا ذکرهافی هٰذالمقام (تفسیر احمدی ص ۳۶۰)

اور کہا گیا ان دونوں یعنی (حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام) کا حکم اجتہاد کے ساتھ تھا۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کا اجتہاد صواب کے زیادہ مشابہ تھا اور امام زاہد وفخر الاسلام کا یہی مختار مذہب ہے۔ اور جب ان دونوں کا حکم اجتہاد کے ساتھ تھا تو چاہئے کہ اس آیہ کریمہ اور قصہ سے باب الاجتہاد کے مسائل نکالے جائیں اور یہی ہمارا مقصود ہے اس مقام میں اس آیۂ کریمہ کے ذکر کرنے کا۔

معلوم ہوا حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا حکم بالاجتہاد تھا اور اجتہاد انبیاء کرام کیلئے جائز۔

علامہ شیخ سلیمان جمل فرماتے ہیں۔

(قوله وحکمهما باجتهاد) ای کماقال به المحققون لیدر کا فضیلة المحتهدین ورجع داؤد الٰی حکم سلیمان لما ظهرله انه الصواب وجوز الخطا علیٰهم کان المجتهدین لایقدرون علی اصابة الحق فی کل حادثه لکن لایقرون علی الخطا

(تفسیر جمل ج ۳ ص ۱۳۸)

صاحب تفسیر جلالین کا قول ان دونوں یعنی (حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام) کا حکم اجتہاد کے ساتھ تھا یعنی جیسا کہ محققین کا بھی یہی قول ہے تا کہ وہ مجتہدین کی فضیلت حاصل کرسکیں اور حضرت داؤد علیہ السلام نے حکم سلیمان علیہ السلام کی طرف رجوع فرمایا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کو ظاہر ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صحیح ودرست

ہیں (یعنی آپ کا فیصلہ درست ہے) اور ان پر خطا جائز ہے اس لئے کہ مجتہدین حق کے درست پالینے پر ہر حادثہ میں قادر نہیں۔ لیکن وہ خطا پر ثابت نہیں رہتے بلکہ رجوع کر لیتے ہیں۔

سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کا حکم اجتہاد کے ساتھ تھا اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی تا کہ وہ دونوں مجتہدین کی فضیلت حاصل کر سکیں۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی اپنی تفسیر الجامع لأحکام القرآن میں فرماتے ہیں۔

السادسة: واختلف العلماء فی جواز الاجتهاد علی الانبیاء فمنعه قوم ۔ وجوزه المحققون لانه لیس فیه استحالة لانه دلیل شرعی فلااحالة ان یستدل به الانبیاء فان قیل انما یکون دلیلا اذاعدم النصر وهم لایعدمونه ۔ قلنا اذالم ینزل الملك فقد عدم النص عندهم ۔ وصاروافی البحث کغیر هم من المجتهدین عن معانی النصوص التی عنیدهم والفرق بینهم وبین غیر هم من المتهدین انهم معصومون عن الخطاء وعن الخلط وعن التقصیر فی اجتهادهم ۔ وذهب ابو علی بن ابی هریرة من اصحاب الشافعی الی ان نبینا صلی الله علیه وسلم مخصوص منهم فی جواز الخطا علیهم (وقال بعد اسطر وقدقیل انه علی العموم فی جمیع الانبیاء و ان نبینا وغیره من الانبیاء صلوٰت الله علیهم فی تجویز الخطا علی سواء الاانهم لایقرون علی امضائه (تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص ۲۰۴)

<u>چھٹا مسئلہ:</u> انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم پر اجتہاد کے جواز میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ ایک قوم نے اس کو منع کیا ہے (یعنی انبیاء علیہم السلام کے لئے اجتہاد جائز نہیں)

اور محققین نے اس کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد میں کوئی استحالہ عقلیہ نہیں (جس کی وجہ سے ان کیلئے اجتہاد ممنوع ہو) کیونکہ اجتہاد ایک شرعی دلیل ہے پس یہ بات محال نہیں کہ انبیاء علیہم السلام اجتہاد سے دلیل اخذ کریں۔

اور اگر کہا جائے کہ اجتہاد سے اس وقت دلیل پکڑی جاتی ہے جب نص نہ ہو اور انبیاء کرام علیہم السلام اس کو معدوم نہیں پاتے۔ ہم کہتے ہیں جب وحی نازل نہ ہو پس تحقیق یہ ان کے نزدیک عدم نص ہے اور وہ بحث میں دوسرے مجتہدین کی مثل ہیں۔ یعنی جو ان کے پاس نصوص ہیں ان سے معانی کے استخراج میں دیگر مجتہدین کی مثل ہیں۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے علاوہ دیگر مجتہدین کے درمیان فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجتہاد میں خطا و غلط اور تقصیر سے معصوم ہیں اور دوسرے مجتہدین اس طرح نہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ابو علی بن ابو ہریرہ علیہ الرحمۃ اس طرف گئے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر جواز خطا میں ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخصوص ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ خطا جمیع انبیاء کرام علیہم السلام میں عموم پر ہے اور بے شک ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سوا اور دوسرے انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم خطا کے جائز ہونے میں مساوی و برابر ہیں۔

مگر انبیاء کرام علیہم السلام جو فیصلہ کرتے ہیں اس میں خطا ہو تو وہ اس پر ثابت نہیں رہتے بلکہ اللہ عزوجل کی طرف سے ان کو مطلع کر دیا جاتا ہے۔

اثیر الدین ابی عبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان اندلسی غرناطی المشھور بابن حیان نحوی اپنی تفسیر البحر المحیط میں فرماتے ہیں۔

والظاهر ان کلامن داؤد وسلیمان حکم بماظهر له وهو متوجه عنده فحکمهما باجتهاد وهوقول الجمهور واستدل بهذا الایة علی جواز الاجتهاد (تفسیر البحر المحیط ج۶ ص۳۳۰)

اور ظاہر ہے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام میں سے ہر ایک نے جو اس کیلئے ظاہر ہوا اس کے ساتھ حکم دیا اور وہ اس کے نزدیک قابل توجہ تھا۔ پس ان دونوں کا حکم اجتہاد کے ساتھ تھا اور یہ جمہور کا قول ہے۔ اور جمہور نے اس آیۂ کریمہ سے جواز اجتہاد پر دلیل اخذ کی ہے۔ معلوم ہوا انبیاء کرام صلوات علیہم کیلئے اجتہاد جائز ہے ورنہ حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام اس قضیہ میں اجتہاد نہ فرماتے۔

ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی، حنفی اپنی تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل میں فرماتے ہیں۔

(ففهّمناها) الى الحكومة او الفتوىٰ وفيه دليل على ان الصواب كان مع سليمان صلوات الله عليه (وكلامن داؤد وسليمان عليهما السّلام) (آتينا حكما) نبوة (وعلماً) معرفة بموجب الحكم (تفسیر مدارک علی حاشیۃ خازن ص۲۸۴ ج۳)

پس سمجھا دیا ہم نے سلیمان علیہ السلام کو فیصلہ یا فتویٰ (یعنی ضمیر ''ھا'' کا مرجع یا حکمت ہے یا فتویٰ)۔ اس آیۃ مقدسہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ صواب حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ (اور ہر ایک کو) یعنی حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام میں سے ہر ایک کو ہم نے حکم عطا کیا یعنی نبوت دی اور علم عطا کیا یعنی ایسا علم جو حکم کے موجب کی معرفت کا سبب ہے اور امام نسفی کا یہ جملہ (معرفة بموجب الحكم) اجتہاد پر دلالت کرتا ہے۔ اور حکم کی معرفت کا سبب اور موجب اجتہاد ہی ہے اس کی تفصیل صاحب خازن سے سنیے۔

علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی المشہور بالخازن فرماتے ہیں۔

قوله تعالىٰ (ففهمناها) اے علمناو الهمنا حكم القضيه (وكلا) يعنى داؤد وسليمان (آتينا حكما وعلما) ان بوجوه الاجتهاد طرق الاحكام قال الحسن لولا هٰذهِ الآية لرايت الحكام

قدهلکوا ولکن الله حمد هذا بصوابه واثنی علی هذا باجتهاده واختلف العلماء فی ان حکم داؤد کان باجتهاده ام بنص وکذالك حکم سلیمان فقال بعضهم حکما بالاجتهاد قال ویجوزا لاجتهادللانبیاء لیدرکوا ثواب المجتهدین والعلماء لهم الاجتهاد فی الحوادث اذالم یجدوافیها نص کتاب أوسنة واذا أخطوا فلااثم علیهم (تفسیر خازن ج۳ص۲۸۴)

اللہ تعالیٰ کا قول (ففهمناها) یعنی ہم نے سکھایا اور الہام کیا اس قضیہ کا حکم اور ہر ایک یعنی حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام میں سے ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم عطا فرمایا۔ یعنی وجوہ اجتہاد اور طرق احکام سکھائے۔ امام حسن فرماتے ہیں اگر یہ آیۃ مقدسہ نہ ہوتی تو اے مخاطب تو دیکھتا حکام ہلاک ہوگئے ہوتے اور لیکن اللہ عزوجل نے بسبب درست وصواب ہونے فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے، اس کی تعریف کی اور بسبب اجتہاد کرنے حضرت سلیمان علیہ السلام کے، اس پر ثناء فرمائی۔ اور علماء کا اختلاف ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا حکم اجتہاد کے ساتھ تھا یا نص کے ساتھ۔ اور اسی طرح حکم سلیمان علیہ السلام کا۔ بعض علماء نے فرمایا اس دونوں کا حکم اجتہاد کے ساتھ تھا۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے اجتہاد جائز ہے تاکہ وہ مجتہدین کے ثواب کو حاصل کرسکیں اور علماء کے لئے ان حوادث میں اجتہاد ہے جب وہ ان میں کوئی نص یعنی کتاب وسنت نہ پائیں اور جب انہوں نے اجتہاد میں خطا کی ان پر کوئی گناہ نہیں۔

معلوم ہوا علم سے مراد وجوہ اجتہاد اور طرق احکام ہیں جس کی طرف علامہ نسفی نے بھی اشارہ فرمایا۔

امام المتکلمین فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔

السوال الثانی: سلمنا انهما اختلفا فی الحکم ولکن هل کان الحکمان صادرین عن النص أو عن الاجتهاد

الجواب: الامران جائز ان عندنا وزعم الجبائی انهما

كانا صادرين عن النص ثم انه تارة يبنى ذالك على ان الاجتهاد غير جائز من الانبياء وأخرى على ان الاجتهاد ان كان جائزاً منهم فى الجملة ولكنه غير جائز فى هذه المسئلة

(تفسیر کبیر جز ۲۲ص ۱۹۶)

دوسرا سوال: ہم نے تسلیم کرلیا ان دونوں نے حکم میں اختلاف کیا لیکن کیا یہ دونوں حکم نص سے صادر ہوئے ہیں یا اجتہاد سے۔

جواب: ہمارے نزدیک دونوں امر جائز ہیں جبائی جو معتزلہ میں سے ہیں نے یہ گمان کیا کہ یہ دونوں حکم نص سے صادر ہوئے ہیں۔ پھر اس نے ایک دفعہ اس پر بنا کی کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے اجتہاد جائز نہیں۔ اور دوسری مرتبہ اس پر کہ اگر چہ سب میں انبیاء کرام علیہم السلام سے اجتہاد جائز ہے لیکن اس مسئلہ میں اجتہاد جائز نہیں۔ فخر الدین رازی نے اس مسئلہ پر دو ماخذ نقل کیے ہیں۔ بخوف طوالت فقط اس کے ترجمہ پر ہی اکتفا کرر ہا ہوں اور اس ماخذ کا ترجمہ یہ ہے۔

اما الماخذ الاول: امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں ان تمام مسائل میں ہم نے اپنی کتاب مسمّٰی بہ محصول فی الاصول میں کلام کیا ہے۔ اور طرفین سے اس کتاب میں سے ہم کلام کے اصول ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں بچند امور جبائی نے انبیاء کرام علیہم السلام سے اجتہاد کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے۔

اول: اللہ عزوجل کا فرمان (قل مايكون لى ان ابدله من تلقاء نفسى ان اتبع الامايوحٰى الى) اور اللہ جل شانہ کا قول (وماينطق عن الهوىٰ)

دوم: اجتہاد کا طریقہ ظن ہے اور نبی یقیناً اس کے ادراک پر قادر ہے لہٰذا یقین کو چھوڑ کر ظن کی طرف جانا جائز نہیں جیسے قبلہ کے دیکھنے والے کیلئے اجتہاد جائز نہیں۔

سوم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت موجب کفر ہے۔ بوجہ فرمان اللہ عزوجل (فلا وربك لايؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم) اور مظنون ومجتہدات کی مخالفت موجب کفر نہیں۔

چہارم: اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اجتہاد جائز ہوتا وہ مسائل احکام میں سے کسی حکم میں توقف نہ فرماتے اور مسئلہ ظہار اور لعان میں وحی کے وارد ہونے تک آپ نے توقف کیا۔ تو یہ دلیل ہے اس بات پر کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اجتہاد جائز نہیں۔

پنجم: اجتہاد کی طرف اس وقت جانا جائز ہے جب نص نہ ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فقدان نص مثل ممتنع ہے لہٰذا واجب ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتہاد جائز نہ ہو۔

ششم: اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتہاد جائز ہے تو جبریل سے بھی اجتہاد جائز ہے۔ تو پھر رسوخ حاصل نہیں ہوتا کہ جن شرائع کو جبریل لے کر آتے ہیں۔ کیا وہ اللہ عزوجل کی نصوص سے ہیں یا اجتہاد جبریل سے۔

امام فخر الدین رازی ان کے جوابات دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جواب اوّل سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان (**قل مایکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی ای آخر الایه**) یہ تمہارے قول کے صحیح ہونے کی دلالت نہیں کرتا اس لئے کہ یہ قول ایک آیت کو دوسری آیت کے ساتھ تبدیل کرنے میں وارد ہوا ہے۔ اس لئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا (**قال الذین لایرجون لقاء نا ائت بقرآن غیر هذا او بدله**) اور اجتہاد کا اس آیۂ کریمہ سے کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان (**ومایںطق عن الهوی**) یہ بھی معترضین کے قول کے بعید ہے اس لئے کہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اجتہاد کو جائز سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کیا وہ وحی سے ہے اور اگر چہ تفصیلاً اس طرح نہیں ہے۔

بندۂ ناچیز عرض کرتا ہے اگر اس کی تفصیل مطلوب ہو تو تلویح کا حاشیہ چلپی اور ملا خسرو کی طرف رجوع کریں انشاء اللہ وہاں اس کی تحقیق آپ کو ملے گی۔

پھر امام رازی فرماتے ہیں یہ آیۂ مقدسہ اللہ تعالیٰ جل اسمہ کی طرف سے ادائے حکم میں وارد ہوئی ہے نہ کہ اس حکم میں جو عقل کے ساتھ ہو۔

جواب سوال دوم: اللہ تعالیٰ عز اسمہ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جب تیرے ظن میں غالب آ گیا کہ حکم کا معلل ہونا اصل میں اس کے ساتھ ہے۔ پھر تیرے ظن پر غالب آ گیا کہ اس حکم کے معنی کا قائم ہونا دوسری صورت میں ہے تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ لوگوں کو حکم دے اور اس جگہ حکم یقینی ہے نہ کہ ظن بلکہ ظن حکم میں واقع نہیں اس کے طریق میں واقع ہے۔

جواب سوال سوم: ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مجتہدات کی مخالفت مطلق جائز ہے بلکہ مجتہدات کی مخالفت غیر معصوم سے صادر ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔ اور اس لئے اگر مسئلہ اجتہادیہ پر امت کا اجماع ہو تو ان کا خلاف ممتنع ہے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ان سے مؤکد ہے۔

جواب سوال چہارم: شاید کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض قسموں میں اجتہاد سے ممنوع تھے۔ یا مطلق ماذون تھے لیکن اس صورت میں آپ کو وجہ اجتہاد ظاہر نہ ہوتی ہو تو توقف ضروری تھا۔ صاحب تلویح علامہ تفتازانی کے حوالہ سے گزر چکا کہ توقف اجتہاد کیلئے شرط ہے بلکہ نفس اجتہاد توقف کا مقتضی ہے۔

جواب سوال پنجم: یہ بھی جائز ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض صورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتہاد کو بند کر دیا گیا ہو تو اس وقت اجتہاد کے جائز ہونے کی شرط حاصل ہو گئی۔

جواب سوال ششم: اور یہ احتمال بھی مدفوع ہے کیونکہ اجماع امت اس کے خلاف پر ہے۔

امام فخر الدین رازی منکرین کے اعتراضات کے جوابات کے بعد وہ وجوہ پیش کرتے ہیں جن کی بنا پر انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے اجتہاد کرنا جائز ہے۔

وجہ اوّل: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظن پر غالب آ گیا کہ حکم کا معلل ہونا اصل میں اس حکم کے ساتھ ہے پھر آپ کے ظن پر غالب آیا کہ اس حکم کے معنی کا قائم ہونا دوسری صورت میں ہے۔ تو اگر ظن کی دو طرفوں پر عمل کیا یہ اجتماع نقیضین ہے اور اگر دونوں کو چھوڑ

دیا تو ارتفاع نقیضین لازم آئے گا اور اگر راجح کو چھوڑ کر مرجوح کے ساتھ عمل کیا۔

تو یہ بالا تفاق باطل ہے اور اب باقی رہا راجح کو مرجوح پر ترجیح دینا۔ اور یہی قیاس کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ اور یہ نکتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں بھی قائم ہے۔

وجہ دوم: اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرمان (**فاعتبروا یا اولی الابصار**) اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اعتبار کا حکم دیا ہے پس واجب ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل ہوں کیونکہ آپ امام المعتبرین اور ان سے افضل ہیں۔

وجہ سوم: بے شک استنباط علماء کرام کے درجات کا ارفع ذریعہ ہے پس واجب ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس میں عمل دخل ہو۔ وگرنہ مجتہدین میں سے ہر ایک کا مقام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں افضل ہوگا۔

وجہ چہارم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے (**العلماء ورثة الانبیاء**) پس واجب ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے درجہ اجتہاد ثابت ہوتا کہ علماء ان کی وراثت سے مستفید ہوں۔ اس مسئلہ میں یہ قول اکمل ہے۔

وجہ پنجم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا (**عفا اللہ عنك لم اذنت لهم**) اگر یہ اذن اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا تو پھر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرمائے (**لم اذنت لهم**) اور اگر یہ اذن خواہش نفس سے تھا تو یہ جائز نہیں۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے تھا تو یہی ہمارا مطلوب ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم کیلئے اجتہاد جائز ہے اور اسی طرح تفسیر نیشاپوری میں مرقوم ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں۔

والاظهر ان حكمهما كليهما كان باالاجتهادالاان داؤد اخطا واصاب سليمان فاثنى الله عليه وجاز الخطافى اجتهاد الانبياء الا انّهم لايقرون عليه (تفسیر مظہری ج ۶ ص ۲۱۴)

اور اظہر قول یہی ہے کہ ان دونوں (یعنی داؤد وسلیمان علیہما السلام) کا حکم اجتہاد کے ساتھ تھا۔ یہ کہ داؤد علیہ السلام نے اجتہاد میں خطا کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس حکم کو درست پالیا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر ثناء فرمائی اور حضرات انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم کا اجتہاد میں خطا جائز ہے مگر وہ اس پر ثابت نہیں رہتے بلکہ باذن اللہ رجوع فرمالیتے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمۃ آیۂ کریمہ (واذاقیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول) سورہ نساء کے ماتحت فرماتے ہیں۔ عطف قولہ الی الرسول علی قولہ ماانزل اللہ یدل علی ان الرسول کان قدیحکم بعلمہ سوی القرآن من الوحی الغیر المتلو وباالاجتھاد (تفسیر مظہری ج دوم سورہ نساء ص ۱۵۵)

یعنی عطف اللہ کے قول (الی الرسول) کا (ماانزل اللہ) پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی قرآن کے سوا اپنے علم کے ساتھ وحی غیر متلو سے اور کبھی اجتہاد کے ساتھ یہی حکم فرماتے تھے۔

حضرات گرامی! ائمہ محدثین ومفسرین اور اصولین کے اقوال درخشندہ اور تصریحات تابندہ آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ جن سے حضرات انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم کے اجتہاد کے جائز ہونے پر کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

اور ائمہ مجتہدین بالخصوص سیدنا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اجتہاد بھی نور اجتہاد نبی الانبیاء، سید الاولین والاخرین، شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین، سیدنا وھادینا جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو ہے۔

لہٰذا ان ائمہ مجتہدین کی تقلید دراصل اتباع رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ اور بقول اللہ عزوجل (من یطع الرسول فقد اطاع اللہ) رسول خدا کی اطاعت واتباع درحقیقت اطاعت واتباع خداوند عالم ہے۔ معلوم ہوا جو لوگ ائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں وہ درحقیقت اطاعت خدا کرتے ہیں کیونکہ اطاعت خدا مضمر ہے۔ اتباع مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وسلم میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والا درحقیقت مطیع خدا ہے۔ ویسے بھی ائمہ مجتہدین اور ان کی اتباع فضل الٰہی ہے جیسا کہ صاحب تفسیر احمدی نے بیان فرمایا اور ان حضرات کی تقلید کرنے والے فضل الٰہی کے درخشندہ پرتو ہیں۔ اس لئے اللہ عزوجل نے اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان کی اتباع کا حکم دیا ہے اور وہ تقلید ہے اور یہ تقلید ائمہ مجتہدین واجب ہے اور اس کا تارک ومنکر عاصی وخاطی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تقلید کی توفیق عطا فرمائے۔

وجوب تقلید کا بیان

مفتی محمود و غفر له الغفور اپنی کتاب مستطاب حجة الاسلام میں فرماتے ہیں۔ رسالہ تحفۃ العرب والعجم میں مرقوم ہے

ان التقليد واجب باالكتاب والسنة والاجماع والقياس

یعنی تقلید کتاب (یعنی قرآن معظم) اور سنت (یعنی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اور اجماع اور قیاس کے ساتھ ثابت ہے۔

(۱) کتاب اللہ قال الله تعالىٰ فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون

یعنی اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ السابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه آلاية

اور سب میں اگلے پچھلے انصار ومہاجر اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے متبع ہوئے اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ عزاسمہ ان سے راضی ہے جو مہاجرین وانصار کی اتباع یعنی تقلید کرتے ہیں اور اتباع عین تقلید ہے۔

یہ آیات اور ان کے علاوہ دیگر آیات مقدسہ کی توضیح وتشریح عنقریب انشاء اللہ العزیز (اثبات تقلید از قرآن وحدیث) کے بیان میں آئے گی۔

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فاخرج عن معاذبن جبل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث معاذا الى اليمن فقال كيف تقضى فقال اقضى بكتاب الله قال ان لم تجد فى كتاب الله قال فبسنة

رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان لم تجدفى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اجتهدبرايى قال الحمدلله الذى وافق رسول رسول صلى الله عليه وسلم رواه الترمذى وغيره من اهل الحديث

معاذ بن جبل کو نبی کریم نے یمن بھیجا تو فرمایا: اے معاذ! تو کس طرح فیصلہ کرے گا؟ عرض کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ، فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں تجھے یہ حکم نہ ملے تو؟ عرض کی، رسول اللہ کی سنت کے ساتھ، فرمایا، اگر سنت میں بھی نہ پاؤ تو؟ عرض کرنے لگے اپنی رائے کے ساتھ اجتہاد کروں گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول یعنی معاذ بن جبل کو فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور یہ حدیث مبارکہ اس بات میں صریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو اہل یمن کا متبوع بنایا اور ان کو حضرت معاذ بن جبل کا اتباع کرنے والا اور یہ تقلید ہی ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے علاوہ دیگر احادیث مبارکہ ان شاء اللہ عنقریب (اثبات تقلید از قرآن وحدیث) کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اجماع: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جزیل المواہب میں اور کتب اصول کی بعض شروح میں منقول ہے۔

قال القرافى قد انعقدالاجماع على ان من اسلم فله ان يقلد من العلماء من شاء من غير حجر، انتهى وقال عبدالسلام فى شرح متن الجوهرة وقد انعقدالاجماع على ان من قلد فى الفروع ومسائل الاجتهاد من هولاء برئ من عهدة التكليف، انتهى .

قرافی فرماتے ہیں تحقیق اجماع اس بات پر منعقد ہوا ہے کہ جو اسلام لایا اس کیلئے علماء میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری ہے بلا ممانعت۔ اور عبدالسلام متن جوہرہ کی شرح میں فرماتے ہیں اجماع اس بات پر منعقد ہے کہ جس نے فروع اور مسائل اجتہاد میں ان

کی (یعنی ائمہ اربعہ امام اعظم و مالک اور امام شافعی واحمد رضی اللہ عنہم) کی تقلید کی وہ عہدہ تکلیف سے بری ہو گیا۔

قیاس: **فلان تقلید عمدة ائمة الحديث كالبخارى ومسلم مثلافى تصحيح الاحاديث جائز بالاجماع فكذالك تقليد عمدة ائمه الدين كأبى حنيفه ومالك وشافعى واحمد بن حنبل رحم الله تعالٰى عليهم اجمعين فى المسائل كان جائزا بالاجماع لاتحادالعلة**

چاہئے کہ (جس طرح) تصحیح احادیث میں عمدہ ائمہ حدیث مثلاً امام بخاری ومسلم کی تقلید بالاجماع جائز ہے۔ اس طرح مسائل میں عمدہ ائمہ دین مثل امام ابوحنیفہ و مالک وشافعی واحمد بن حنبل رحمہم اللہ علیہم اجمعین کی تقلید بھی بالاجماع جائز ہو کیونکہ علت یعنی سبب دونوں جگہ ایک ہے۔

اعتراض: لامذہب یعنی اہلِ حدیث تقلید کے عدم جواز پر یہ آیہ مقدسہ پیش کرتے ہیں **یٰٓاَیها الذین اٰمنوا اطیعوا الله واطیعواالرسول واولى الأمر منكم فان تنازعتم فى شىء فردوه الى الله والرسول ۔ آيه**

یعنی (**فان تنازعتم**) میں خطاب **اولى الأمر** کی طرف ہے تو ائمہ مجتہدین کی تقلید کس طرح جائز ہے۔

الجواب: علماء کرام نے اس آیۂ کریمہ کا معنی اس طرح بیان فرمایا ہے۔

فان الخطاب فى قوله تعالٰى فان تنازعتم فى شي فردوه الى الله والرسول لاهل التنازع فكان المعنى هكذا يايها الذين آمنو اطيعوالله واطيعوالرسول واولى الأمر منكم فان تنازعتم فى شى من الاحكام فردوه الى الله والرسول اى الى كتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ان كنتم اهل العلم والى عالم كتاب الله و سنة رسول الله ان كنتم من غير اهل العلم

لتعذر الرد فی زماننا الی اللہ ورسولہ فوجب تقدیر الکلام کما قلنا فدلت الآیة علی وجوب التقلید

اللہ تعالیٰ کے قول **فان تنازعتم الی آخر الایہ** میں خطاب تنازع کرنے والوں کو ہے اور اس آیۂ کریمہ کا معنی اس طرح ہوگا۔اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو **اولی الأمر** ہیں ان کی اطاعت کرو۔

یعنی اگر تم نے احکام میں سے کسی حکم میں اختلاف کیا تو اس کو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دو یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی حدیث کی طرف، اگر تم اہلِ علم سے ہو اور اگر تم اہلِ علم سے نہیں تو پھر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم کی طرف رجوع کرو۔ اور ہمارے اس زمانہ حال میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف احکام لوٹانا بہت مشکل ہے کیونکہ ہم اہلِ علم میں سے نہیں کہ کتاب وسنت سے احکام نکال سکیں تو واجب ہوا کہ جس طرح ہم نے کلام کو بیان کیا ہے وہی تقدیر درست ہے اور اس طرح یہ آیۂ کریمہ وجوب تقلید پر دلالت کرنے والی ہے نہ کہ تقلید کے عدم جواز پر۔

اعتراض: ابن حزم کا قول

لایحل لاحد ان یقلد احدًا لاحیًا ولامیتًا وعلیٰ کل احد من الاجتهاد بحسب طاقته

کسی کو کسی ایک کی تقلید کرنا جائز نہیں خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ۔ اور ہر ایک کو اپنی طاقت کے مطابق اجتہاد کرنا چاہئے اور ابن حزم کے قول سے ثابت ہوا تقلید کرنا جائز نہیں۔

الجواب: ابن حزم کے قول کی مسئلہ تقلید میں کوئی وقعت نہیں کیونکہ وہ اہل ظاہر میں سے ہے اور اس کا اہلسنّت وجماعت سے کچھ تعلق نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن حزم نے اپنی کتاب (المحلی) باب القول بالرای والقیاس میں قیاس کا انکار کیا ہے۔

اس وجہ سے امام نووی نے مقدمہ شرح مسلم میں ایک فصل میں ارشاد فرمایا کہ وہ ظاہری ہے اور اس طرح تعلیمات بخاری میں بالفاظ یعنی انہوں نے تحریر فرمایا کہ ابومحمد ابن حزم ظاہری ہے۔ معلوم ہوا ابن حزم کا قول تقلید کے عدم جواز میں قابل اعتماد نہیں کیونکہ اس کا تعلق اہل ظاہر سے ہے اہلسنت وجماعت سے نہیں۔

اعتراض: خود امام اعظم واحمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لاتقلد فی ولا مالکا ولا فی غیرہ خذ الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنة

قول امامین کہ نہ میری تقلید کر اور نہ امام مالک کی اور نہ ان کے سوا کسی اور کی۔ جہاں سے انہوں نے احکام اخذ کئے تو بھی اس سے احکام حاصل کر یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ لہٰذا خود امام اعظم اور امام احمد بن حنبل فرما رہے ہیں کہ ہماری تقلید نہ کرو اور تم کہتے ہو ان کی تقلید کرو۔

الجواب: امام صاحب کا یہ خطاب اس کیلئے ہے جو مجتہد ہو اور اس کی عبدالوہاب شعرانی نے اپنی کتاب میزان کبریٰ میں تصریح فرمائی اور یہ وہ ہے۔

(میزان کبریٰ ص ۵۸)

قال بلغنا ان شخصا استشارہ رضی اللہ عنه فی تقلیدہ احد من علماء عصرہ فقال لاتقلد نی ولامالکاولاالنخعی ولاالاوزاعی ولاغیر ھم خذالاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنة ولافقد صرح العلماء بان التقلید واجب علی کل ضعیف وقاصر النظر، انتھی وذالک لان المجتھد تقلید ' لغیرہ حرام باالاجماع کماتقرر فی کتب الاصول

امام ربانی عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں ہمیں معلوم ہوا کہ ایک شخص نے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ سے اپنے زمانہ کے علماء میں سے کسی عالم کی تقلید کے متعلق مشورہ کیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو نہ میری تقلید کر اور نہ امام مالک اور امام نخعی اور نہ

ہی امام اوزاعی کی۔ جہاں سے انہوں نے احکام اخذ کئے تو بھی وہاں سے احکام اخذ کر یعنی کتاب وسنت سے۔

وگرنہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ تقلید ہر ضعیف اور کوتاہ نظر پر واجب ہے۔ انتھی کلامہٗ

اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اس لئے فرمایا کہ مجتہد کا غیر کی تقلید کرنا (بالاجماع) حرام ہے جیسا کہ کتب اصول میں ثابت ہے۔ معلوم ہوا سائل مجتہد تھا جس کے حق میں امام صاحب نے فرمایا تو کسی کی تقلید نہ کر بلکہ جس طرح وہ کتاب وسنت سے احکام استنباط کرتے ہیں تو بھی اس طرح اس سے احکام نکال۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مخاطب مجتہد تھا نہ کہ غیر مجتہد۔ اور غیر مجتہد پر کسی مجتہد کی تقلید واجب ہے لہٰذا یہ اصول بے معنی اور لغو ہے۔

مجتہدین میں تقلید کا انحصار

جاننا چاہئے کہ مجتہدین میں تقلید کا انحصار بالاجماع واجب ہے کیونکہ مفتی بالاجماع مجتہد ہے۔ شیخ ابن ھمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

وقد استقر رای الاصولیین علی ان المفتی ھو المجتھد واما غیر المجتھد ممن یحفظ اقوال المجتھد فلیس بمفتٍ والواجب علیہ اذاسئل ان یذکر قول المجتھد کأبی حنیفة علی جھة الحکایة فعرف ان مایکون فی زماننا من فتوی الموجودین لیس بفتوی بل ھو نقل الکلام المفتی لیاخذبہ المستفتی وطریق نقلہ کذالك عن المجتھد احدالامرین اما ان یکون لہ فیہ سندٌ الیہ أویاخذہ من کتاب معروف تداولتہ الایدی نحو کتب محمد بن الحسن الشیبانی ونحوھا من التصانیف المشھورة للمجتھدین لانہ بمنزلة الخبرالمتواتر عنھم اوالمشھور (فتح القدیر ج٦ ص٣٦٠)

اصولین کی رائے اس بات پر ثابت ٹھہری کہ مفتی مجتہد ہوتا ہے لیکن غیر مجتہد ان میں سے ہے جس نے فقط مجتہدین کے اقوال یاد کیئے ہیں۔ پس وہ مفتی نہیں ہے اور اس پر (یعنی غیر مجتہد مفتی) واجب ہے جب اس سے سوال کیا جائے وہ مجتہد کے قول کا ذکر کرتے ہوئے حوالہ دے۔ مثلاً اقوال ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ معلوم ہوا ہمارے زمانہ میں لوگوں کا فتویٰ، فتویٰ نہیں بلکہ فتویٰ دیئے گئے کلام کو نقل کرنا ہے تاکہ فتویٰ پوچھنے والا اس کو اخذ کر سکے اور اس کلام کو مجتہد سے اس طرح نقل کرنا دو امور سے خالی نہیں۔ یا تو مفتی کیلئے (جس سے وہ کلام نقل کر رہا ہے) اسی تک سند ہو، یا مشہور کتابوں سے جو ہمارے

ہاں موجود ہیں ان سے نقل کرے۔ مثلاً کتب امام محمد بن حسن شیبانی یا ان کی مثل مجتہدین کی مشہور تصانیف میں سے کیونکہ یہ نقل قائم مقام خبر متواتر ہے یا خبر مشہور۔

علامہ ابن العابدین ردالمحتار شرح درمختار میں فرماتے ہیں۔

ان المفتی حقیقة هو المجتهد واما غیره فناقل لقول المجتهد ونحن انما نحکی فتواهم لاغیره ۔(ردالمحتار ج۴ص۳۳۷)

مفتی حقیقتاً مجتہد ہے لیکن غیر مفتی فقط ناقل ہے اور ہم تو صرف ان کے فتاویٰ کی حکایت کرتے ہیں۔

صاحب فتاویٰ ظہریہ کتاب القضا میں لکھتے ہیں۔

اجمع الفقهاء علی ان المفتی وجب ان یکون من اهل الاجتهاد وان لم یکن من اهل الاجتهاد فلایحل له ان یفتی الابطریق الحکایة

تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مفتی کیلئے واجب ہے کہ وہ اہل اجتہاد سے ہو اور اگر مفتی اہل اجتہاد سے نہیں تو اس کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں مگر بطریق حکایت۔

امام حصکفی علیہ الرحمہ بدرالمنتقی فی شرح الملتقی میں فرماتے ہیں۔

وان المفتی یطلق بطریق الاشتراك علی ثلاثة معان الاوّل مبین الحکم والحادثة، الثانی انه شارب من الإفتاء والثالث انه علم غیر مشتق وان الافتاء اما باجتهاد او بتقلید والمقلد لایحل له ان یفتی الاحکایة ونقلا ۔

(بدرالمنتقی برحاشیہ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ج۲ص۱۵۳)

مفتی بطریق اشتراک تین معانی پر بولا جاتا ہے۔ اول حکم یا نئے واقعہ کا بیان کرنے والا ہو، دوم علماء کرام کے فتاویٰ سے سیراب ہونے والا، سوم بغیر نکالے ہوئے فتویٰ کے وہ اس فتویٰ کا علم رکھتا ہو۔ اور فتویٰ دینا یا اجتہاد کے ساتھ ہوگا یا تقلید کے ساتھ، اور تقلید کرنے والے کیلئے جائز نہیں کہ وہ فتویٰ دے مگر حکایۃ یا نقلا۔

معلوم ہوا مفتی حقیقتاً وہ مجتہد ہے اور باقی مفتیانِ کرام تو ان کے فتاویٰ کو بطور حکایت یا نقل فتویٰ دیتے ہیں۔

اور صاحب مجمع الانھر نے مفتی کا معنی بحرالرائق سے نقل کیا ہے اور صاحب بحرالرائق نے فتح القدیر سے۔ جیسا کہ فتح القدیر کے حوالہ سے گزر چکا۔

صاحب فتاویٰ قاضیخان فرماتے ہیں ہمارے زمانہ میں مفتی جو ہمارے اصحاب میں سے ہے جب وہ کسی مسئلہ میں فتویٰ طلب کرے یا کسی واقعہ کے متعلق سوال کیا جائے۔ اگر وہ مسئلہ روایات ظاہرہ میں بلا خلاف ہمارے اصحاب سے مروی ہے۔ تو ان کے قول کے ساتھ فتویٰ دے اور ان کی، اپنی رائے کے ساتھ مخالفت نہ کرے اگرچہ وہ مجتہد ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس کا اجتہاد ہمارے اصحاب کے اجتہاد تک نہیں پہنچا۔

آگے چند سطور کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

وان كان المفتي مقلدا غير مجتهد يأخذ بقول من هو أفقه الناس عنده وليضيف الجواب اليه فان كان افقه الناس عنده في مصر آخر يرجع اليه باالكتاب وتثبيت الجواب (فتاوىٰ قاضي خان فصل في رسم المفتي) (ج اوّل ص ا)

اور اگر مفتی مقلد ہے مجتہد نہیں تو اس کے نزدیک جو لوگوں میں سے زیادہ فقیہہ ہے اس کے قول کو پکڑے اور اس کے قول کی اس کی طرف نسبت کرے۔ اگر اس کے نزدیک کسی دوسرے شہر میں اس سے بڑا فقیہہ ملے تو اس کی طرف بمعہ کتاب رجوع کر کے جواب کا ثبوت حاصل کرے۔

تو صاحب فتاویٰ قاضی خان کی اس عبارت سے واضح ہے کہ اگر مفتی غیر مجتہد ہے تو وہ دوسروں کی طرف رجوع کرے تاکہ فتویٰ کا جواب صحیح ملے اور پھر جو جواب لکھے اس کو اس کی طرف نسبت دے جس سے یہ فتویٰ حاصل کیا ہے۔ معلوم ہوا مفتی ہی مجتہد ہے حقیقتاً اور غیر مفتی محض حکایت کرنے والا اور نقل کرنے والا ہے۔

دوسرا یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی زمانہ ہذا میں مجتہد ہے پھر بھی وہ مسائل فروعیہ

شرعیہ میں مجتہدین عظام کی ہی طرف رجوع کرے۔جنہوں نے ادلہ شرعیہ کی پہچان کی اور جو صحیح وثابت اور غیر صحیح وغیر ثابت ہے تو ان میں انہوں تمیز کیا۔ آپ فرماتے ہیں اجتہاد کیلئے بعض کے نزدیک ضروری ہے کہ اس نے مسبوط کو حفظ کیا ہو اور ناسخ ومنسوخ اور محکم وماؤل اور لوگوں کی عادات اوران کے عرف سے اچھی طرح واقف ہو۔

زمانہ ہذا میں مبسوط تو کجا کسی کو منیۃ المصلی بھی یادنہیں۔ وہ کیا مجتہد بنے گا اس کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے کہ وہ کسی کا مقلد بن جائے اور سوائے تقلید کے اور کوئی چارہ کارنہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

اجمع الفقهاء على ان المفتي يجب ان يكون من اهل الا جتهاد كذافي الظهيرية وذكر في الملتقط واذا كان صوابه اكثر من خطائه هل له ان يفتي وان لم يكن من اهل الا جتهاد لايحل له أن يفتي الابطريق الحكاية فيحكي مايحفظ من اقوال الفقهاء هكذا في الفصول العمادية (فتاویٰ عالمگیری ج۳ص۹۶)

تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مفتی کا اہل اجتہاد سے ہونا ضروری ہے اور اسی طرح فتاویٰ ظہیریہ میں ہے اور ملتقط میں ہے جب مجتہد کا درست پالینا۔ اس کی خطا سے اکثر ہو تو اس کے لئے فتویٰ دینا جائز ہے۔ (صاحب فتاویٰ قاضی خاں فصل فی رسم المفتی میں ہے جب مجتہد سے دس سوال کئے جائیں تو ان میں سے آٹھ کا جواب درست دے تو وہ فتویٰ دے سکتا ہے)

اور اگر مفتی اہل اجتہاد سے نہ ہو تو اس کو فتویٰ دینا جائز نہیں مگر بطریق حکایت۔ اور اقوال فقہاء سے جو اس کو یاد ہو، اس کی حکایت کرے۔ اس طرح فصول عمادیہ میں ہے۔

حافظ محمد طاہر بخاری خلاصۃ الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

ان المفتي ينبغي ان يكون عدلا عالمابالكتاب والسنة ۔ (خلاصۃ

الفتاویٰ ج دوم ص ۱۵۸)

مفتی وہ ہونا چاہئے جو عدل کرنے والا ہو اور کتاب وسنت کا عالم ہو۔

تعریف مجتہد میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کتاب وسنت کے عالم ہونے سے کیا مراد ہے۔

یعنی کتاب وسنت کے جمیع علوم پر دسترس رکھتا ہو ایسا عالم کتاب وسنت مجتہد ہی ہو سکتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

وفی المحیط یشترط فی المفتی ماشرط فی الراوی من العقل واضبط والعدل والفهم (ص ۱۶۴)

محیط میں ہے مفتی میں وہ شرط لگائی گئی ہے جو راوی میں ہے یعنی عقل اور ضبط، عدل اور فہم اور یہ شرائط ہی تقریباً مجتہد کیلئے ہیں۔ جو ان شرائط کا مالک ہو وہ مفتی بن سکتا ہے اور مفتی مجتہد ہوتا ہے۔

پھر چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں:

و ان كان عاميا و استفتی فی افتاه المفتی صار عنده كا لثابت بالاجتهاد (خلاصه الفتاوی) (ج دوم ص ۱۸۰)

اگر کسی عام آدمی نے مفتی سے فتویٰ پوچھا اور اس مفتی نے اس آدمی کو اس کا جواب دے دیا اور عام آدمی کیلئے وہ فتویٰ ایسے ہو گیا جیسے اجتہاد کے ساتھ ثابت ہے۔

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ کا یہ قول دلالت کر رہا ہے کہ مفتی مجتہد ہی ہوتا ہے ورنہ مستفتی کیلئے اس کا فتویٰ اجتہاد کے ساتھ ثابت ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک کہ مفتی مجتہد نہ ہو اور اگر مفتی مجتہد ہوگا تو فتویٰ پوچھنے والے کیلئے مفتی کا وہ فتویٰ ایسا ہوگا جیسے اجتہاد کے ساتھ ثابت۔ کیونکہ اجتہاد مجتہد ہی کرتا ہے۔

اور امام الاسفوائی ''منہاج الاصول'' قاضی بیضاوی کی شرح کے آخر میں فرماتے ہیں

انهم اتفقوا علی ان العامی لایجوزله ان یستفتی الا ممن غلب

علی ظنه انه من اهل الاجتهاد والورع

علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ عام آدمی کیلئے فتویٰ پوچھنا جائز نہیں مگر اس سے فتویٰ پوچھے جس کے متعلق ظن غالب ہو کہ یہ اہل اجتہاد اور صاحب ورع میں سے ہے۔

شیخ ابن ہمام نے تحریر الأصول کے آخر میں فرمایا۔

الا -- ق علی حل الاستفتاء ممن عرف انه من اهل الا جتهاد والعدالة وعلی امتناعه ان احدهما، انتهی

فتویٰ پوچھنا اس آدمی سے جس کو وہ جانتا ہو کہ یہ اہل اجتہاد اور صاحب عدالت میں سے ہے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے اور اگر فتویٰ پوچھنے والے کو ان دونوں میں سے ایک میں بھی ظن ہو تو علماء نے اس سے فتویٰ نہ پوچھنے پر اتفاق کیا ہے۔

یعنی اگر اس کے اہل اجتہاد ہونے میں ظن ہے یا اس کے صاحب عدالت ہونے میں ظن ہے تو اس سے فتویٰ پوچھنا علماء کے نزدیک ممنوع ہے۔

امام نووی شرح مسلم شریف میں حدیث **اذا حکم الحاکم** کے ماتحت فرماتے ہیں۔

قال العلماء اجمع المسلمون علی ان ذالك الحديث فی حاكم عالم اهل للحكم فان اصاب فله اجران اجر باجتها ده واجر باصابته وان اخطا فلهٔ اجر با جتهاده . قالوا فاما من ليس باهل للحكم فلا يحل له الحكم فان حكم فلا اجرله بل هو آثم ولا ينفدحكمه فهو عاص فی جميع احكامه سواء وافق الصواب ام لا وهی مردودة كلها ولا يعذر فی شی من ذالك انتهٰی

(نووی شرح مسلم ج دوم ص ۷۶)

علماء فرماتے ہیں مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث مبارکہ حاکم عالم جو حکم کا اہل ہے اس کے حق میں ہے اگر اس نے دوست پالیا تو اس کیلئے دو ثواب ہیں۔ ایک ثواب اس کے اجتہاد کرنے کے سبب سے اور دوسرا ثواب اس کے اجتہاد کرنے کے

سبب سے اور دوسرا ثواب اس کو درست پالینے کے سبب سے اور اگر حاکم عالم نے اجتہاد میں خطا کی تو اس کیلئے ایک ثواب ہے بسبب اجتہاد کرنے کے۔ پس علماء نے کہا جو حکم کا اہل نہیں اس کیلئے حکم دینا جائز نہیں اور اگر اس نے فیصلہ دیا تو اس کیلئے کوئی ثواب نہیں بلکہ گنہگار ہے اور اس کے فیصلہ کو نافذ نہ کیا جائے اور وہ اپنے تمام احکام میں عاصی ہے۔ خواہ وہ درست کو پالے یا نہیں اور اس کے تمام کے تمام احکام مردود ہیں اور اس میں اس کا کچھ عذر بھی قبول نہ کیا جائے۔

لہٰذا اجماع سے یہ بات حاصل ہوگئی کہ مفتی مجتہد ہے نہ کہ اس کا غیر۔ اور غیر مجتہدین کیلئے حکم یا فتویٰ دینا جائز نہیں مگر بطریق حکایت ورنہ وہ تمام احکام میں عاصی ہوگا۔

برادرانِ اسلام! علماء وفقہا ذوالاحتشام کی عبارات مصرحات سے روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ مفتی درحقیقت مجتہد ہی ہوتا ہے اور جو ہمارے زمانہ کے مفتیان ہیں ان کو صرف علماء مجتہدین کے اقوال کی حکایت ہی کرنی چاہئے اور فتویٰ کے آخر میں واللہ اعلم بالصواب تحریر کرنا چاہئے جیسا کہ علماء کرام نے نقل فرمایا۔

معلوم ہوا حکایت کی کیفیت کچھ بھی ہو تمام علماء کرام اپنے فتاویٰ میں حضرات مجتہدین کے متبع ہیں کیونکہ علماء وفقہاء نے مجتہدین کے علاوہ دیگر مفتیان حضرات کو سختی سے منع فرمایا ہے کہ وہ کوئی فتویٰ دیں جو اپنی رائے سے ہو بلکہ فتاویٰ میں وہ حضرات مجتہدین کے اقوال کو نقل کریں۔ ان کے اقوال کی حکایت کریں اور یہ اتباع تقلید ہی کا دوسرا نام ہے لہٰذا علماء کرام کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ مجتہدین کی تقلید واجب ہے۔

اعتراض: لامذہب مطلق مجتہدین کی تقلید کے رد میں یہ آیۂ کریمہ پیش کرتے ہیں۔ (ولقد یسرنا القرآن فھل من مدکر) البتہ تحقیق ہم نے قرآن یاد کرنے کیلئے آسان کردیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

لامذہب کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کو سمجھنا ہمارے لئے آسان کردیا ہے تو پھر ہمیں کسی کی تقلید کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں قرآن کو خود سمجھنا چاہئے۔

جواب: اس آیۂ کریمہ کا معنی جو حضرات مفسرین نے اپنی تفاسیر میں بیان فرمایا وہ یہ ہے صاحب تفسیر جلالین فرماتے ہیں۔

ولقد یسرنا القرآن للذکر سھلناہ للحفظ او أھیئناہ للتذکر ۔ تفسیر معالم التنزیل میں ہے **ولقد یسرنا القرآن للذکر لیتذکر ویعتبر قال سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ یسرنا للحفظ والقرأۃ**

یعنی **ولقد یسرنا القرآن للذکر** کا معنی یہ ہے کہ ہم نے حفظ کیلئے قرآن معظم کو سہل اور آسان کر دیا۔ یا ہم نے اس قرآن کو نصیحت وموعظت کیلئے بنایا ہے۔

اور تفسیر معالم التنزیل میں ہے ہم نے قرآن ذکر کیلئے آسان کر دیا یعنی چاہئے کہ اس کو یاد کرے اور اس میں غور وخوض کرے اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ ہم نے حفظ اور تلاوت کیلئے قرآن کو آسان کر دیا۔

تو آیۂ کریمہ کا معنی یوں ہوگا کہ بے شک ہم نے قرآن کو یاد کرنے اور وعظ وتلاوت کیلئے آسان کر دیا تو کوئی ہے اس کو یاد کرنے والا۔ اور یہ قرآن حکیم کا ظاہر ہے۔

اور قرآن حکیم کی دوسری آیات اسی مراد پر دلالت کرتی ہیں۔

آیت نمبر۱: **قال اللہ تعالیٰ وھو الذی بعث فی الامین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکھیم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ** ۔

آیت نمبر۲: **ولقد من اللہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولا من أنفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ** ۔

آیت نمبر۳: **قال اللہ عزوجل لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قراناہٗ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ**

ان آیات مقدسات کا ترجمہ قرآن کریم سے ملاحظہ فرمائیں۔

یہ تمام آیات مقدسہ اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ قرآن کی تفسیر وترجیح کی جملہ وجوہ اور عموم کی تخصیص سے احکام میں آیات کے معانی کا بیان اور مجمل کا بیان اور مجمل

المطلق اور منسوخ کا بیان، آیات واحادیث کے درمیان تطبیق وتوفیق اور اس کے علاوہ استخراج احکام کے لیے جو کچھ کتب میں ہے (یعنی جملہ علوم) یہ سب کمال علم کے محتاج ہیں اور جب اہل زبان یعنی عرب اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت کے بعد اس کی تعلیم کی طرف محتاج ہیں تو ان کے غیر بدرجہ اُولیٰ ان جملہ علوم کے محتاج ہیں جن سے قرآن حکیم کی تفسیر ممکن ہے۔ معلوم ہوا لامذھب نے جو اس آیۂ کریمہ سے عدم تقلید کے جواز پر دلیل اخذ کی ہے وہ اس کی بے علمی اور کمال سفاہت پر دال ہے۔ کیونکہ اس آیۂ کریمہ کا تعلق ظاہر سے ہے یعنی قرآن حکیم کو یاد کرنا اس کی تلاوت کرنا وغیرہ۔ نہ کہ استخراج احکام سے، اور اس کیلئے کمالِ علم کی ضرورت ہے اور کمال علم حضرات علماء کرام کا ہی ہوسکتا ہے اس لئے ہم کو ان کی تقلید کا حکم دیا گیا ہے۔

مذاہب اربعہ من تقلید کا انحصار

اس سے قبل آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مطلقا آئمہ مجتہدین کی تقلید واجب ہے کیونکہ بغیر تقلید کے ہماری تعلیمات و معاملات کی اصلاح ناممکن ہے۔ اس کے بعد آئمہ مذاھب اربعہ امام اعظم و امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہم اجمعین کی تقلید کے متعلق چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

مذاہب اربعہ میں تقلید کا انحصار دین کے انتظام کی وجہ سے ہے یعنی دین کی درستگی اور اس کو ایک لڑی میں پرونا آئمہ مذاہب اربعہ کی تقلید میں ہی منحصر ہے اور یہ اہلسنّت وجماعت کے اجماع سے ثابت ہے۔

علامہ ابن حجر مکی امام نووی کی اربعین کی شرح فتح المبین میں حدیث نمبر ۲۸ کی شرح میں فرماتے ہیں:

وهذا فی حق المقلد الصرف فی تلك الأزمنة القريبة من الصحابة واما فی زماننا فقال بعض آئمتنا لايجوز تقليد غير الآئمة الاربعة الشافعی ومالك وابی حنيفة واحمد بن حنبل رضوان الله تعالى عليهم اجمعين لأن هولاء عرفت قواعد

مذهبهم و استقرت أحكامهم و خدمها تابعوهم و حرّروها فرعًا فرعًا و حكمًا حكمًا

اور یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے زمانہ قریب میں صرف محض مقلد کے حق میں ہے۔ لیکن ہمارے زمانہ میں ہمارے بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ سوائے ائمہ اربعہ کسی کی تقلید جائز نہیں اور ائمہ اربعہ یہ ہیں امام شافعی و مالک، امام ابوحنیفہ و امام احمد بن حنبل رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اس لیے کہ یہ ائمہ اربعہ وہ ہیں جن کے مذاہب کے قواعد معروف ہیں اور جن کے احکام متحقق و ثابت شدہ ہیں اور ان احکام کی ان کے تابعین نے اتباع کی اور ان احکام کی ہر فرع اور ہر حکم کو تحریر فرمایا۔ بخلاف دیگر ائمہ کے کیونکہ ان کے مذاہب محرر و مدون نہیں ہوئے اور نہ ہی ان کے مذاہب کے قواعد معروف ہیں جس کی بنا پر ان کے احکام کو تخریج کیا جائے اس لئے سوائے ائمہ اربعہ کے کسی مذہب کی تقلید جائز نہیں۔

امام اسنوائی منہاج الاصول للقاضی بیضادی کی شرح کے آخر میں فرماتے ہیں۔

وقال لا مام الحرمين فى البرهان اجمع المحققون على ان العوام ليس لهم ان يعملوا بمذهب الصحابة بل عليهم ان تتبعوا مذهب الائمة الذين سبروا فنظروا وبوّبوا الابواب وذكروا اوضاع المسائل واوضحوا طرق النظر وهذبو المسائل وبيّنوها وجمعوها وذكر ابن صلاح ايضًا حاصله انه يتعين تقليد الائمة الاربعة دون غير هم

امام الحرمین برہان مین فرماتے ہیں تمام محققین کا اس بات پر اجماع ہے کہ عوام کو مذہب صحابہ کرام پر عمل نہیں کرنا چاہئے بلکہ ان پر مذہب ائمہ اربعہ کی اتباع واجب ہے۔ جنہوں نے احکام و مسائل کو گہرائی تک دیکھا اور ابواب میں منقسم کیا۔ اور بتایا کہ وہ مسائل کہاں رکھے جائیں اور غور وفکر کے طریقوں کو واضح کیا اور چھان بین کے بعد ان مسائل کی اصلاح کی اور ان کو بیان کیا اور پھر ان مسائل کو جمع کیا اور ابن صلاح نے بھی

اس طرح ذکر کیا ہے۔

اور اس کا ما حاصل یہ ہے کہ تقلید کے ائمہ اربعہ کی تعیین ضروری ہے سوائے دیگر ائمہ کرام کے۔ اس لئے کہ مذاہب ائمہ اربعہ چہار جہات میں پھیل چکا ہے اور ان کے مسائل کے مطلق کا مفید ہونا معلوم ہو چکا ہے اور ان کے عام کی تخصیص اور ان کے فروع کی شروط بھی معلوم ہیں۔ بخلاف دیگر مذاہب کے۔ لہٰذا ائمہ اربعہ کی تقلید ہی لازمی و ضروری ہے۔ اس لئے علماء کرام نے تقلید کو مذاہب اربعہ میں منحصر فرمایا۔ ان کے علاوہ دیگر ائمہ مذاہب کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔

شیخ ابن ہمام تحریر الاصول کے تکملہ کے آخر میں لکھتے ہیں۔

نقل الامام اجماع المحققين على منع العوام من تقليد اعيان الصحابة بل عليهم من بعد هم الذين سبروا ووضعوا ودونوا على هذا ماذكر بعض المتاخرين منع تقليد غير الائمه الاربعه لانضباط مذاهبهم وتقليد مسائلهم وتخصيص عمومها ولم يدر مثله في غير هم الآن لانقراض اتباعهم وهو الصحيح

امام نے محققین کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ عوام کو اعیان صحابہ کرام کی تقلید نہیں کرنی چاہئے بلکہ جو لوگ ان کے بعد آئے (یعنی ائمہ مجتہدین) جنہوں نے احکام و مسائل کو گہرائی تک دیکھا اور ان کو اپنے مقام و محل پر رکھا اور ان کو ترتیب دیا۔ اور متاخرین میں سے بعض نے سوائے ائمہ اربعہ کی تقلید کے منع کا ذکر کیا ہے کیونکہ ائمہ اربعہ کے مذاہب مضبوط ہیں اور ان کے مسائل کے مقید اور ان مسائل کے عموم کی تخصیص ہونے کی وجہ سے وہی تقلید کے مستحق ہیں اور ائمہ اربعہ کے غیر میں اُن کی مثال اب تک نہیں پایا گیا۔ اس لئے کہ ائمہ اربعہ کی اتباع کرنے والوں کے علاوہ دیگر ائمہ کے اتباع کرنے والے اب باقی نہیں رہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ کہ ائمہ اربعہ امام اعظم و امام مالک اور امام شافعی و امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوا کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔

صاحب اَشباہِ نظائر نے فن اول اور قاعدہ اولیٰ میں فرمایا۔

وما خالف الائمة الاربعة مخالف للاِجماع و ان كان فيه خلاف لغير هم فقد صرّح فى التحرير ان الاجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للاربعة كانضباط مذاهبهم وانتشارها و كثرة اتباعهم (شرح أشباہ النظائرص ۸۹)

جو ائمہ اربعہ کا مخالف ہے وہ اجماع کا مخالف ہے اور اگر چہ اس میں ان کے غیر کا خلاف کیوں نہ ہو اور تحقیق تحریر الاصول میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔ (جیسا کہ اس سے ماقبل آپ نے ملاحظہ فرمایا) کہ ائمہ اربعہ کے مخالف مذہب کے ساتھ عدم عمل پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کیونکہ ان کے مذاہب اب نہیں رہے، ختم ہو چکے ہیں اور ائمہ اربعہ کے مذاہب پر چار اطراف پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی اتباع کرنے والے بکثرت ہیں۔

ثابت ہوا کہ سوائے ائمہ اربعہ مجتہدین کے کسی مذہب پر عمل درست نہیں کیونکہ ائمہ اربعہ کے سوا جملہ مذاہب اور ان کے اتباع کرنے والے باقی نہیں رہے لہٰذا زمانہ ھذا میں سوائے ان کی تقلید کے کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔

صاحب کشف الظنون علم فقہ کی تعریف کے ماتحت لکھتے ہیں۔

وجاز الأخذفيه اولا بمذهب اى مجتهد ارادالمقلد والمذاهب المشهورة التى تلقتها العقول باالصحة هى المذاهب الاربعة

(كشف الظنون ص 128)

علم فقہ میں اوّلاً کسی مجتہد کے مذہب کو پکڑنا جائز ہے جس کو مقلد چاہتا ہو اور مذاہب مشہورہ جن کو صاحب عقول نے صحیح ہونے کے ساتھ ہر زمانہ میں قبول کیا ہے۔ وہ مذاہب چار ہیں یعنی ائمہ اربعہ امام اعظم و مالک اور امام شافعی و حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم

معلوم ہوا یہ وہ مذاہب ہیں جن کو اہل عقول نے ہر زمانہ میں قبول کیا ہے اور جو مذاہب مقبول ہیں تقلید ان کی ہی جائز ہے اور مقبول عند العلماء والعقلا یہی ائمہ اربعہ ہیں جن کے ہمارے اس زمانہ میں مقلدین پائے جاتے ہیں۔ گو کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے مقلدین کی تعداد ستر فیصد ہے لیکن دیگر ائمہ مجتہدین کے مقلدین بھی موجود ہیں۔

قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری میں اس آیۂ کریمہ (ولا یتّخذ بعضنا بعضا اربا بامن دون اللہ) کے ماتحت ارشاد فرماتے ہیں۔

فان اهل السنة قد افترق بعد القرون الثلاثه او الاربعة على اربعة مذاهب فلم يبق مذهب فى فروع المسائل سوىٰ هذا الاربعة فقد انعقد الاجماع المركب على بطلان قول يخالف كلهم وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لايجتمع امتى على الضلالة وقال الله تعالىٰ (ومن يتبع غير سبيل المؤمنين نوله ماتولىٰ و فصله جهنم وساء ت مصيرا)

(تفسیر مظہری ج دوم ص ۶۴)

بیشک اہل سنت وجماعت تیسرے یا چوتھے زمانہ کے بعد مذاہب اربعہ پر متفرق ہوگئے اور فروعی مسائل میں سوائے ان مذاہب اربعہ کے کوئی مذہب باقی نہ رہا۔ جو قول ائمہ اربعہ کے مخالف ہو اس قول کے باطل ہونے پر اجماع مرکب منعقد ہوگیا۔

اور اس پر قاضی علیہ الرحمۃ نے بطور دلیل ایک حدیث مبارکہ اور ایک آیۃ مقدسہ پیش کی ہے۔ حدیث مقدسہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت گمراہی پر کبھی اکٹھی نہیں ہوگی اور آیۃ مبارکہ کا ترجمہ اس طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ عزاسمہ نے فرمایا جس نے مومنین کے سوا غیر کے راہ کی اتباع کی، آخر آیت تک۔

معلوم ہوا فروعی مسائل میں فقط یہی ائمہ اربعہ باقی رہ گئے ہیں جن کی اتباع پر امت کا اجماع ہے اور اگر ائمہ اربعہ کے قول کے مخالف کسی کا قول ہوگا تو وہ قول باطل ہے یعنی ائمہ اربعہ کے خلاف قول مردود ہے لہٰذا ائمہ اربعہ کی تقلید ہی واجب ہے۔

امام طحاوی درمختار کی شرح میں کتاب الذبائح کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

قال بعض المفسرين هذه الطائفة الناجية المسماة باهل السنة والجماعة قد اجتمعت اليوم فى المذاهب الاربعة هم

الحنفيّون والمالكيون والشافعيون والحنبليون و كان خارجامن هذه المذاهب الاربعة فى ذالك الزمان فهو من اهل البدعة والنار انتهى لكن المهدى مستثنىٰ عن ذالك لانّهٗ افضل ومذهبه احسن المذاهب بالنصّوص

یعنی بعض مفسرین نے کہا یہ گروہ ناجیہ جو اہل سنت و جماعت کے ساتھ موسوم ہے تحقیق آج کے دن (مراد وقت) مذاہب اربعہ میں اکٹھے ہیں اور وہ حنفیہ و مالکیہ وشافعیہ اور حنبلیہ ہیں۔ اور جو شخص اس زمانہ میں ان مذاہب اربعہ سے خارج ہوگیا۔ وہ اہل بدعت و اہل نار سے ہے۔ یہاں علامہ طحطاوی کا کلام ختم ہوا۔

اور امام مہدی رضی اللہ عنہ اس سے مستثنٰی ہیں اس لئے کہ نصوص سے ثابت ہے کہ وہ افضل ہیں اور ان کا مذہب مذاہب میں سے احسن ہے۔

صاحب تفسیر احمدیہ لکھتے ہیں۔

قدوقع الاجماع على ان الاتباع انما يجوز للاربع وقال والانصاف ان انحصار المذاهب فى الاربعه واتباعهم فضل الهى و قبوليته من عند الله تعالٰى فلا مجال فيه اللتوجيهات و لا دلة (تفسیر احمدی ص ۳۶۳)

اجماع اس بات پر واقع ہوا ہے کہ اتباع فقط ائمہ اربعہ کیلئے جائز ہے اور ان کے علاوہ کسی کی اتباع جائز نہیں۔ یعنی تقلید صرف ائمہ اربعہ میں سے ہی کسی ایک امام کی کرنی واجب ہے۔ اور فرمایا انصاف کی بات یہی ہے کہ مذاہب کا چار میں انحصار اور ائمہ اربعہ کی اتباع فضل الٰہی ہے۔ اور اس کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لہٰذا اس میں توجیہات اور دلائل کی مجال نہیں۔ معلوم ہوا ائمہ اربعہ اور ان کی اتباع فضل الٰہی ہے لہٰذا ان کی اتباع کرنے والوں پر بھی فضل الٰہی ہے۔ جن پر اللہ کا فضل ہوگا وہی ان کی اتباع کرے گا۔

ملا جیون صاحب تفسیر احمدیہ کا یہ قول ائمہ اربعہ کی تقلید کے ثبوت میں کافی وشافی

ہے۔

نہایۃ المراد شرح مقدمہ ابن عماد سے صاحب نظام الاسلام نقل فرماتے ہیں۔

وفی زماننا قد انحصرت صحة التقليد فی هذه المذاهب الاربعة فی الحكم المتفق عليه وفی الحكم المختلف فيه ايضا لا باعتبار ان مذاهب غيرهم من السلف باطلة وانما باعتبار ان مذاهبهم وصلت الينا بالنقل التواتر يرويها جماعة بعد جماعة فی كل ساعة من زمانهم الى زماننا هذا لايمكن عدالرواة ولا احصائهم فی اقطار الارض وبينت شروط مذاهبهم وفصلت مجملاتها وقدرت مطلقاتها بالنقل والمتواتر ۔ بخلاف مذاهب غيرهم من السلف فانها نقلت الينا بطريق الاحادفلوفرض ان حكما من احكام نقل عن بعض مذاهب السلف بطريق التواتر يحتمل ان يكون مجملا لم يفصله ناقلهٔ وان له قيد اقل به ناقله وشرطاً يتوقف القول بصحته عند ذالك المجتهد فيكون العمل به باطلا فلهذا الامر حصرنا صحة التقليد فی اتباع المذاهب الاربعة لاغير ۔

ہمارے زمانہ میں تقلید کا صحیح ہونا ان مذاہب اربعہ میں منحصر ہے۔ ایسے حکم میں جو ان کے درمیان متفق علیہ یا مختلف ہے (یعنی ہر صورت میں مذاہب اربعہ پر ہی تقلید کا انحصار ہے) اور صحت تقلید کا ان پر انحصار اس اعتبار سے نہیں کہ مذاہب اربعہ کے سوا سلف میں سے دوسرے مذاہب باطل ہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ مذاہب اربعہ کے مذہب ہم تک نقل تواتر کے ساتھ پہنچے ہیں ہر ساعت میں جماعت بعد جماعت نے ان کو روایت کیا۔ ان کے زمانہ سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک۔ اور روایت کرنے والوں کا شمار کرنا ممکن نہیں اور اطراف زمین میں ان کا احصا بھی ممکن نہیں اور ان کے مذاہب کی شرائط مبین اور ان کے مجملات مفصل اور ان کے مطلقات نقل متواتر کے ساتھ مقدر

ہیں۔ بخلاف سلف میں سے دیگر مذاہب کے کیونکہ وہ مذاہب ہم تک بطریق آحاد پہنچے ہیں۔ اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ احکام میں سے کوئی حکم سلف کے بعض مذاہب سے بطریق تواتر منقول ہے۔ تو اس میں یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ وہ حکم مجمل ہو اور ناقل نے اس کی تفصیل بیان نہ کی ہو۔ اس لئے اس حکم کے ساتھ عمل باطل ہے کیونکہ اس حکم کے ناقل قلیل ہیں۔ اور اس مجتہد کے نزدیک ناقل کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں۔ اس امر کی بنا پر ہم نے مذاہب اربعہ کی اتباع میں تقلید کو منحصر کیا ہے۔

اس تصریح سے ثابت ہوا ہے کہ سوائے ائمہ اربعہ کے کسی دوسرے مذہب کا حکم باطل ہے اور وہ قابل حجت نہیں کیونکہ وہ مذہب ہم تک بطریق تواتر نہیں پہنچا۔ جیسا کہ ائمہ مذاہب کا مذہب ہم تک بطریق تواتر پہنچا ہے۔ اس لئے ان کے احکام مقبول ہیں اور باقی ائمہ مذاہب کے احکام غیر مقبول ہیں اس لئے تقلید کا انحصار بھی انہی چار مذاہب پر ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے تاکہ فروعی مسائل میں ہم ان پر عمل کرسکیں۔

فتاویٰ حرمین شریفین میں منقول ہے:

الاجماع قدحصل على حقية المذاهب الاربعة وتخلف ذالك فيما سواها وان الامة جميعها قد تلقت المذاهب الاربعة بالقبول ولم يحصل ذالك لغير ها وقد أوجب الله تعالىٰ على من لم يعلم طرق الاجتهاد ولم يعلم ماكان عليه صدر الاول من الصحابة من اقوالهم وافعالهم ان يسئل ولا يعمل الآ بما يفتيه المفتى من الائمه الاربعة لعدم حجة فيمن سواهم قال الله تعالىٰ (فاسئلوا اهل الذكران كنتم لاتعلمون)

مذاہب اربعہ کے حق ہونے پر اجماع حاصل ہوگیا اور ان مذاہب اربعہ کے سوا میں ایسا نہیں ہے اور بے شک جمیع امت نے مذاہب اربعہ کو ہر زمانہ میں قبول کیا ہے اور یہ (یعنی ہر زمانہ میں قبول ہونا) دوسرے مذاہب کو حاصل نہیں ہوا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے

اس شخص پر واجب کیا ہے جو طرق اجتہاد نہیں جانتا اور نہ ہی اُس کو یہ معلوم ہے کہ صحابہ کس پر تھے اور ان کے اقوال وافعال کیا ہیں (ایسے شخص پر واجب ہے کہ علماء سے سوال کرے اور پوچھے) اور سوائے مفتی کے فتویٰ اسے جو ائمہ اربعہ سے ہیں عمل نہ کرے۔ اس لئے کہ ان ائمہ اربعہ کے سوا دوسرے مذاہب قابل حجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔

نیز اسی فتاویٰ حرمین شریفین میں ہے

والحاصل انه لاينبغي للعاقل ان يختار في الدين طريقة الا ماارتضاالسلف والخلف و تواتر روايتها وحصل الاجماع في كل عصر على حقية ذالك ولم يوجد متصف كذالك الاما اجمع عليه العلماء من حقية المذاهب الاربعه عصرًا بعد عصرٍ وتلقتهم الامة بالقبول واما لم ينقل متواترًا ولم يجمع على حقيقته ولم تلقته الامة كلها بالقبول فلا يلتفت اليه ولا يعول عليه

اور حاصل یہ ہے کہ عاقل کو نہیں چاہئے کہ دین میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے جو سلف وخلف کا پسندیدہ نہ ہو یعنی وہ طریقہ اختیار کرے جس کو سلف وخلف نے پسند فرمایا۔ اور اس طریقہ کی روایت متواتر ہے اور اس کے حق ہونے پر ہر زمانہ میں اجماع حاصل ہوا مذاہب اربعہ کے سوا کوئی اور مذہب علماء کے اجماع سے متصف نہیں ہوا کہ وہ ہر زمانے میں حق پر ہو اور امت نے ہر زمانہ میں ان کو قبول کیا لیکن جو متواتر منقول نہیں اور اس کے حق ہونے پر علماء کا اتفاق نہیں اور امت نے اس کو قبول بھی نہیں کیا۔ ایسے مذاہب کی طرف نہ نظر کی جائے اور نہ ان پر اعتماد کیا جائے۔

معلوم ہوا ہمیں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس کو سلف وخلف نے اختیار و پسند فرمایا۔ اور وہ طریقہ ہے ائمہ مذاہب کا جن پر علماء کا ہر زمانے پر اجماع رہا ہے اور پھر زمانہ ہیں ان کو امت نے قبول کیا ہے اور وہ طریقہ تواتر سے منقول ہے۔

اور ان تمام صفات سے صرف ائمہ مذاہب ہی متصف ہیں لہٰذا ہم کو ان کی اتباع ہی لازمی وضروری ہے اور ان کی ہی تقلید ہم پر واجب ہے۔

علامہ مناوی شرح جامع الصغیر میں فرماتے ہیں:

ولایجوز الیوم تقلید غیر الائمة فی قضاءٍ ولا افتاء

یعنی اس موجودہ زمانہ میں سوائے ائمہ اربعہ کے کسی کی تقلید جائز نہیں۔ خواہ تقلید قضا میں ہو خواہ فتویٰ دینے میں۔

کتاب تجنیس میں اور حرمین شریفین میں منقول ہے۔

فأبو حنيفة ومالك وشافعي واحمد رحمهم الله اجمعين كل واحد منهم من اهل الذكر والدين وجب سوالهم واتباعهم لمن لم يصل الى درجة الاجتهاد والنظر ولاستدلال فاذا عمل احد من المقلدين في طهارته اوصلوته وفي شي مماجرى به التكليف . يقول واحد منهم مقلّدًا لهٗ فقد ادى ما عليه وليس لاحد ممن هوفي درجة التقليد ولا لمتهد الانكار عليه

پس امام ابوحنیفہ ومالک وشافعی واحمد بن حنبل رضی اللہ عنہم ہر ایک ان میں سے اہل ذکرودین میں سے ہے اور ان سے سوال کرنا واجب ہے۔ (شاید کہ یہ اشارہ اللہ عزوجل کے فرمان (فاسئلو اهل الذكر کی طرف ہے) اور ان کی اتباع کرنا اس شخص کیلئے جو درجہ نظر واستدلال تک نہیں پہنچا ضروری ہے۔ پس جب کسی نے مقلدین میں سے اپنی طہارت، نماز اور اس چیز میں جس کا وہ مکلّف ہے (یعنی عبادات و معاملات وغیرہما میں) ان (یعنی ائمہ اربعہ) میں سے ایک کے قول پر عمل کرلیا وہ اس کا مقلد بن گیا۔ اور اس نے اپنے ذمہ واجب حق ادا کردیا۔

معلوم ہوا ائمہ اربعہ کی تقلید واجب ہے جب کسی نے ان میں سے ایک کے حکم کے مطابق عمل کرلیا وہ اس امام کا مقلد ہوگیا اور ان ائمہ مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید کرلینے سے آدمی کا واجب پورا ہوگیا اور وہ شخص عہدہ وجوب سے بری الذمہ ہوگیا۔

سوال: اکثر ہمارے مذہب کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ کے فرمان (فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون) سے مذاہب اربعہ میں تقلید کا انحصار باطل ہے کیونکہ یہ حکم عام ہے۔ اس سے مراد سب علماء ہیں لہٰذا ان سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔

جواب: ہمارے علماء اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں:

ان جمیع افراد اھل الذکر غیر مراد بالاِجماع فالآیة معللة بعلة تکمیل الدین لان الامر بالسوال لم یکن الا لذالك فالایة معللة بـعلة تکمیل الدین فحملت الایه علی ھٰولاء الآئمة الاربعة فی زمـانـنـا لان تـکـمـیـل الـدین فی زماننا فی ھٰولاء لافی غیر ھم کمامرّ

اللہ تعالیٰ کے فرمان (فـاسئلو اھل الذکر) میں اہل ذکر کے جمیع افراد بالا جماع مراد نہیں۔ پس آیہ کریمہ تکمیل دین کی علت کے ساتھ معلل ہے۔ (یعنی اَن پڑھوں اور جاہلوں کا دین کی تکمیل کے متعلق سوال کرنا مراد ہے) اسلئے کہ خدا کا حکم اسی لئے ہے نہ کہ اس کے سوا کوئی اور چیز۔ تو پھر یہ آیۂ مقدسہ تکمیل دین کی علت کے معلل ہوتی (یعنی اہل ذکر سے سوال کرنے کا حکم فقط تکمیل دین کیلئے ہے) جب اللہ عزاسمہٗ نے دین کی تکمیل کی خاطر ہمیں یہ حکم دیا کہ اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے سوال کرو تاکہ تمہارے دین کی تکمیل ہو اور دین کی تکمیل سے مراد کیا ہے۔ صرف عبادات و معاملات میں درست اور صحیح سمت کا تلاش کرنا تاکہ اس پر عمل کر کے دین کو مکمل کیا جائے۔ اور ہم مسائل فروعیہ شرعیہ میں اصل اور صحیح حکم کے محتاج ہیں۔ اور جن سے ہم کو درست اور صحیح حکم مل گیا ہو ان کے مقلد ہیں اور ہمارے اس زمانہ میں تکمیل دین کا انحصار تو ان ہی مذاہب اربعہ میں ہے لہٰذا یہ آیہ کریمہ تو ائمہ مذاہب کی اتباع و تقلید پر دلالت کر رہی ہے۔ نہ کہ ان کی عدم اتباع پر۔

مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کے تعین (تقلید شخصی)

یعنی تقلید شخصی یعنی ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ و مالک وشافعی واحمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرنا واجب ہے اور جب ان میں سے کسی ایک کا مقلد بن گیا تو وجوب ساقط ہو گیا۔ کیونکہ ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے اور جب کسی ایک کی تقلید نہیں کرے گا واجب اس کے ذمہ رہے گا تا آنکہ کسی کی تقلید کرے۔

اور مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کا تعین واجب ہے اس لئے کہ دین منظّم ہو اور یہ کتاب وسنت اور اجماع وقیاس اور عقل سے ثابت ہے۔

کتاب: یعنی اللہ عزوجل کے مقدس کلام قرآن معظم سے ثابت ہے۔

قال اللہ تعالیٰ (ففھمناھا سلیمٰن) الایۃ تدل علی اصابۃ سلیمان دون داؤد علیھما السلام وتدل علی ان المجتھد قد یخطی وقد یصیب

اللہ تعالیٰ کا فرمان (ففھمناھا سلیمان) یعنی ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو فیصلہ یا فتویٰ سکھا دیا۔ اور یہ آیۂ کریمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی درست رائے پر دلالت کرتی ہے سوائے حضرت داؤد علیہ السلام کے۔ اور یہ آیۂ مقدسہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ مجتہد کبھی حکم کے سمجھنے میں خطا کر جاتا ہے اور کبھی حکم کو درست پالیتا ہے۔ اس آیۂ مقدسہ کی تفصیل (کیا انبیاء اکرام علیہم السلام کے لیے اجتہاد جائز ہے کے ماتحت مذکور ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

سنت: **فاخرج عن ابی ھریرۃ وغیر ھم رضی اللہ عنھم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہٗ اجران فاذا حکم فاخطا فلہٗ اجر (متفق علیہ) فالحدیث المتفق علیہ نص صریح فی ان المجتھد قد یخطی وقد یصیب**

حضرت ابوہریرہ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام سے یہ حدیث مبارکہ تحریج کی

گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حاکم نے اپنے اجتہاد کے ساتھ فیصلہ کیا اور درست پالیا اس مجتہد کیلئے دو ثواب ہیں اور جب حاکم نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا اور اس میں خطا کی تو ایک ثواب کا مستحق ہے۔

اور یہ حدیث متفق علیہ اس بات میں صریح نص ہے کہ مجتہد کبھی مخطی ہوتا ہے اور کبھی مصیب یعنی کبھی اپنے اجتہاد میں خطا پاتا ہے اور کبھی اس کا اجتہاد درست ہوتا ہے۔

اجماع امت:

فقال الامام النووی فی شرح مسلم فی کتاب الا قضیة تحت ذالك الحدیث قال العلماء اجمع المسلمون علی ان ذالك الحدیث فی حاکم عالم اهل للحکم فان اصاب فله اجران اجربا جتهاده واجرباء صابته وان اخطأ فله اجربا جتهاده (انتهی) فذالك الاجماع اجماع علی ان المجتهد قد یخطئ وقد یصیب وعلیه الآئمة الاربعة کما ذکرت فی قول السدید فی وجوب التقلید۔ (نووی شرح مسلم ج دوم ص ۷۶)

امام نووی شرح مسلم (کتاب الاقضیہ) میں اس حدیث مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں۔ علماء کا قول ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ حدیث مقدسہ اس حاکم عالم کے حق میں ہے جو فیصلہ کا اہل ہو۔ اگر اس حاکم عالم نے اس حکم کو درست پالیا اس کیلئے دو ثواب ہیں۔ ایک ثواب اس کے اجتہاد کی وجہ سے اور دوسرا ثواب اس حکم کو درست پالینے کی بنا پر۔ اور اگر اس حاکم عالم نے اس حکم کو درست پالینے میں خطا کی تو اس کیلئے بسبب اجتہاد کرنے کے ایک ثواب ہے۔

پس یہ اجماع اس پر ہے کہ مجتہد کبھی حکم کے پالینے میں خطا کر جاتا ہے اور کبھی اس حکم کو درست پالیتا ہے اور اس پر ائمہ اربعہ ہیں جیسا کہ (قول السدید فی وجوب التقلید) میں ہے۔

قیاس:

علامہ تفتازانی شرح عقائد میں فرماتے ہیں۔

ان القياس مظهر لا مثبت فان الثابت بالقياس ثابت با النص ايضا معنى وقد اجمعوا على ان الحق فيما ثبت باالنص لاغير انتهٰى

یعنی ان الحق والصواب اذا كان فيما ثبت بالنص واحد فمقتضى القياس ان يكون الحق والصواب فيما ثبت باالقياس ايضا واحدا لاتحاد العلة وهو ثبوتها باالنص ولو معنًى لان المجتهدعند اهل السنة والجماعة مظهر كالسنة لامثبت لأنّ الحاكم هو الله تعالىٰ وحده فقد ثبت بالقياس ان المجتهد قديخطى وقد يصيب ۔ (شرح عقائد نفسی ص ۲۵۶)

قیاس حکم کو بے شک (ظاہر کرنے والا ہے) نہ کہ (ثابت کرنے والا، قیاس کا ثبوت معنوی طور پر نص سے ثابت ہے، اور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ نص سے ثابت ہونے والی حقیقت واحد ہے نہ کہ زیادہ، پس جب نص سے ایک ہی حقیقت با صواب ہے تو قیاس کا تقاضا ہے کہ ایک ہی حقیقت اُس سے ثابت ہو کیونکہ اصل وفرع میں علت ایک ہی ہے جس کا ثبوت نص سے ہے، خواہ معناً ہو۔ اس لئے اہل سنت کے نزدیک مجتہد حکم ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ ثابت کرنے والا، کیونکہ حاکم اللہ تعالیٰ ہے اور مجتہد کبھی خطا کرتا ہے اور کبھی درست کو پالیتا ہے۔

عقل:

علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں۔

لوكان كل مجتهد مصيباً لزم اتّصاف الفعل باالحرمة والاباحة والصحة والفساد اوالوجوب وعدم الوجوب (انتهى) يعنى لوكان كل مجتهد مصيبا لزم اجتماع النقيضين فى العمل ولاعتقاد وبيانه انه اذا اجتهد المجتهدان فقال احدهما ان

ذالك الفعل واجب وقال الا خر بحرمته و قال احدهما ان ذالك العمل صحيح وقال الآخر بفساده ولو كان كل مجتهد مصيبالزم اجتماع النقيضين فی العمل ولاعتقاد وهو باطل باتفاق العقلاء كافّة (شرح عقائد نسفی ص ۲۵۶)

اور اگر ہر مجتہد کو ''درست پالینے والا'' تسلیم کرلیا جائے تو فعل کا حرمت واباحت اور صحت وفساد کے ساتھ یا اس فعل کا وجوب اور عدم وجوب کے ساتھ متصف ہونا لازم آئے گا۔

یعنی اگر ایک ہی مجتہد کو درست پالینے والا مان لیا جائے تو عمل اور اعتقاد میں اجتماع نقیضین (یعنی دوضدوں کا جمع ہونا) لازم آئے گا۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے:

جب دو مجتہدوں نے اجتہاد کیا اور ان میں سے ایک نے کہا یہ فعل واجب ہے اور دوسرے نے کہا یہ حرام ہے۔ اسی طرح ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ فعل واجب ہے۔ دوسرے نے کہا اس کا ترک واجب ہے۔ یا ایک نے کہا یہ عمل صحیح ہے اور دوسرے نے کہا نہیں یہ فعل فاسد ہے۔ اور اگر ہر مجتہد کو مصیب تسلیم کرلیا تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا جو بالاتفاق تمام عقلاء و باطل ہے۔

لہٰذا کتاب وسنت، اجماع وقیاس اور عقل سے ثابت ہوا مجتہد کبھی حکم کو درست پالیتا ہے اور کبھی خطا پر ہوتا ہے۔ اگر اس کی تفصیل مطلوب ہو تو (تلویح فی شرح تنقیح علامہ تفتازانی (باب الاجتہاد) کا مطالعہ فرمائیں۔ (التوضیح والتلویح معہ حاشیہ چلپی ص ۴۲۹)

اور اس بات میں کسی کو کوئی شک یا شبہ نہیں کہ جو (کثیر الاصابت) یعنی زیادہ درست پالینے والا ہوگا وہی راجح ہے نہ کہ کوئی اور۔ اور جب امر اسی طرح ہے تو مقلد پر مجتہد راجح کی تقلید واجب ہے تاکہ عمداً یا خطا بہت زیادہ خطا کرنے والے کی اتباع میں واقع نہ ہو جائے تمام مذکور کا ماحصل یہ ہے کہ مقلد پر مجتہد کامل کی اتباع واجب ہے جیسا کہ کتاب وسنت اور اجماع وقیاس اور عقل سے ثابت ہوا۔

علامہ قہستانی نے نقایہ شرح مختصر الوقایہ کتاب الاشربہ میں فرمایا:

واعلم ان من جعل الحق متعددا کالمعزلة اثبت للعامی الخیار فی الاخذ من کل مذهب مایهواه ومن جعل الحق واحدًا ألزم للعامی اماما واحدا کما فی الکشف وأخذ من کل مذهب مباحًا صار فاسقا تاما کما فی شرح الطحاوی

اے مخاطب تو جان لے جس نے حق کو متعدد بتایا مثل معتزلہ کے اس نے ہر مذہب سے اپنے خواہش کے مطابق اخذ کرنے میں عام آدمی کے کیلئے اختیار ثابت کیا ہے۔ اور جس نے حق ایک سمجھا (جیسا کہ ہمارے علماء کرام ہیں) اس نے عام آدمی کیلئے ایک امام کو لازم تصور کیا۔ جیسا کہ کشف میں ہے اور ہر مذہب سے مباح کو پکڑنے والا پورا فاسق ہے۔ جیسا کہ طحاوی کی شرح میں منقول ہے۔

معلوم ہوا حق ایک جانب ہے جیسا کہ علامہ تفتازانی کی تصریح سے واضح ہے۔ اور ہر مجتہد کو درست پالینے والا یا حق سمجھنے والا عمل واعتقاد میں اجتماع نقیضین کا مرتکب ہے اور یہ باتفاق عقلاء باطل ہے۔ معلوم ہوا عامی کیلئے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے نہ کہ بیک وقت تمام ائمہ مذاہب کی۔ اور نہ ہی کبھی ایک امام اور کبھی دوسرے امام کی

مفتی محمود صاحب حجۃ الاسلام میں فرماتے ہیں۔ دوسری وجہ سے بھی مجتہد میں سے کسی ایک کی تقلید کا واجب ہونا کتاب وسنت، اجماع وقیاس سے ثابت ہے۔

کتاب: **قال اللہ تعالیٰ فی کتابه العزیز (فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون)**

فالایة صریحة فی وجوب اتباع اهل الذکر ای اهل العلم لکن جمیع افراد الذکر غیر مراد بالا جماع کمالا یخفی فوجب الحمل علی الفرد الکامل لانه المتیقن ولان المطلق یحمل علی الفرد الکامل غالباً کما صرح به العلامة الچلپی فی

حاشية شرح الوقايه فی بحث الاوقات حيث قال قلنا المطلق ينصرف الی الفرد الكامل غالباً انتهی

یہ آیۂ کریمہ اھل علم کی اتباع کے واجب ہونے میں صریح دلیل ہے۔ لیکن اھل ذکر یعنی اہلِ علم کے تمام افراد کا جماع مراد نہیں۔ جب کہ علماء حضرات پر پوشیدہ نہیں۔ تو (اہل ذکر) کا فرد کامل پر محمول واجب ہوا۔

اس لئے کہ وہ ہی قابل یقین ہے اور اس لئے بھی کہ مطلق کا محمول غالبًا فرد کامل پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ علامہ چلپی نے شرح وقایہ کے بحث اوقات میں حاشیہ پر تصریح فرمائی۔ جب کہا کہ ہم کہتے ہیں۔ مطلق فرد کامل کی طرف غالبًا لوٹتا ہے۔

معلوم ہوا اس آیۂ کریمہ میں اہل ذکر سے کامل افراد مراد ہیں نہ کہ ہر کس و ناکس۔ جیسا کہ بعض کا باطل خیال ہے اور ائمہ اربعہ سے زیادہ کون کامل افراد ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس آیۂ کریمہ سے ثابت ہوا سوال کامل فرد سے کرنا چاہئے۔ نہ کہ ہر کسی سے۔ وہ ائمہ مذاہب ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے جب کہ آیۃ کریمہ سے ظاہر ہے۔

شیخ ابن ہمام فتح القدیر شرح ھدایہ میں لکھتے ہیں۔

بل الدليل اقتضی العمل بقول المجتهد فيما أحتاج اليه لقوله تعالیٰ (فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون) والسوال انما يتحقق عندطلب حكم الحادثة المعينة وحينئذٍ اذا ثبت عنده قول المجتهد وجب عليه عمله به والغالب ان مثل هذه الزامات منهم لكف الناس عن تتبع الرخص ۔

(فتح القدیر ج۶ ص۳۶۰)

بلکہ دلیل قول مجتہد کے ساتھ عمل کا تقاضا کرتی ہے ان مسائل میں جن کی طرف اس کو احتیاج (یعنی حاجت) ہے اور اس کی وجہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔ (فاسئلوا اهل الذكر، الايه) اور سوال کرنا کسی نئے واقعہ یا مخصوص بات کے لئے حکم طلب

کرنے پر ہی متحقق ہے۔ اور اس وقت جب مجتہد کا قول اس کے نزدیک ثابت ہوگیا۔ اس پر اس قول مجتہد کے ساتھ عمل کرنا واجب ہوگیا۔ اور غالبًا اِس بات کو لازم قرار دینا (یعنی کسی ایک کی اتباع کو لازم پکڑنا) لوگوں کو رخصت کی تلاش سے باز رکھنا ہے۔ یعنی کسی ایک امام کی تقلید اس لئے لازم ہے کہ آدمی ہر مذہب سے مباح کی تلاش میں گمراہ نہ ہو جائے شیخ ابن ھمام کی تصریح سے ثابت ہوا کہ ائمہ مذاہب میں سے کسی ایک امام کی تقلید میں واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کا فرمان (واتبعوا أحسن ما انزل اليكم من ربكم) اس آیۂ کریمہ کے ماتحت علماء کرام لکھتے ہیں۔

فالاية نص في وجوب اتباع احسن ماانزل من الله تعالیٰ ولاشك في ان المجتهد انما هو مظهر للحكم لامثبت فاذا كان الامر كذالك كانت الاحكام المستخرجة بقوة الفردا لكامل احسن ماانزل من الاحكام المستخرجة بقوة غيره فدلت الاية ان الاية محمولة على الفرد الكامل فحصل مماذكر من الادلة ان مراد الاية الفردالكامل لا الناقص فوجب على المقلد اتباع مذهب الفرد الكامل لاالناقص بذلك الكتاب لاريب فيه

یہ آیۂ کریمہ احسن کی اتباع کے واجب ہونے پر نص ہے اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ مجتہد حکم کیلئے مظہر ہے نہ کہ مثبت (جب کہ شرح عقائد نسفی کے حوالہ سے پہلے مذکور ہو چکا) اور جب یہ امر اسی طرح ہے تو وہ احکام جو قوت فرد کامل کے ساتھ نکالے گئے ہیں ان احکام سے احسن ہیں جو غیر فرد کامل کی قوت کے ساتھ نکالے گئے ہیں۔

پس اس آیت کی دلالت نے ثابت کیا کہ آیۃ مقدسہ (اہل الذکر) فرد کامل پر محمول ہے۔ اور دلائل سے جو مذکور ہوا اس سے یہ مقصد حاصل ہوا کہ آیۂ کریمہ کی مراد فرد کامل ہے ناقص نہیں۔ لہٰذا مقلد پر مذہب فرد کامل کی اتباع واجب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ، جس میں کوئی شک نہیں۔ نہ کہ مذہب فرد ناقص کی۔

علماء کرام کی تصریح سے ثابت ہوا ائمہ مذاہب میں سے کسی ایسے امام کی اتباع

واجب ہے جو فرد کامل کی حیثیت رکھتا ہو اور عقل و نقل کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ ایک فرد کامل کو تقلید کیلئے اختیار کیا جائے تاکہ (تتبع الرخص فی المذاہب) سے بچا جاسکے۔

سنت یعنی حدیث مبارکہ سے ثبوت

فأخرج عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم نضر الله عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقهٍ غیر فقیه ورب حامل فقه الیٰ من هو افقه . رواه احمد ابو داؤد، وابن ماجه ودارمی اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ان تمام حضرات نے اس حدیث کو زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور عبداللہ بن مسعود سے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام بیہقی نے مدخل میں اس حدیث کو روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کو مسرت وشادمانی عطا کرے (اور اس کی قدر ومنزلت کو بلند فرمائے)۔ جس نے میرا کلام سنا پس اس کو یاد کیا اور اس کی نگہداشت کی یعنی فراموش نہیں کیا۔ اور اس کو لوگوں تک پہنچایا۔ پس بہت سے حامل فقہ فقیہ نہیں اور بہت سے حامل فقہ (یعنی فقیہ) (اپنے سے زیادہ فقہ جاننے والے کی طرف ہیں)۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہم لوگوں تک پہنچانے والا اُفقہ ہو۔ جیسا کہ علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا:

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ افقہ کی اتباع اولیٰ ہے اور افقہ ہی فرد کامل ہے۔ لہٰذا فرد کامل کی اتباع واجب ہے نہ کہ غیر فرد کامل کی۔

قیاس:

فلان المجتهد الراجح عند المقلد بمنزلة الدلیل الراجح عندالمجتهدین فكما كان اتباع الدلیل الراجح واجبا فكذالك اتباع المجتهدین الراجح كان واجبا .

پس بیشک مقلد کے نزدیک مجتہد راجح مجتہدین کے نزدیک قائم مقام دلیل راجح

کے ہے۔ پس جس طرح دلیل راجح کی اتباع واجب ہے اس طرح مجتہدین راجح کی بھی اتباع واجب ہے اس دلیل قیاس سے معلوم ہوا کہ مجتہد راجح کی اتباع واجب ہے اور مجتہد راجح فرد کامل ہے۔ جس کی اتباع نص سے ثابت ہے۔

اجماع:

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں بحث ارکان بیان اُمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ماتحت ارشاد فرماتے ہیں۔

بل علی کل مقلد اتباع مقلدہٖ فی کل تفصیل فان مخالفتہ للمقلد متفق علی کونہ منکرا بین المحصلین ۔

بلکہ ہر تقلید کرنے والے پر جس کی تقلید کر رہا ہے تفصیلی اتباع واجب ہے کیونکہ جس کا وہ مقلد ہے اس کی مخالفت تقلید کرنے والے کیلئے اتفاقی طور پر منکر ہونے کی دلیل ہے۔

یعنی ہر تفصیل میں مقلد کو اپنے مقلد (یعنی جس کی تقلید کی جائے) کی اتباع کا حکم ہے۔ اور اس کی مخالفت بالاتفاق منکر ہونے کی دلیل ہے۔

معلوم ہوا جملہ احکام میں امام کی تقلید پر اجماع واقع ہوا ہے جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ کے قول سے ثابت شدہ ہے۔ اس لئے ائمہ مذاہب میں سے کسی ایک امام کی تقلید بالاجماع واجب ہے تا کہ ائمہ مذاہب کے درمیان سیر کرنے سے اپنے آپ کو محفوظ بنایا جاسکے۔ دلائل کتاب وسنت، اجماع وقیاس اور عقل سے ثابت ہوا مقلد پر مذہب راجح اور جو اس کے نزدیک کامل ہے کی اتباع واجب ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس مذہب پر ہمیشہ رہنا بھی ان اُولّۂ مذکورہ کے مطابق متفق علیہ ہے۔

اسی لئے حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ اس باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

والثانی ان المقلد اذا ادی رایہ وفکرہ الی انہ افضل العلماء فلایذھب أحدٌ الی ان یذھب بمذھب غیرہ ومالہ ان المقلد

اذاراه انه افضل العلماء وجب علیه استمراره علی مذهبه وجوبًا کان ترکه مکروهاتحریما فذالك لاینافی قول الجمهور المسطور فی کتب الاصول أتقلید المفضول جائز لأن الجواز لاینافی الوجوب المذکور ۔

دوسرا حکم مقلد نے جب اپنی فکراور رائے کو بروئے کارلایا۔اس طرح کہ جس کا وہ مقلد ہے وہ تمام علماء سے افضل ہے تو پھر کسی ایک کو غیر مذہب کی طرف نہیں جانا چاہئے۔(یعنی ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف نہ جائے)اور یہ اس کے لائق بھی نہیں۔اس لئے کہ جب مقلد نے اس کو دیکھ لیا کہ وہ علماء سے افضل ہے تو اس کو اس مذہب پر ہمیشہ قائم رہنا واجب ہوگیا۔(وجوباً یعنی واجب ہونا اوراس کا چھوڑنا مکروہ تحریمہ ہے اور یہ قول جمہور کے قول جوکتب اصول میں مسطور ہے منافی نہیں۔اور جمہور کا قول یہ ہے کہ مفضول کی تقلید جائز ہے اور بیشک جو وجوب میں مذکور ہوا ہے جواز کے منافی نہیں ہے۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کا ماحاصل یہ ہے کہ جب مقلد کسی امام کوافضل سمجھ کراس کی تقلید کرتا ہے تو اس مقلد کو وجوباً اس مذہب پر ہمیشہ قائم رہنا چاہئے کیونکہ افضل مذہب کو ترک کر دینا مکروہ تحریمہ ہے اور یہ وجوب جواز مفضول کے منافی نہیں۔

صاحب تفسیر احمد یہ فرماتے ہیں۔

فأقول قداختلف الاقوال فی ان المجتهد هل یخطی مرة ویصیب اخری ام یصیب ابدا کل مجتهد فقالت المعتزلة کل مجتهد مصیب والحق فی موضع الخلاف متعدد وعندنا المجتهد یصیب مرة ویخطی اخری والحق فی موضع الخلاف واحد ۔

ملاجیون علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں اس بات میں اقوال مختلف ہیں کہ مجتہد کیا ایک دفعہ خطا کرتا ہے اور دوسری دفعہ درست پالیتا ہے۔یا ہمیشہ ہر مجتہد مصیب ہی

رہتا ہے معتزلہ کا کہنا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے اور موضع خلاف (یعنی جس حکم میں دو مجتہد کے قول باہم خلاف ہوں) میں حق مقصود ہے اور ہمارے نزدیک مجتہد ایک دفعہ حکم کے سمجھنے میں خطا کرتا ہے اور دوسری بار درست پالیتا ہے اور ہمارے نزدیک موضع خلاف میں حق ایک ہی ہے۔

سوال: کوئی شخص یہ کہے کہ اگر موضع خلاف میں حق ایک ہی ہے تو پھر مذاہب اربعہ کے حق ہونے کے کیا معنی ہیں؟

جواب: معناها ان الحق يحتمل ان يكون فيما قال الشافعي رحمة الله عليه ويحتمل ان يكون فيما قال ابو حنيفه رضي الله عنه فيكون كلا من المذاهب حقا بهذا المعنى فالمقلد اذا قلد اى مجتهد يخرج من الوجوب ولكن ينبغي ان يقلد واحدا التزمه ولايؤول الى آخر . (وقال بعد اسطر) اذا التزم التبعية يجب عليه ان يدوم على مذهب التزمه ولاينتقل الى مذهب آخر فان الانتقال يوجب ان يظهر عنده بطلان المذاهب السابق (تفسیر احمدی ص۳۶۱)

ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں ائمہ اربعہ کے حق پر ہونے کے معنی یہ ہیں۔ کہ احتمال ہوسکتا ہے حق واحد اس حکم میں ہو جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اور یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے حق واحد اس حکم میں ہو جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ اس معنی کے اعتبار سے مذاہب اربعہ میں سے ہر مذہب حق ہے لیکن مقلد نے جب کسی مجتہد کی تقلید کی وہ وجوب سے نکل گیا (کیونکہ عامی پر کسی ایک مجتہد کی تقلید واجب ہے) لیکن چاہئے اس طرح کہ اگر ایک مجتہد کی التزامی تقلید کرتا ہے تو پھر دوسرے مجتہد کی طرف رجوع نہ کرے۔

اور چند سطور کے بعد ملاجیون رحمۃ علیہ صاحب تفسیر احمدی فرمائے ہیں۔ جب کسی نے امام کی اتباع کرنے کو لازم پکڑ لیا تو اس پر واجب ہے لازمی طور پر وہ ہمیشہ اس

مذہب میں رہے اور دوسرے مذہب کی طرف منتقل نہ ہو۔ اس لئے کہ اس کے نزدیک انتقال مذہب، مذہب سابق کے بطلان (یعنی باطل ہونے پر) پر اظہار کرنا ہے۔

صاحب تفسیر احمدی کے قول سے ثابت ہوا کہ مذاہب اربعہ میں ہی حق ہے نہ کہ ایک مذہب میں حق ہے اور دوسرے مذاہب میں نہیں۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ اگر آدمی کسی ایک مجتہد کی تقلید کرے گا تو وہ وجوب سے فارغ ہو جائے گا یعنی وہ واجب جو اس کے ذمہ تھا اس سے نکل گیا۔ لیکن جس مجتہد کی تقلید کرے اس پر قائم رہے نہ کہ وہ دوسرے مذہب کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ انتقال مذہب درحقیقت مذہب سابق کی تحقیر وتضحیک ہے اور انتقال مذہب سے اس آدمی کا مذہب سابق کا باطل ہونے پر اظہار کرنا ہے۔ معلوم ہوا عامی کو کسی ایک مذہب کی تقلید کرنا واجب ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ایک اعتراض کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

قلت: وهو محمول على من له قدرة على استنباط الاحكام من الكتاب والسنة والا فقد صرح العلماء بان التقليد واجب على العامي لعلا يضل في دينه (میزان الکبریٰ ص ۵۸)

اعتراض یہ تھا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو فرمایا نہ میری تقلید کر نہ امام مالک واوزاعی وغیرہم کی۔ اس کے جواب میں امام شعرانی فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں، یہ اس شخص پر محمول ہے جس کو کتاب وسنت سے احکام نکالنے پر قدرت ہو۔ وگرنہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ عام آدمی پر تقلید واجب ہے تاکہ اپنے دین میں گمراہ نہ ہو جائے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام کتنا حسین ہے کہ اگر عامی مجتہد کی تقلید نہیں کرتا تو وہ اپنے دین میں گمراہ ہونے کے مترادف ہے۔ لہٰذا عام آدمی کو ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید ضرور کرنی چاہئے کیونکہ اس میں اس کے دین کی سلامتی ہے۔

شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں۔

وعندى انه لو اخذ بقول الذى لايميل اليه قلبه جاز لان ميله

وعدمه سواء والواجب علیه تقلید مجتهد وقد فعل اصاب ذالك المجتهد او أخطاو قالوا المنتقل من مذهب الی مذهب آخر باجتهاد وبرهان آثم یستوجب التحریر فبالاجتهاد وبرهان اولی

(فتح القدیر ج ۶ ص ۳۶۰، ردالمختار ج ۴ ص ۳۳۷، بحرالرائق جز ۶ ص ۲۶۶)

شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں میرے نزدیک اگر کسی آدمی نے ایسے مجتہد کے قول کو لیا جس کی طرف اس کے دل کا رجحان نہیں۔ اس قول پر اس کو عمل کرنا جائز ہے اس لئے کہ اس کا رجحان اور عدم رجحان برابر ہے اس پر فقط کسی مجتہد کی تقلید واجب ہے۔ اور اس آدمی نے اس قول پر عمل کر کے وجوب تقلید پر عمل کرلیا۔ خواہ یہ مجتہد مصیب ہے یا مخطی۔ علماء نے کہا ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف دلیل واجتہاد کے ساتھ انتقال کرنے والا گنہگار اور تعزیر کا مستحق ہے۔ تو بلا دلیل واجتہاد ایک مذہب سے دوسری مذہب کی طرف انتقال کرنے والا بدرجہ اولیٰ گنہگار اور تعزیز کا مستحق ہوگا۔ معلوم ہوا کسی مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے خواہ وہ مجتہد مصیب ہو یا مخطی۔ اور جب کسی مجتہد کی تقلید کرے گا تو پھر اسی مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف جانا باعث گناہ وتعزیر ہے۔

ویسے بھی علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی آدمی نے ایک مذہب کی تقلید اختیار کی اور اس مذہب پر عمل کیا تو اس مذہب پر عمل کرنے کے بعد مقلد کو دوسرے مذہب کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ اگر قاضی نے کسی حکم میں اپنی رائے کے خلاف اپنے مذہب کو بھولتے ہوئے فیصلہ کیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اسے نافذ کیا جائے اور اگر قاضی نے یہ کام جان بوجھ کر کیا تو اس میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اس فیصلہ کو نافذ کیا جائے اور دوسری روایت میں ہے نہ نافذ کیا جائے اور صاحبین یعنی امام محمد ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں خواہ عمداً ہو یا ناسیاً اس قاضی کے فیصلہ کو نافذ نہ کیا جائے اور اسی پر فتویٰ

ہے۔

اس ضمن میں شیخ ابن ھمام فرماتے ہیں۔

والوجه فی هذالزمان ان یفتی بقد لهما الان التارك بمذهبه عمد الایفعله الالهوی باطل لالقصد جمیل وهذا کله فی القاضی المجتهد فاما المقلد فانما ولاه لیحکم بمذهب أبی حنیفة مثلاً فلایملك المخالفة فیکون معزولاً با نسبة الی ذالك الحکم ۔ (فتح القدیر ج۶ص ۳۹۷،فتاویٰ عالمگیری ج۳ص ۱۰۹)

ابن عابد شامی ردالمحتار شرح درمختار میں شیخ ابن ھمام کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

قال فی الشرنبلالیة عن البرهان وهذا صریح الحق الذی یعض علیه باالنواجذ (ردالمحتار وشرح درمختار ج۴ص۳۷۲)

اور وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں صاحبین یعنی امام محمد وامام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کے ساتھ فتویٰ دیا جائے اس لئے کہ اپنے مذہب کا عملا ترک کرنے والا سوائے خواہش باطل کے نہیں کرتا اور اس کا مذہب چھوڑنا کسی اچھے یا حسن ارادہ کی وجہ سے نہیں۔ یہ حکم تو قاضی مجتہد کے واسطے ہے اور لیکن مقلد اس کو اسی لئے والی بنایا ہے کہ وہ مذہب ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا امام شافعی وغیرہ کے حکم کے ساتھ فیصلہ کرے اور وہ مقلد اپنے مذہب کی مخالفت کا مالک نہیں۔ اگر اس نے حکم میں اپنے مذہب کی مخالفت کی تو اس حکم کی طرف نسبت کے ساتھ وہ معزول ہو جائے گا۔ ابن العابدین شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں علامہ حسن شرنبلالی نے شرنبلالیہ میں برھان سے نقل کیا۔ فرماتے ہیں یہ وہ صریح حسن ہے جس پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہئے۔

یعنی صریح حق یہی ہے کہ مقلد کو اپنے مذہب کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے اور نہ ہی اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف جانا چاہئے یعنی جس مذہب کا مقلد ہے اس پر اس کو ہمیشہ قائم رہنا چاہئے۔

علامہ ابن العابدین نے منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں نقل فرمایا۔

وقال الاصولیون اجمع لایصح الرجوع من التقلید بعد العمل بالاتفاق وهو المختار فی المذاهب وقال بعداسطر فلو التزم مذهبًا معینا کابی حنیفة والشافعی رضی الله عنهما فهل یلزمه الاستمرار علیه فقیل نعم وقیل لا

تمام علماء اصولیین کا یہ قول ہے کہ عمل کے بعد تقلید سے رجوع صحیح نہیں۔ اس پر اصولیین کا اتفاق ہے اور مذہب میں بھی یہی مختار ہے۔ چند سطور کے بعد ابن عابدین شامی شیخ ابن ھمام کی (تحریر) سے نقل فرماتے ہیں۔ اگر کسی نے ایک مذہب معین مثل امام ابوحنیفہ یا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لازم پکڑ لیا۔ کیا اس مذہب معین پر ہمیشہ رہنا ہی لازم ہے بعض نے کہا اس مذہب پر ہی ہمیشہ رہنا ضروری ہے اور بعض اس کے خلاف ہیں۔

ابھی آپ نے سنا کہ جملہ اصولین کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی مذہب پر عمل کر لینے کے بعد اس مذہب کی تقلید سے رجوع کرنا اور کسی دوسرے مذہب کی تقلید کرنا صحیح نہیں۔

اور اکثرین کے نزدیک یہی قول راجح ہے جیسا کہ آپ نے تفسیر احمدی کے حوالہ سے ملاحظہ فرمایا اور اس بحث کو علامہ حسن تفسیر شرنبلالی نے اپنے رسالہ (العقد الفرید فی جواز التقلید) میں مفصلاً تحریر فرمایا ہے اگر اس مسئلہ کی تفصیل مطلوب ہو تو رسالہ مذکورہ کی طرف رجوع کرے اور اس کے مطالعہ سے تسکین قلبی حاصل کرے۔

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید واجب ہے اور جب مذہب کی تقلید کرے اسی پر قائم رہے کیونکہ علماء نے انتقال مذہب کو ممنوع فرمایا ہے اور یہ دین میں گمراہ ہونے کے مترادف ہے اور سوائے اس مذہب کے جس پر وہ عمل پیرا ہے۔ دوسرے مذاہب کے بطلان کا سبب بھی۔ لہٰذا کسی ایک مذہب کی تقلید ہی اس کی سلامتی کی علامت ہے۔

علامہ سعدی چلپی حاشیہ فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

اعتقادنا المذهب الغیرانه خطا یحتمل الصواب ومذھبنا صواب یحتمل الخطا

(فتح القدیر ج٦ ص٣٩٦ وکذا فی المصفی للنسفی شرح المنظومۃ النسفیہ)

اور علامہ ابن العابدین شامی نے امام نسفی سے منقول کرتے ہوئے فرمایا۔

عن وجوب اعتقاد ان مذهبه صواب یحتمل الخطا ۔ وقال الحصكفی فی درالمحتار. اذا مسئلنا عن مذھبنا ومذھب مخالفنا قلنا وجوبا مذھبنا صواب یحتمل الخطا الی آخره

(ردالمحتار ج اوّل ص٣٦)

اعتقاد کے وجوب میں سے یہ بھی واجب ہے کہ اس کا مذہب درست اور صحیح ہے اور خطا کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ یا ہمارا مذہب صحیح درست ہے اور ہمارے غیر کا مذہب خطا ہے اور صحیح و درست ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ یہ قول اس بات پر مبنی ہے کہ مجتہد کبھی صحیح و درست پالیتا ہے (یعنی مصیب) اور کبھی خطا کر جاتا ہے (یعنی مخطی) اور اگر یہ امر اسی طرح ہے تو افضل مجتہد کا مذہب صواب ہے اور خطا کا احتمال بھی رکھتا ہے۔ معلوم ہوا ہر مقلد کو اپنا مذہب مبنی علی الصواب تصور کرنا چاہئے لیکن اس کا مقصد یہ بھی نہیں کہ دوسرے مذاہب کی تحقیر کی جائے کیونکہ ہر مذہب حق اور صحیح ہے۔ جیسا کہ علامہ شامی نے شرح درمختار میں (حنفی ارتحل الی مذهب الشافعی یعزر) کے تحت ارشاد فرمایا۔ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال کی دو صورتیں ہیں۔

اوّل: جب اس کا دوسرے مذہب کی طرف انتقال کرنا شرعاً کسی محمود غرض کیلئے نہ ہو بلکہ خواہش نفس اور دنیاوی اغراض و مقاصد کیلئے، ایسے آدمی کو تعزیر لگائی جائے۔ علامہ شامی نے ایک حکایت نقل کی ہے فرماتے ہیں ایک مرد نے جو اصحاب ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے تھا اصحاب اہلِ حدیث سے اپنی بیٹی کی منگنی کرنا چاہی اور یہ واقعہ ابوبکر جوزجانی کے زمانہ کا ہے۔ اصحاب حدیث نے انکار کر دیا مگر ایک شرط لگائی کہ وہ اپنے مذہب کو چھوڑ دے۔ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے رفع یدین کرے اور اس کی مثل دوسری

شرائط۔ اس مرد نے اہلِ حدیث کی یہ شرط قبول کر لی اور اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا۔

شیخ ابوبکر جوزجانی نے اس کے متعلق سوال کئے جانے کے بعد اپنا سر جھکا لیا اور فرمایا نکاح جائز ہے لیکن اس پر مجھے خوف ہے کہیں نزع کے وقت اس کا ایمان ہی نہ جاتا رہے۔ اس لئے کہ اس نے ایک ایسے مذہب کی تحقیر کی ہے جو اس کے نزدیک حق تھا اور صرف ایک بدبودار مردار کی خاطر اس نے مذہب کو ترک کیا ہے۔

تو اس حکایت سے معلوم ہوا کہ فقط دنیاوی اغراض ومقاصد اور خواہشات نفسانی کی خاطر انتقال مذہب کرنے والا آدمی تعزیر کا مستحق ہے۔

دوم: اگر اجتہاد کے ساتھ اس آدمی کو واضح ہوا (یعنی میرے لئے یہ مذہب مناسب نہیں) تو اس نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا۔ اس طرح مذہب چھوڑنا محمود ہے اور چھوڑنے والا ماجود بھی۔ یہاں ایک چیز ملحوظ خاطر رہے کہ یہ حکم اس مجتہد کیلئے ہے جو اپنے سے اوپر والے مجتہد کا مقلد ہو ورنہ مجتہد کا اپنے طبقہ کے دوسرے مجتہد کی تقلید جائز نہیں اور اپنے طبقہ سے اوپر والے طبقہ کے مجتہد کی تقلید جائز ہے۔

اس پہلی صورت کے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں۔

اما انتقال غيره من غير دليل بل لما يرغب من عرض الدنيا وشهوتها فهو مذموم الاثم المستوجب للتاديب والتعزير لارتكابه المنكر فى الدين واستخفافه بدينه ومذهبه

(ردالمحتار ج۳ ص ۲۰۸، ۲۰۹)

لیکن اس کے علاوہ (یعنی جس نے اجتہاد کے بغیر مذہب ترک کیا اور دوسرے مذہب کو اختیار کیا) بلا دلیل مذہب چھوڑنا بلکہ اس دنیا کے اسباب اور اس کی خواہش کی رغبت کیلئے مذہب چھوڑنا مذموم ہے اور چھوڑنے والا گنہگار اور تادیب وتعزیر کا مستحق ہے اس لئے کہ دین میں وہ منکر کا مرتکب ہوا ہے اور اس نے اپنے دین اور مذہب کی تحقیر کی ہے۔ فتاویٰ نسفیہ سے منقول ہے ''مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اثبات، خیر واولیٰ ہے اور فرمایا یہ کلمہ الفت کی طرف زیادہ قریب ہے۔

معلوم ہوا یہ قول (حنفی ارتحل الی مذھب الشافعی یعزر) جس کو صاحب درمختار نے سراجیہ سے اور فتاویٰ عالمگیری ج دوم ص ۶۰ میں جواہر اخلاطی سے نقل کیا ہے۔ اس سے مراد اپنے مذہب سے انتقال کرنے والا وہ آدمی ہے جو بلا دلیل اور حرص وآز دنیاوی کی خاطر ایسا کرے اور یہ قول دیگر مذاہب کی تحقیر کا سبب نہیں ہے بلکہ اصل مراد یہ ہے جو بھی اپنے مذہب کو چھوڑے خواہ وہ حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی، تادیب وتعزیر کا مستوجب ہے۔ اس بات کو علامہ شامی نے اس بیان فرمایا۔

انما أطلنا فی ذالک لئلا یغتر بعض الجهلة بما یقع فی الکتب من اطلاق بعض العبارات الموهمة خلاف المراد . فیحملهم علی تنقیص الأئمة المجتهدین فان العلماء حاشاهم الله تعالیٰ أن یرید والا زرداء بمذهب الشافعی او غیره بل یطلقون العبارات بالمنع من الانتقال خوفًا من التلاعب بمذاهب المجتهدین نفعنا الله تعالیٰ بهم و أماتنا علی حبهم آمین یدل ذالک مافی القنیة رامزا لبعض کتب المذمب لیس للعامی ان یتحول من مذهب الی مذهب ویستوی فیه الحنفی والشافعی .

(ردالمحتار ج۳ص۲۰۹)

انتقال مذہب میں ہم نے کلام کو طول اس لئے دیا ہے تاکہ بعض ناواقف کتابوں میں پائی جانے والی موہومہ مطلق عبارات سے مطلق مراد لے کر دھوکہ نہ کھا جائیں اور وہ ان کو تنقیص ائمہ اربعہ پر محمول نہ کرلیں۔ پس بیشک علماء کرام (اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ فرمائے) کہ ان کا انکار مذہب امام شافعی یا اس کے علاوہ کسی مذہب کی عیب جوئی یا تنقیص نہیں بلکہ علماء کرام کی عبارات کا مطلق ہونا انتقال مذہب سے روکنے کیلئے ہے۔ یہ خوف کرتے ہوئے کہ ائمہ مجتہدین کو کھیل تماشہ یا مذاق نہ بنایا جائے اور اللہ تعالیٰ ائمہ مجتہدین کے توسط سے ہمیں نفع عطا فرمائے اور ان کی محبت پر ہمیں موت نصیب فرمائے۔

صاحب قنیہ امام زاہدی نے بعض کتب کی مذہب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو قول نقل کیا ہے وہ قول اس کیلئے دلیل ہے کہ (علماء کرام کی بعض عبارات کو مراد کے خلاف نہ لیا جائے کہ انہوں نے مذاہب کی تنقیص کی ہے) عامی کیلئے جائز نہیں کہ وہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف پھرے اوراس میں حنفی اور شافعی برابر ہیں۔

صاحب قنیہ کے قول سے وضاحت ہوگئی کہ انتقال مذہب میں تعزیر وتأدیب ہے اس میں حنفی شافعی یا دیگر مذاہب برابر ہیں یعنی اگر کسی مذہب کا مقلد بلا دلیل وحجت ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف جاتا ہے تو وہ تأدیب وتعزیر کا مستحق ہے اس میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب شامل ہیں نہ کہ صرف اُس حنفی کیلئے ہے جو اپنے مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف جائے بلکہ اگر حنبلی یا شافعی یا مالکی بھی اپنے مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال کرے وہ بھی تعزیر وتادیب کا مستحق ہے۔

علامہ ملاعلی قاری ہروی رسالہ تشییع الفقہاء میں لکھتے ہیں۔

وجب عليه حتما ان يعين مذهبا من هذه المذاهب اما مذهب الشافعي في جميع الفروع او مذهب مالك اومذهب أبي حنيفة رحمهم الله عليهم وغيرهم وليس لهم ان ينتحل من مذهب الشافعي مايهواه ومن مذهب غيره مايرضاه لانا لوجوّزنا ذالك لأدى الى الخبط والخروج عن الضبط . حاصله يرجع الى نفي التكليف لان مذهب الشافعي مثلاً اذ اقتضى تحريم ومذهب غيره اباحة ذالك الشئي اوعلى العكس فهو ان شاء مال الى الحلال وان شاء مال الى الحرام فلا يتحقق الحل والحرمة وفي ذالك اِعلام التكليف وابطال فائدته واستيصال قاعدته وذالك باطل .

مقلد پر حتمی واجب ہے کہ ان مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کو معین کرے۔ اگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہے تو جملہ فروعی مسائل میں ان کی ہی تقلید کرے۔ یا امام

مالک وابوحنیفہ رحمہما اللہ وغیرہم کا مقلد ہے تو جمیع مسائل فردعیہ میں ان کی تقلید کرے اور ان کو نہیں چاہئے کہ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جس کی وہ خواہش کرتا ہے اُسے اپنا لے اور اُن کے مذہب کے غیر میں سے جو اچھا لگے اُسے اختیار کرلے۔

اگر ہم اس کو جائز قرار دیں تو یہ خبط (یعنی امور میں بغیر بصیرت تصرف کرنا اور دیوانہ پن) کی طرف لے جائے گا اور قاعدہ نظم وضبط سے خروج (یعنی نکلنا) ہوگا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا کرنا مکلّف ہونے کی نفی کی طرف لوٹاتا ہے (یعنی حلت وحرمت اور اباحت وعدم اباحت میں وہ مکلّف نہیں جس کو چاہے حرام کرے جس کو چاہے حلال یا جس چیز کو چاہے مباح بنالے اور جس چیز کو چاہے غیر مباح) اس لئے کہ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اگر کسی چیز کے حرام ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور دوسرے کا مذہب اس چیز کو مباح ہونے کا۔ یا اس کے برعکس تو وہ اگر چاہے حلال کی طرف رغبت کرے اور اگر چاہے حرام کی طرف رغبت کرے۔ تو اس طرح حلت وحرمت ثابت نہیں ہوگی۔ اور اس میں مکلّف ہونے کو معدوم کرنا ہے اور اس کے فائدہ کو باطل کرنا ہے اور اس کے قاعدہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے۔ اور یہ باطل ہے۔

آپ ذرا علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری کی عمدہ تحقیق کو ملاحظہ فرمائیں اور غور سے پڑھیں اور بنظر انصاف وتحقیق دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا تقلید شخصی کے کیا فوائد ہیں اور ہر مذہب میں سیر کرنے کے کتنے نقصانات۔ لہٰذا کسی ایک مذہب کا مقلد ہونا ہی واجب ہے۔ تاکہ شریعت میں مسائل فردعیہ پر عمل کرکے ہم اپنے دین کو سنوار سکیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (الانصاف) میں فرماتے ہیں۔

فاعلم ان الناس کانوا فی المائة الاولیٰ والثانیة غیر مجتمعین علیٰ التقلید بمذهب واحد بعینه وبعد المائتین ظهر منهم تمذهب باعیانهم وقل من لایعتمد علی مذهب مجتهد بعینه وکان هذا هوا لواجب فی ذالك الزمان

لوگ پہلی صدی اور دوسری میں ایک مذہب معین کی تقلید پر مجتمع نہیں تھے دوسری

کے بعد ان میں سے ان کا مخصوص مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا اور بہت کم لوگ تھے جو مذہب معین پر اعتماد کرتے تھے۔شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں یہی ہمارے اس زمانہ میں کسی معین مذہب کو اختیار کرنا واجب ہے۔

یہی شاہ ولی اللہ عقد الجید میں لکھتے ہیں:

المرجح عند الفقها ان العامی المنتسب الی المذهب لایجوزله مخالفته المرجح

فقہاء کے نزدیک ترجیح دیا ہوا قول یہی ہے کہ عامی جو کسی مذہب کی طرف منسوب ہے۔اس کو اپنے مذہب کی مخالفت جائز نہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ثابت ہوا مذہب معین کا اختیار کرنا واجب ہے جس کو تقلید شخصی کہتے ہیں اور اگر وہ کسی مذہب کی تقلید کرے تو پھر اس کی مخالفت ناجائز ہے۔

امام شعرانی میزان کبریٰ میں لکھتے ہیں:

واعلم انه ینافی ماذکرنا من الزام العلماء للعامة بالتزام مذهب معین لانهم ماالزموهم بذالك الارحمة بهم فلولا الزامهم للعامی بمذهب معین لضل عن طریق الهدی ۔

عام لوگوں کے لئے علماء کو لازم پکڑنا جو ہم نے ذکر کیا، وہ ایک مذہب معین کے التزام کے منافی نہیں۔اس لئے کہ عام لوگوں کا ان کو لازم پکڑنا ان کے ساتھ رحمت ہے اگر عامی کیلئے مذہب معین کا التزام نہ ہوتا تو وہ طریق ہدایت سے گمراہ ہو جاتا۔

امام شعرانی دوسری جگہ لکھتے ہیں:

من لم یصل الی شهود عین الشریعة الا ولی وجب علیه التقلید بمذهب واحدٍ کما مرّ خوفا من الوقوع فی الضلال وعلیه عمل الناس الیوم (میزان الکبریٰ ص ۳۲ جز اول)

جو شخص عین شریعت کبریٰ کے شہود کی طرف نہیں پہنچا۔اس پر کسی مذہب واحد کی

تقلید واجب ہے جیسا کہ اس سے قبل گزرا، یہ خوف کرتے ہوئے کہ کہیں گمراہی میں واقع نہ ہو جائے اور اس زمانہ میں اس پر لوگوں کا عمل ہے۔

امام شعرانی کے کلام سے واضح ہوا کہ مذہب معین کا التزام یعنی (تقلید شخصی) طریق ہدایت کے لئے روشن مینار ہے اور تقلید شخصی نہ کرنا موجب گمراہی ہے۔ جیسا کہ علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اس کو وضاحت سے بیان فرمایا۔

ملا علی قاری شرح عین العلم میں لکھتے ہیں:

فلو التزام احد مذهبا كأبى حنيفة و الشافعي فلزم عليه الاستمرار فلايقلد غيره فى مسئلة من المسائل

اگر کسی نے ایک مذہب کو لازم پکڑ لیا مثل مذہب امام ابوحنیفہ اور مذہب امام شافعی رضی اللہ عنہا، پس اس کو اس مذہب پر ہمیشہ رہنا چاہئے اور اس مذہب کے مسائل کے علاوہ دوسرے مذہب کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔

شیخ ابن ہمام تحریر الاصول و شیخ ابن حاجب نے مختصر الاصول اور امام حصکفی نے درمختار میں بالفاظ متقاربہ تحریر فرمایا۔

الرجوع عن التقليد بعد العمل ممنوع بالاتفاق۔

(ردالمحتار ج اوّل ص ۵۵)

کسی مذہب پر عمل کر لینے کے بعد اس کی تقلید سے رجوع کرنا بالاتفاق ممنوع ہے۔

صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں۔

فوجب على مقلد ابى حنيفة العمل به ولايجوز له العمل بقول غيره كما نقل الشيخ القاسم فى تصحيحه عن جميع الاصولين انه لايصح الرجوع عن التقليد بعدالعمل بالاتفاق وقال فى مقام آخر وان رجع بعد العمل وقد خالف دليلاً قاطعا نقضه

(بحر الرائق جز ۶ ص ۲۶۸)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد پر امام صاحب کے قول پر عمل کرنا واجب ہے اور دوسرے کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں جب کہ شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں جمیع اُصولین سے نقل فرمایا کہ کسی مذہب کے قول پر عمل کے بعد تقلید سے رجوع صحیح نہیں۔ اور صاحب بحرالرائق نے دوسری جگہ تحریر فرمایا۔ اگر مقلد نے عمل کے بعد رجوع کیا تو تحقیق اس نے دلیل قطعی کی مخالفت کر کے اسے توڑ دیا ہے۔

معلوم ہوا ایک مذہب کی تقلید کے بعد دوسرے مذہب کو اپنانا گویا کہ دلیل قطعی کی مخالفت ہے اور اس نے اس دلیل قطعی کو توڑ دیا۔ اسی لئے علماء اصولین نے کسی مذہب پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس مذہب سے رجوع کرنے کو ناجائز و باطل اور غیر صحیح قرار دیا ہے۔

اسی ایک مذہب پر عمل کرنے سے تقلید شخصی کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

امام شعرانی میزان میں فرماتے ہیں۔

سمعت سیدیٰ علیا الخواص رحمة الله علیه یقول امر علماء الشریعة بالتزام مذهب معین تقریبا للطریق

فرماتے ہیں میں نے سیدی علیا الخواص رحمۃ اللہ علیہ کو سنا ہے وہ فرماتے تھے علماء شریعت نے راستہ ہدایت کو قریب کرنے کیلئے ایک مذہب معین کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ معلوم ہوا راستہ ہدایت قریب تب ہوتا ہے جس وقت کسی ایک امام کی تقلید کی جائے اور علماء شریعت نے بھی اس کا حکم دیا ہے اور یہ عین تقلید شخصی ہے۔

علامہ ملاعلی قاری رسالہ تشییع الفقہاء میں لکھتے ہیں:

بل وجب علیه ان یعین مذهبامن هذه المذاهب

بلکہ مقلد پر واجب ہے ان مذاہب (یعنی مذاہب ائمہ اربعہ) میں سے کسی مذہب کو معین کرے۔

شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

فبهذا ظهر ان الصواب ماذهب الیه ابوحنیفة و ان العمل علی

المقلد واجب الافتاء بغیرہ لایجوز لھم

پس بسبب اس کے ظاہر ہوا جس کی طرف امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے ہیں وہ درست ہے اور مقلد پر عمل واجب ہے اور آپ کے غیر (یعنی دیگر مذاہب) کے قول کے ساتھ فتویٰ دینا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین کے لئے جائز نہیں۔

قہستانی نقایہ شرح مختصر وقایہ کتاب القضاء میں فرماتے ہیں:

قال ابوبکر الرازی لوقضٰی بخلاف مذھبہ مع العلم لم یجزفی قولھم جمیعا

ابوبکر رازی کا قول اگر کسی نے علم ہونے کے باوجود حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے خلاف فیصلہ کیا علماء کے متفق علیہ قول میں جائز نہیں۔

طحطاوی شرح درمختار بحث شفق میں لکھتے ہیں:

قال صاحب الھدایۃ فی التجنیس الواجب عندی ان یفتیٰ بقول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی کل حال

صاحب ھدایہ تجنیس میں فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ واجب ہے کہ ہر حال پر فتویٰ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر دیا جائے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

لاخیر فی ان یکون فی بعض المسائل حنفیًا وشافعیًا فی بعض آخر کما عرف فی مسائل التقلید

اس میں خیر نہیں کہ بعض مسائل میں حنفی ہو اور بعض دوسرے مسائل میں شافعی۔ جیسا کہ مسائل تقلید میں معروف ہے۔

شرح مسلم الثبوت ص ۲۸۳ میں لکھتے ہیں:

غیر المجتھد المطلق ولو کان عالما یلزمہ التقلید لمجتھد ما۔

غیر مجتہد مطلق اگرچہ وہ عالم ہو اس کو کسی مجتہد کی تقلید کرنا لازم ہے۔

امام شعرانی فرماتے ہیں:

فان قلت فهل يجب على المحجوب عن الاطلاع على العين الاولى للشريعة بمذهب معين ۔ فالجواب نعم يجب عليه ذالك لئلا يضل فى نفسه ويضل غيره (ميزان ص۲۰)

اگر تو کہے کہ کیا وہ شخص جو حقیقتِ شریعت سے نا آشنا ہے اُس پر کسی ایک مذہب معین کی تقلید واجب ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہاں اس پر کسی ایک کی تقلید واجب ہے تا کہ خود بھی گمراہ نہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ نہ کرے۔

معلوم ہوا جو شخص ائمہ مذاہب میں سے کسی مذہب کی تقلید نہیں کرتا وہ گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرر ہا ہے۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ کے اہلِ حدیث۔ انہوں نے تقلید سے اعراض کر کے اپنے آپ کو گمراہی کے کنواں میں ڈال دیا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔

دوسری بات جس کو سمجھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جن عبارات میں لفظ عامی استعمالؔ ہوا ہے اس سے وہ عامی مراد ہیں جو مجتہد کے مقابل ہیں، اس بات کو ضرور ذہن میں رکھیے کیونکہ لفظ عامی کی مراد سے آپ کی واقفیت بہت ضروری ہے۔

شاہ ولی اللہ عقد الجید میں لکھتے ہیں:

اذالم يجتمع آلات الاجتهاد لايجوزله العمل على الحديث بخلاف مذهبه لانه لايدرى انه منسوخ ماول او محكم على ظاهره ومال الى هذا القول ابن حاجب فى مختصره وتابعوه ۔

جب تک اسباب اجتہاد مجتمع نہ ہوں اپنے مذہب کے خلاف حدیث پر عمل جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ نہیں مانتا یہ حدیث منسوخ ہے ماؑوّل ہے یا اپنے ظاہر پر محکم ہے۔ ابن حاجب نے اپنے مختصر میں اسی قول کی طرف میلان کیا ہے اور علماء نے بھی اسی قول کی اتباع کی ہے۔

معلوم ہوا جب تک اجتہاد کے جملہ اسباب اس میں مجتمع نہیں ہوں گے اس کیلئے حدیث پر عمل جائز نہیں ہے لیکن ہمارے دور میں جو حروف ابجد کی پہچان نہیں رکھتے کتب

احادیث بغلوں میں لئے مجتہد اکبر بننے کی سعی لاحاصل میں مصروف نظر آتے ہیں اور لوگوں کو حدیث کے ذریعے گمراہ کر رہے ہیں۔ ہمیں ان لوگوں سے بچنا چاہئے اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اپنے علماء جو کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتباع میں لوگوں کے قلوب و اذہان منور کر رہے ہیں ان کی طرف رجوع کرے ورنہ بقول سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (الحدیث مضلة الالفقها) حدیث، فقہاء یعنی ائمہ مجتہدین کے علاوہ کے لئے باعث گمراہی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے یعنی جب تک جملہ اسباب اجتہاد سے واقف نہیں اس کو اپنے مذہب کے خلاف حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں۔

شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں:

عرفنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان المذهب الحنفی طریقة أنیقة وهی أوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت وتقحت فی زمان البخاری واصحابه ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پہچان کرائی کہ مذہب حنفی ہی پسندیدہ اور درست طریقہ ہے اور یہ طریقہ امام بخاری وغیرہ کے زمانہ سے سنت کے ساتھ بہت زیادہ موافق ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آیۂ کریمہ (ولا تجعلوا لله اندادًا) کے ماتحت فرمائے ہیں۔

کسانے که اطاعت انها لجکم خدافرض است شش گروه اند ازاں جمله مجتهدان شریعت ومشائخنانِ طریقت اند

وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اطاعت فرض ہے وہ چھ گروہ ہیں ان میں سے مجتہدین شریعت اور مشائخ طریقت بھی ہیں۔

شاہ صاحب کے قول سے ثابت ہوا ائمہ مجتہدین کی اطاعت بحکم خدا فرض ہے۔ اگر کسی آدمی نے ان میں سے کسی امام کی تقلید اختیار کرلی تو وہ آدمی اس عہدہ سے بری

الذمہ ہوگیا یعنی اس نے فرض پر عمل کرلیا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کیمیائے سعادت، آداب امر کی بحث میں فرماتے ہیں۔

مخالفت مذهب خود کردن نزد هیچکس روا نباشد

یعنی اپنے مذہب کی مخالفت کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

معلوم ہوا تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اپنے مذہب کی مخالفت ناجائز ہے یعنی جو شخص کسی مذہب کا مقلد ہے اس کو اپنے مذہب کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے۔

علامہ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر سعادت میں لکھتے ہیں۔

خانۂ دین ایں چهار اند هر که راهے ازیں راه ها ودرے ازیں درها گرفت واختیار نمود براه دیگر رفتن ودرے دیگر گرفتن عبث ولهو باشد وکارخانه عمل را از ضبط وربط بیرون افگندن است وازراه مصلحت بیرون افتادن است

دین کے خانہ میں چار مذاہب ہیں جس کسی نے راہوں میں سے ان کی راہ اور دروازوں میں سے ان کا دروازہ پکڑلیا اور اختیار کرلیا اس کو دوسری راہ یا دوسرے در جانا عبث وتماشہ ہے اور کارخانہ عمل کو ضبط وربط سے باہر پھینکنے کے مترادف ہے اور راہ مصلحت سے باہر چلے جانے کا موجب۔ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

علماء کرام نے مصلحت دیکھی کہ آخر زمانہ میں تعین مذہب ضروری ہے۔ دنیا اور دین کے کام کا ضبط وربط اس صورت میں ہے یعنی کس ایک مذہب کو تقلید کیلئے معین کرلیا جائے۔ اول زمانہ میں اختیار دیا گیا تھا جو بھی کوئی راہ چاہے، اختیار کرے (یعنی مذاہب میں سے کسی مذہب کو اختیار کرے) لیکن ان میں سے ایک کو اختیار کرنے کے بعد بے سوچے سمجھے دوسرے مذہب کی طرف جانا سوء ظن ہے۔ اور اعمال واقوال میں متفرق وجداجدا ہونے کے مترادف۔ لہٰذا علماء متاخرین اسی پر کاربند ہیں اور یہی مختار ہے اور اسی میں خیر ہے۔

معلوم ہوا ایک مذہب معین میں مصلحت دینی اور دنیاوی مضمر ہیں اور ایک مذہب

پر رہنا اس کو علماء نے پسند فرمایا۔ اور علماء کرام کا یہی مختار مذہب ہے اور اس ایک مذہب پر رہنے میں خیر بھی ہے لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ائمہ مذاہب میں سے کسی مذہب کی تقلید کریں۔

علماء ربانیین وصالحین کی تصریحات مقدسہ سے روز روشن کی طرح عیاں اور ظاہر ہے کہ مذاہب ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید واجب ہے۔ جب تک وہ کسی مذہب کی اتباع نہیں کرے گا حرمت وحلت اور اباحت وغیرہ کی تخصیص نہیں کر سکے گا۔

اور مسائل فروعیہ شرعیہ کا علم ہر مسلمان کیلئے لازمی وضروری ہے اور جب تک وہ کسی امام کی تقلید نہیں کرے گا ان سے ناآشنا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کسی ایک مذہب کا مقلد ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ ائمہ اربعہ امام اعظم ومالک وشافعی واحمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی ایک امام کی تقلید قرآن وسنت اور اجماع وقیاس اور عقل سے ثابت ہے تو پھر ان ائمہ کرام میں سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کو باقی ائمہ مذاہب پر کیوں ترجیح دی جاتی ہے۔ وجہ ترجیح بیان کرنے سے قبل وجوب تقلید از قرآن وسنت کو بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں اور انشاء اللہ کتاب کے آخر میں وجہ ترجیح کو مفصل ومدلل بیان کیا جائے گا۔

وما استطعت وما توفیقی الا باللہ وعلیہ توکلت والیہ انیب

ثبوت تقلید از قرآن وحدیث

قبل از ثبوت یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ احادیث مقدسہ جو جواز تقلید کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی وہ علیحدہ کسی باب میں نہیں ہوں گی بلکہ قرآن مقدس کی آیات کریمہ کی تفسیر کے ماتحت ہوں گی کیونکہ احادیث قرآن مقدس کی تفصیل ہیں لہٰذا جو احادیث کسی آیہ کریمہ کے ماتحت نقل ہوں گی گویا کہ وہ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر ہوں گی۔

دلیل اوّل: **یوم ندعوا کل اناس بامامهم، الایة**

اس آیۂ کریمہ کے ماتحت صاحب تفسیر کشاف لکھتے ہیں۔

(بامامهم) بمن ائتموا به من نبی أو مقدم فی الدین او کتاب

او دین فیقال یا اتباع فلانٍ یا اهل کذاو اهل کتاب کذا ۔

(تفسیر کشاف ج دوم ص ۶۸۲)

لفظ امام کا معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں امام سے مراد وہ ہیں جس کی انہوں نے اقتداء کی، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا امام کا معنی ہے دینی پیشوا، یا کتاب یا دین۔ پس کہا جائے گا اے فلاں کی اتباع کرنے والے یا، اے فلاں دین والے یا اے فلاں کتاب کے ماننے والے۔

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ علماء مفسرین نے امام کے جتنے معانی نقل فرمائے ہیں جس طرح دوسرے معانی قابل عمل ہیں اس طرح یہ معنی بھی قابل عمل ہوتا۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اس کا یہ معنی کیا ہے فلاں نے اس کا یہ معنی کیا ہے وغیرہ وغیرہ جہاں دوسرے معانی کو قابل اعتماد سمجھتے ہو۔ وہاں یہ معنی بھی قابل اعتماد تصور ہوگا کیونکہ یہ معنی بھی تو امام کا ہے۔ جس کو علماء مفسرین نے نقل فرمایا۔

لہٰذا صاحب تفسیر کشاف باوجود معتزلی ہونے کے وہ امام کا ایک معنی یہ بھی نقل کر رہے ہیں کہ جس کی اقتداء کی جائے یا دینی پیشوا' اقتداء خواہ نبی کی ہو یا کسی امام مذہب کی جس کی وجہ اقتداء کرتا ہے اسی کے نام سے پکارا جائے گا جس کی وضاحت دیگر مفسرین کرام سے پیش کی جائے گی۔ معلوم ہوا کسی امام کی اتباع تقلید کا دوسرا نام ہے جو اس آیۂ کریمہ سے ثابت ہے۔

صاحب تفسیر روح المعانی لکھتے ہیں۔

والامام المقتدی بہ والمتبع عاقلا کان اوغیرہ

(روح المعانی جز ۱۵ ص ۱۲۰)

یعنی امام وہ ہے جس کی اقتداء کی جائے اور جس کی اتباع کی جائے، وہ عاقل ہو یا سوا اس کے۔ اور اس کے بعد وہی معنی نقل کرتے ہیں جو صاحب کشاف نے کیا ہے اور وہ اس سے قبل مذکور ہے۔

صاحب تفسیر صادی حاشیہ جلالین میں لکھتے ہیں۔

قیل المراد به المذهب الذی کانوا یعبدون اللہ علیه فیقال یاحنفی یا شافعی، یا معتزلی یا قدری ونحو ذالک۔

(تفسیر صاوی ج دوم ص۳۳۴)

اور بعض کے نزدیک امام سے مراد وہ مذہب ہے جس پر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ پس کہا جائے گا اے حنفی، اے شافعی، اے معتزلی، اے قدری اور اس کی مثل۔ معلوم ہوا امام سے مراد صاحب مذہب ہے جس مذہب کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

اور یہ معنی واضح طور پر تقلید پر دلالت کر رہا ہے کہ ائمہ مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کی جانی چاہئے کیونکہ روز قیامت اس کو اپنے مذہب کے ساتھ پکارا جائے گا۔ اس معنی کی تاکید دوسرے مفسرین سے سنیے۔

صاحب تفسیر قرطبی لکھتے ہیں۔

قیل بمذا هبهم فیدعون بمن کانوا یأتمون به فی الدنیا یا حنفی، یا شافعی، یا معتزلی، یا قدری ونحوه (تفسیر قرطبی ج ۵ جز ۱۰)

اور کہا گیا کہ لوگ اپنے مذاہب کے ساتھ بلائے جائیں گے پس جس کی وہ دنیا میں اقتداء کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ بلائے جائیں گے جیسا کہ اے حنفی، اے شافعی، اے معتزلی، اے قدری یا اس کی مثل دیگر مذاہب۔

<u>صاحب تفسیر حسینی لکھتے ہیں:</u>

یا مقدمیکه در مذهب او متابعت او نموده باشند چنانچه ندا از نند یا حنفی، یا شافعی (تفسیر حسینی ص ۴۰۵)

یا وہ پیشوا کہ مذہب میں جس کی متابعت کی جائے جیسا کہ ندا کی جائے گی۔ اے حنفی، اے شافعی، یا ان کے علاوہ دیگر مذاہب جن کی متابعت کی جاتی ہے۔

<u>صاحب تفسیر درمنثور لکھتے ہیں:</u>

اخرج ابن ابی شیبة وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویه

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما فی قوله یوم ندعوا کل اناس بامامهم قال امام هدی او امام ضلالة و اخرج ابن مردویة عن علی رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوم ندعوا کل اناس بامامهم قال یدعی کل قوم بامام زمانهم وکتاب ربهم وسنة نبیهم (تفسیر درمنثور جز۴ص۱۹۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ کا قول (یوم ندعوا کل اناس بامامهم) سے مراد امام ہدایت ہے یا امام ہدایت ہے یا امام ضلالت (گمراہی)

دوسری روایت میں جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یوم ندعوا کل اناس بامامهم) کے متعلق فرمایا ہر قوم اپنے زمانہ کے امام کے ساتھ بلائی جائے گی۔ یا اپنے رب کی کتاب یا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ۔

یہ دونوں روایتیں ائمہ مذاہب کی اتباع پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ائمہ مذاہب بھی امام ہدایت ہیں اور اس زمانہ کے مقتدا، جن کی اتباع اس آیۂ کریمہ سے ثابت ہے۔

صاحب تفسیر ظلال القرآن لکھتے ہیں۔

اوالرسول الذی اقتدت به او الامام الذی افتحت به فی الحیوة الدنیا ۔ (تفسیر ظلال القرآن ج۴ص۲۲۲۱)

یعنی وہ جماعت جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اقتداء کی یا اس امام کی جس کی وہ دنیا میں اقتداء کرتا رہا ہے اور جن ائمہ کی ہم دنیا میں اتباع کر رہے ہیں وہ ائمہ مذاہب ہیں لہٰذا ائمہ مذاہب کی اقتدا و اتباع اس آیہ کریمہ سے ثابت ہوئی۔

صاحب تفسیر البحر المحیط لکھتے ہیں:

(بـامامهم) میں حرف (با) میں ندعوا کے متعلق ہے یعنی (بـامامهم) ندعوا کا صلہ ہے اور معنی اس طرح ہے اے (باسم امامهم) یعنی اپنے امام کے نام کے ساتھ وہ

بلائے جائیں گے جیسا کہ تفسیر قرطبی وصاوی وحسینی میں مرقوم ہے اور بعض کے نزدیک حرف (بـا) حال کے لیے ہیں اور معنی اس طرح ہوگا (الحال مصحوبین بامامہم) درآں حالیکہ وہ اپنے امام کی اتباع کے مکلف بنائے گئے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے معانی نقل کر کے فرماتے ہیں۔ قال ابن عطية و الامام يعمّ هٰذا كله لانه ممايوتم به ۔ (تفسیر بحرالمحیط ج۶ ص۶۳)

ابن عطیہ کا قول ہے کہ امام ان تمام معانی کو عام ہے اس لئے کہ وہ اس سے ہے جس کی اقتداء کی جائے یعنی امام اس کو بولتے ہیں جو مقتدا ومتبوع ہو۔ اس کے بعد زمخشری کا قول نقل کیا گیا ہے جو تفسیر کشاف کے حوالہ مذکور ہو چکا۔

صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں۔

وعن ابن عباس رضی الله عنهما بامام زمانهم الذی دعاهم فی الدنيا اماالی الهدی وامام الی الضلال و ذالك ان كل قوم يجتمعون الی رئيسهم فی والخير والشر (تفسیر خازن ج۳ ص۸۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی (كل اناس بامامهم) میں امام سے مراد ان کے زمانہ کا امام ہے جس نے ان کو دنیا میں ہدایت کی طرف، بلایا یا ضلالت کی طرف کیونکہ ہر قوم خیر وشر میں اپنے رئیس کی طرف جمع ہوتی ہے اور اسی طرح تفسیر بغوی میں ہے۔

اور تفسیر خازن کے حاشیہ پر تفسیر مدارک میں ہے (**كل اناس بامامهم**) **الباء للحال والتقدير مختلطين بامامهم ای بمن ائتمو ابه من نبی او مقدم فی الدين او كتاب اودين فيقال يا اتباع فلان**

(تفسیر مدارک علی الخازن ج۳ ص۱۸۳)

(بامامهم) میں (باء) حال کیلئے ہے اور معنی اس طرح مقدر ہوگا کہ وہ اپنے امام کے ساتھ ملنے والے ہیں یعنی جس کے ساتھ انہوں نے اقتداء کی خواہ نبی یا دینی پیشوا یا کتاب ہو یا دین۔ تو اس معنی کے اعتبار سے اس طرح کیا جائے گا اے حنفیو! وغیرہ اور

اسی طرح تفسیر بیضاوی میں ہے۔

صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں۔

(المسالة الثالثة) قوله (بامامهم) الامام فی اللغة کل من ائتم به قوم کانوا علی هدی اوضلالة فالنبی صلی الله علیه وسلم امام امته والخلیفة امام رعیته والقرآن امام المسلمین و امام القوم هوالذی یقتدی به فی الصلوة

فاالباء فی قوله (بامامهم) فیه وجهان

الاول: ان یکون التقدیر یدعوکل اناس بامامهم تبعا وشیعة لامامهم کما تقول ادعوك باسمك .

والثانی: ان یتعلق بمحذوف وذالك المحذوف فی موضع الحال لانه قیل یدعوکل اناس مختلطین بامامهم ای یدعون وامامهم فیهم نحورکب بجنوده (تفسیر کبیر جز۱ص۱۷)

دوسرا مسئلہ: قولہ (بامامھم) لغت میں امام اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ساتھ قوم اقتداء کرے خواہ وہ اقتداء ہدایت پر ہو یا گمراہی پر۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے امام ہیں اور خلیفہ اپنی رعیت کا امام اور قرآن حکیم جمیع مسلمانوں کا امام۔ اور قوم کا امام وہ ہے نماز میں جس کی اقتداء کی جائے۔ اور حرف (بـــا) اللہ تعالیٰ کے قول (بامامھم) کے اندر، اس میں دو وجہیں ہیں۔

اول: تقدیر عبارت یوں ہوگی سب لوگ اپنے امام کے ساتھ بلائے جائیں گے، اپنے امام کی اتباع اور پیروی کرنے کے لحاظ سے۔

دوم: یہ کہ حرف (بـــا) کسی محذوف کے متعلق ہو اور یہ محذوف موضع حال میں ہو۔ گویا کہ کہا گیا سب لوگ اپنے امام کے ساتھ اس حال میں بلائے جائیں گے کہ وہ اپنے امام سے باہم ملنے والے ہوں گے۔ یعنی وہ اس حال میں بلائے جائیں گے کہ ان کا امام ان میں ہوگا۔

اس کی مثال یہ ہے جیسے کوئی کہے امیر بمع لشکر سوار ہوا۔
دونوں وجوہ سے ثابت ہوا متبعین اپنے امام کے ساتھ بلائے جائیں گے اور متبعین مقلدین ہی ہیں لہٰذا یہ آیۂ کریمہ جوازِ تقلید پر قوی دلیل ہے۔
صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں۔

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہم بامامھم زمانھم الذی دعاھم فی الدنیا الی ضلالة اوھدی قال اللہ تعالیٰ وجعلناھم ائمة یھدون بأمرنا وقال وجعلنا ھم ائمہ یدعون الی النار ۔ و قولہ بامامھم حال ای مختلطین بمن ائتموا بہ من نبی او کتاب او رئیس فی الخیر والشر اوحاملین اعمالھم اوصحائفھا ۔ او صلة لندعوا یعنی ندعوھم باسم اماھھم یقال یا امة فلان یا اتباع فلاں الی آخرہ (تفسیر مظہری ج ۵ ص ۴۶۰)

سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی ہیں کہ اس سے مراد اپنے زمانہ کے امام کے ساتھ جو ان کو دنیا میں گمراہی یا ہدایت کی طرف بلاتا تھا۔ اللہ عزوجل کا فرمان (وجعلنا ھم ایمة یھدون بامرنا) اور دوسری جگہ فرمایا (وجعلنا ایمة یدعون النار) وقولہ (بامامھم) یہ حال ہے یعنی اس حال میں کہ ملنے والے ہیں ان لوگوں سے جن کی انہوں نے پیروی کی۔ نبی ہو یا کتاب یا رئیس۔ اقتداء خیر میں کی یا شر میں، یا اپنے اعمال کو اٹھانے والے، یا اپنے صحائف کو اٹھانے والے۔ یا (بامامھم) ندعوا کا صلہ ہے یعنی ہم ان کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ جیسا کہ کہا جائے گا۔ اے فلاں نبی کی امت، اے فلاں امام کی اتباع کرنے والے، اے فلاں دین کے ماننے والا وغیرہ۔ وعلی ھذا القیاس دیگر تفاسیر میں بھی یہی منقول ہے۔

اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ ہر شخص اپنے امام کے ساتھ بلایا جائے گا تو پھر ہر شخص کیلئے لازم ہوگیا کہ وہ کسی نائب دین یا خلیفہ اسلام کو اپنا امام مقرر کرے۔ تاکہ روز جزا

اس کی نجات کا سبب بنے۔ باقی یہ کہ امام سے اس جگہ کئی افراد مراد ہیں۔ جیسا کہ نبی، کتاب، اعمال نامہ اور امہات وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا ہم واضح طور پر نہیں کہتے کہ امام سے مراد ائمہ مجتہدین ہی مراد ہیں بلکہ ہم ان سب معانی کو تسلیم کرتے ہیں جو علماء ومفسرین بیان فرماتے ہیں۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ جس طرح دیگر احتمالات ممکن الوقوع ہیں اس طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر شخص ائمہ مجتہدین کے نام سے پکارا جائے۔ جیسا کہ مسعر بن کدام وابو یوسف رحمہما اللہ کا قول اس پر شاہد ہے۔

حسبی من الخیرات ما اعددته   یوم القیمة فی رضی الرحمان

دین النبی محمد خیر الوری   ثم اعتقادی مذهب النعمان

(ردالمحتار ج اوّل ص ۳۹)

یعنی قیامت کے دن اللہ عزاسمہٗ کو خوش کرنے کیلئے مجھے دو چیزیں کافی ہیں۔ ایک دین محمدی اور دوسرا مذہب حنفی۔ اور اس کے علاوہ یہ بھی مرقوم ہے کہ ہر ایک امام اپنے اپنے مقلد کے واسطے شفاعت کرے گا اور اپنے مقلد کی نسبت خوشی کا اظہار کرکے اس کو نجات دلائے گا۔ اور منکر بے ادب پر اللہ تعالیٰ کا قہر وغضب نازل ہوگا۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان ائمة الفقهاء والصوفیه کلم یشفعون مقلد یهم ویلاحظون احد هم عند طلوع روحه وعند سوال منکر ونکیر له وعندالنشر والحشر والحساب والمیزان والصراط ولا یغفلون فی موقف من المواقف (میزان ج اوّل ص ۵۰)

یعنی ائمہ فقہاء اور صوفیہ تمام کے تمام اپنے مقلدین کی شفاعت کریں گے اور ان میں سے ہر ایک روح کے نکلنے اور منکر نکیر کے سوال کے وقت اور حشر ونشر اور حساب ومیزان اور صراط کے وقت اپنے مقلدین کو ملاحظہ فرمائیں گے اور کسی مقام پر بھی غافل نہیں ہوں گے۔

امام شعرانی شیخ ناصر الدین لقانی کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔
جب صوفیاء عظام کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے متبعین و مریدین کو جمیع احوال و شدائد میں دنیا و آخرت میں ملاحظہ فرماتے ہیں تو ائمہ مذاہب کا کیا حال ہوگا جو دین کے ارکان اور زمین کے اوتاد ہیں۔

امام مسعر بن کدام وابو یوسف اور امام شعرانی کے اقوال سے آیہ کریمہ کے معنی کو تقویت حاصل ہے غرضیکہ ہر انسان کو مجتہدین کی تقلید کرنے لازم ہے کہ راہ حق پر چلے۔ باقی ایک سوال یہ بھی ہے کہ آیت مذکورہ میں یہ حکم نہیں کہ حنفی یا شافعی بن جاؤ بلکہ ایک خبر ہے کہ قیامت کے دن اماموں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ اس سے وجوب کہاں نکل آیا۔

جواباً گذارش ہے کہ گویہ خبر ہے مگر خبر بمعنی امر و نہی بھی ہوتی ہے کیونکہ اخبار امم سابقہ اور احوال انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے غرض صرف یہی ہوتی ہے کہ لوگ ان اخبار کو سن کر منہیات سے باز رہیں اور اُمور معروفہ میں مصروف رہیں۔ اسی طرح یہاں بھی مقصود یہی ہے کہ قیامت کو اپنے اپنے امام کے نام سے بلائے جائیں گے۔

خبردار و ہوشیار! کہ کسی غیر مذہب و بددین اور غیر طریقت کو اپنا امام نہ بنائیں۔ کسی فاسق و فاجر، ملحد و بدعتی کو اپنا امام بنالینا تا کہ قیامت کے دن وہ روسیاہ اور رسوا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ اخذ دین کیلئے بڑی سخت احتیاط کا حکم ہے۔

مسلم شریف میں ہے۔

عن ابن سیرین قال ان هذاالعلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم

یعنی جس سے علم حاصل کرنے کا ارادہ کرو تو اول اس کو دیکھ لو آیا وہ قابل امامت واقتداء واتباع ہے یا نہیں۔ اور اس حدیث مبارکہ میں بقول (الکنایۃ ابلغ من الصریح) اس بات کی طرف ایک ترغیب ہے کہ امام ایسا شخص بنایا جائے جو متقی اور راجع الی اللہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (واتبع سبیل من اناب الی) یعنی اس شخص

کی اتباع کرو جو راجع الی اللہ ہے۔

جب کسی متقی و صالح کو امام بنایا جائے تو امام بنانے سے اس کی متابعت مطلوب ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ (انما جعل الامام لیوتم بہ) رواہ مسلم، یعنی امام اسی لئے ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہم کسی نائب اور منیب الی اللہ کو اپنا امام بنائیں اور اس کی اتباع کریں تا کہ ہم کو کل قیامت کے دن سرخروئی حاصل ہو کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔

(یوم ندعوا کل اناس بامامهم) ہر آدمی اپنے امام کے ساتھ بلایا جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے امام کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا پس جس کسی کا امام عالم مجتہد، متورع و متقی ہوگا وہ اپنے تابع اور مقلد کی شفاعت کرے گا اور یہی اوصاف ائمہ مذاہب رضی اللہ عنہم میں بطریق اکمل واتم موجود ہیں اور یہی بزرگوار باتفاقِ امت مرحومہ منیب الی اللہ ہیں لہٰذا ان کی متابعت ہم پر واجب ہے۔

آخر میں ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ کی مفصل و نفیس تصریح پیش خدمت ہے۔

وأوفى هذه الا قوال عندنا بالصواب قول من قال معنى ذالك يوم ندعوا كل اناس بامامهم الذين كانوا يقتدون به ويأتمون به في الدنيا لأن الاغلب من استعمال العرب الا مام فيما ائتم واقتدى به وتوجيه معانى كلام الله الى الأشهر اولىٰ مالم تثبت حجة بخلافه يجب التسليم لها (تفسیر طبری ج ۸ ص ۸۶)

ہمارے نزدیک ان اقوال میں سے وہ قول درست ہے جو اس آیۂ کریمہ (یوم ندعوا کل اناس بامامهم) کے معنی میں یہ کہتا ہے کہ دنیا میں وہ جس کی اطاعت واقتداء کرتے تھے ان کے ساتھ پکارے جائیں گے کیونکہ عرب کے استعمال میں امام اغلباً امام اُس کے لئے بولا جاتا ہے جس کی اطاعت واقتدا کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے معانی زیادہ مشہور قول کی طرف توجیہہ ہی اولیٰ ہے جب تک اس کے خلاف حجت ثابت نہ ہو اور اگر حجت اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو اس حجت کو تسلیم کرنا ہی

اولیٰ ہے۔

صاحب تفسیر طبری نے (کل اناس بامامھم) کے جملہ معانی میں سے امام یعنی مقتدا ومطاع ہی کو ترجیح دی ہے۔لوگ جس امام کی دنیا میں اقتداء واطاعت کرتے تھے۔ اور امام وہ ہے جو عالم مجتہد، متورع اور متقی ہو۔ یہ تمام اوصاف بطریق اتم واکمل ائمہ مذاہب اربعہ میں پائے جاتے ہیں۔

لہٰذا ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اطاعت واتباع کرنے والے بحکم خدا قیامت کے دن ان ہی کے نام سے پکارے جائیں گے اور وہ اپنے مقلدین ومتبعین کی شفاعت کریں گے۔

دلیل دوم: **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون**

اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔

آئمہ مفسرین کرام اس آیۃ مقدسہ کے ماتحت جو لکھتے ہیں وہ اقوال آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

صاحب تفسیر درمنثور فرماتے ہیں:

اخرج ابن ابی حاتم عن سعید بن جبیر فی قولہ فاسئلوا اھل الذکر قال نُزلت فی عبداللہ بن سلام ونفرمن اھل التوراۃ کانوا اھل کتب یقول فاسئلوھم ان کنتم لاتعلمون ان الرجل لیصلی ویوم ویحج ویعتمر وانہ لمنافق قیل یارسول اللہ بماذا دخل علیہ النفاق قال یطعن علی امامہ وامامہ من قال اللہ فی کتابہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون

(تفسیر درمنثور ج۴ ص۱۱۹)

ابن ابی حاتم نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تخریج فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے قول (**فاسئلوا اھل الذکر**) کے متعلق آپ نے فرمایا یہ آیۂ کریمہ عبداللہ بن سلام اور ایک جماعت اہل تورات میں سے جو اہل کتاب ہیں نازل ہوئی۔ فرماتے ہیں اہل

ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔ بے شک آدمی البتہ نماز پڑھتا ہے اور روزہ رکھتا ہے اور حج کرتا ہے اور عمرہ کرتا ہے۔ حالانکہ وہ منافق ہوتا ہے۔ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی پر نفاق کیسے داخل ہوا۔ فرمایا آدمی کا اپنے امام پر طعن کرنے کی وجہ سے اور اس کا امام وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔ معلوم ہوا اہل ذکر سے تمام افراد مراد نہیں بلکہ فرد کامل مراد ہے کیونکہ سوال کا سبب تکمیل دین ہے اور تکمیل دین کیلئے ہر کس و ناکس سے سوال نہیں کیا جاتا بلکہ کسی فرد کامل سے سوال کرنا مراد ہے جس سے تکمیل دین ہو سکے۔ لہٰذا فرد کامل ائمہ مذاہب ہیں جنہوں نے تمام مسائل فرعیہ شرعیہ کو کتاب و سنت اور اجماع سنت سے استخراج کر کے ہمارے دین کی تکمیل فرمائی ورنہ ہم فروعی مسائل میں بھٹکے ہوئے ہوتے اگر یہ فرد کامل ہمارے رہنمائی نہ فرماتے۔ معلوم ہوا (فاسئلوا اھل الذکر) میں اہل ذکر سے مراد ائمہ مذاہب ہیں اور مقلدین سے سائلین۔

صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں۔

قیل الذکر بمعنی العلم فی قولہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر یعنی اھل العلم (تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ کے فرمان (فاسئلوا اھل الذکر) میں ذکر بمعنی علم ہے یعنی اہلِ علم سے سوال کرو۔

صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں۔

المسئلۃ الاولی: **فی المراد باھل الذکر وجوہ (ونقلت منھا الثانی والرابع)**

(الثانی) **قال الزجاج فاسئلوا اھل الکتب الذین یعرفون معانی کتب اللہ تعالیٰ**

(والرابع) **قال الزجاج معناہ سلوا کل من یذکر بعلم وتحقیق**

(تفسیر کبیر جز ۲۰ ص ۳۶)

پہلا مسئلہ: اہل ذکر سے کون مراد ہیں اور ان کی وجوہ (بندہ ناچیز عرض کرتا ہے میں نے ان وجوہ میں سے فقط دو وجہیں نقل کی ہیں اگر تمام وجوہ مطلوب ہوں تو اصل کتاب کی طرف رجوع فرمائیں)

وجہ ثانی: زجاج کا قول ہے (فاسئلوا اهل الذكر) میں اہل ذکر سے مراد اہل کتاب ہیں یعنی اہل کتاب سے سوال کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتب کے معانی کی معرفت رکھنے والے ہیں۔

وجہ چہارم: زجاج کا ہی قول ہے۔ (فاسئلوا اهل الذكر) کا معنی ہے جو شخص تحقیق وعلم کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے اس سے سوال کرو۔

فخر الدین رازی علیہ رحمۃ نے جو یہ دو وجوہ بیان فرمائی ہیں ان کو ذرا بنظر غور مطالعہ فرمائیں اول اہل ذکر وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل جملہ کتب کے معانی کی معرفت رکھنے والے ہوں۔ دوم جس کو لوگ علم وتحقیق کے ساتھ یاد کرتے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اہلِ علم ہیں۔ یوں کتاب اللہ کے معانی کی معرفت رکھنے والے اور کتاب وسنت واجماع سے مسائل فرعیہ شرعیہ اجتہادیہ استخراج کرنے والے ہیں۔ معلوم ہوا اہل ذکر اہلِ علم ہیں اور اہلِ علم بھی وہ جو فرد کامل ہیں۔ یعنی ائمہ مجتہدین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ لہٰذا ان سے سوال ان کی تقلید ہے اور یہ آیۂ کریمہ وجوب تقلید پر دلیل ہے۔

امام فخر الدین رازی دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

فاما تعلق كثير من الفقهاء بهذه الاية فى ان للعامى ان يرجع الى فتيا العلماء (تفسیر کبیر جز ۲۲ ص ۱۴۴)

فقہاء میں سے اکثر اس آیۂ مقدسہ کے ساتھ اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ عامی کو چاہیئے کہ وہ علماء کے فتاویٰ کی طرف رجوع کرے۔

اور یہ بھی آپ کو اس سے قبل معلوم ہو چکا کہ ان عبارات میں عامی سے مراد غیر مجتہد ہیں۔ معلوم ہوا غیر مجتہد کو سوال کرتے وقت مجتہد کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ لہٰذا ائمہ مجتہدین کی تقلید اس آیۂ کریمہ سے ثابت ہوئی۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں۔

وفی الایة دلیل علی وجوب المراجعة الی العلماء للجهال فیما لایعلمون و ان الاخبار مفیدة للعلم ان کان المخبر ثقة یعتمد علیه . (تفسیر مظہری ج ۵ ص ۳۴۲)

اس آیۂ کریمہ میں جاہلوں کیلئے علماء کی طرف رجوع کرنے کے وجوب پر دلیل ہے۔ ان مسائل میں جو جاہل نہیں جانتے۔ اور بے شک اخبار علم کیلئے مفید ہیں اگر خبر دینے والا ثقہ اور قابل اعتماد ہو۔

معلوم ہوا مراجعت الی العلماء جاہلوں کیلئے واجب ہے اور مسائل میں ائمہ مذاہب کی طرف ہمارا رجوع کرنا عین تقلید ہے جو واجب ہے اور اس آیۂ کریمہ سے ثابت ہے۔ اور علماء سے مراد وہ ہیں جو جملہ مسائل فروعیہ کے جزئیات پر دسترس رکھتے ہوں اور یہ استعداد صرف ائمہ مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ لہٰذا مسائل میں ائمہ مذاہب کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور اس کا نام تقلید ہے۔

صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں۔

واستدل بها ایضا علی وجوب المراجعة للعلماء فیما لایعلم وفی الاکلیل للجلال السیوطی انه استدل بها علی جواز تقلید العامی فی الفروع .

ویؤید ذالك مانقل عن الجلال المحلی انه یلزم غیر المجتهد عامیا کان او غیره التقلید للمجتهد لقوله تعالیٰ (فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون)

(تفسیر روح المعانی جز ۱۵ ص ۱۴۸)

علامہ سید محمود آلوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں علماء کرام نے اس آیۂ کریمہ سے ایک دلیل یہ اخذ کی ہے کہ علماء کو جن مسائل کا علم نہیں۔ ان مسائل سے رجوع کرنا واجب ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی (الاکلیل) میں ہے کہ حضرت علامہ سیوطی نے عامی کیلئے فروع میں جواز تقلید پر اس آیۂ کریمہ سے استدلال فرمایا ہے اور اس کا مزید وہ قول ہے جس کو علامہ جلال الدین محلی علیہ الرحمہ نے نقل فرمایا۔ غیر مجتہد عامی ہو یا غیر عامی، مجتہد کی تقلید لازمی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔ معلوم ہوا یہ آیۂ کریمہ جواز تقلید پر قوی دلیل ہے۔

صاحب تفسیر قرطبی فرماتے ہیں۔

مسئلہ: لم یختلف العلماء ان العامة علیها تقلید علمائهم وانهم المراد بقول الله عزوجل (فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون) وکذالك لم یختلف العلماء ان العامة لایجوز لها الفتیا، لجهلها بالمعانی التی منها یجوزا التحلیل والتحریم ۔

(تفسیر قرطبی جلد ۶ جز ۱۱ص ۱۸۱)

عام لوگوں پر علماء کی تقلید میں علماء کا اختلاف نہیں، ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ عز اسمہ کے قول (فاسئلوا اهل الذکر) سے یہی مراد ہے اور اس طرح اس بات میں بھی اختلاف نہیں کہ عام لوگوں کا فتویٰ دینا ناجائز ہے کیونکہ عامۃ الناس ان معانی کو نہیں جانتے جن سے تحلیل وتحریم جائز ہوسکتی ہے۔

معلوم ہوا عامی کا علماء کی تقلید میں کوئی اختلاف نہیں اور عامی سے مراد غیر مجتہد ہے۔ جیسا کہ جلال الدین محلی نے فرمایا غیر مجتہد عامی ہو یا غیر عامی، مجتہد کی تقلید لازمی ہے۔

وفی التاویلات الامام ابی منصور الماتریدی فی بیان قوله (فاسئلوا اهل الذکر) هذا الامر بالسوال ای سلوا اهل الذکر وقلد وهم ای ان کان لابد من تقلید فقلّدوا اهل الذکر واسئلو عنهم لانعم لایعلمون ۔

امام ابومنصور ماتریدی کی تاویلات میں اللہ تعالیٰ کے قول (فاسئلوا اهل

الذکر) کے بیان میں ہے یہ امر سوال کرنے کا ہے یعنی اہل ذکر سے سوال کرو اور ان کی تقلید کرو یعنی اگر بغیر تقلید کے کوئی چارہ کار نہیں۔ پس انہوں نے اہل ذکر کی تقلید کی اور ان سے سوال کیا اس لئے کہ وہ علم نہیں رکھتے تھے۔

واخرج ابن مردویة عن انس رضی اللہ عنه سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه سلم یقول ان الرجل یصلی ویصوم ویحج یعتمر ویغزو انه لمنافق قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بماذا دخل علیه النفاق قال لطعنهٖ علی امامه وامامه من قال اللہ فی کتابه فاسئلوا اهل الذکر .

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے بے شک آدمی نماز پڑھے گا، روزہ رکھے گا، حج اور عمرہ کرے گا اور جنگ بھی کرے گا۔ حال یہ ہے کہ وہ منافق ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی پر نفاق کس سبب سے داخل ہوا۔ فرمایا اپنے امام پر طعن کرنے کے سبب سے اور اس کا امام وہ ہے (جس کے متعلق) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا جس چیز کا تم کو علم نہیں اس کا اہلِ علم سے سوال کرو۔ معلوم ہوا امام پر طعن کرنے والا منافق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ اہل نار کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا (**قالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر**) یعنی دوزخی کہیں گے کاش کہ ہم کسی بات کو سنتے ہوئے یا خود ہی عقل وسمجھ رکھتے ہوتے تو دوزخیوں سے نہ ہوتے۔

ان دو آیتوں میں دو شخصوں کا ذکر ہے ایک عاقل وعالم کا اور ایک سائل وسامع کا یعنی انسان دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو جاہل ہے یا عالم۔ اگر جاہل ہے تو اس پر عالم سے سوال کرنا فرض ہے اور عالم سے سن کر عمل کرنا ہے۔ اور اگر عالم ہے تو اس کو اتباع علم فرض ہے مگر اس جگہ اہل ذکر مطلق ہے جس سے مراد فرد کامل یعنی ائمہ مجتہدین ہیں۔ کیونکہ ایسے ذو علم شخص سے سوال کرنا مفید ہے جن سے تمام مسائل شرعیہ وعقلیہ، عرفیہ

واجتہادیہ کا جواب مل سکے اور اس طرح کا ذوعلم بجز ائمہ مجتہدین کے نہیں ہوسکتا۔ اور جب ائمہ مجتہدین اہل ذکر ہوئے تو سائل کو جو کہ غیر اہل ذکر ہے کو سوال کرنے کے بعد سوائے اطاعت مجتہدین کوئی چارہ کار نہیں اور اگر کسی مسئلہ کو جانتے ہوئے سوال کرے گا تو تحصیل لاحاصل ہے اور تجاہل (یعنی جان بوجھ کر جاہل بننا) سے کچھ فائدہ نہیں۔ اور اگر جواب سن کر تردید واعتراض کرے گا تو یہ مجادلہ ومکابرہ کا اظہار کرنا ہے اور یہ آیۃ قرانی اور حدیث رسول اللہ علیہ وسلم کی وعید میں داخل وشامل ہے۔ اور آیت وحدیث یہ ہے۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ماضل قوم بعد هدی كانوا عليه الا أوتوا الجدل ثم قرا ماضربوه لك الاجدلاهم قول خصمون رواه الترمذی وابن ماجه ۔

یعنی یہ لوگ جھگڑالو ہیں اور سوائے مجادلہ ومکابرہ کے ان کا اور کوئی مقصد نہیں۔

اور اگر انکار کرے گا تو بمصداق آیہ مقدسہ (**وقالوا لوكنا نسمع اونعقل**) جہنم کا ایندھن ہوگا کیونکہ لفظ سمع وسماعت سے مراد وہ فعل ہے جو سائل کا حق ہے اور غیر عالم کا کام ہے اور سوال کئے جانے کے بعد عالم کا حق ہے کہ جس قسم کا مسئلہ ہو اس وقت اس کو جواب باصواب سے خوش کرے اور اگر سرسری علم پڑھ کر یا کسی آیت مبارکہ یا حدیث مقدسہ کا ٹکڑا یاد کر کے مفتی وقاضی ومجتہد بننے کا شوق ہو اور ائمہ مجتہدین وفقہاء ومحدثین کی ہمسری مقصود ہو تو یہ اور بات ہے۔ مگر اس کا حکم شرع میں قبول نہیں کیونکہ قاضی ومفتی وہی شخص ہوسکتا ہے جو جامع علوم عقلیہ ونقلیہ ہو۔ جیسا کہ ایک حدیث میں جو جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے۔

عن جابر رضی الله عنه قال خرجنافی سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجه فی راسه فاحتلم قال لا صحابه هل تجدون لی رخصة فی التيمم قالوا مانجدلك رخصة وانت تقدر علی الماء

فاغتسل فمات فلما قدمنا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرنا بذالك قال قتلوہ قتلهم اللہ الاسئلوا اذالم یعلموا فانما شفاء العی السوال ۔

(مشکوٰۃ شریف، کتاب الطہارت، باب التیمم ۔فصل ثانی)

یعنی ایک صحابی کو ایک سفر میں زخم سر پہنچا اور اس کو اتفاقاً احتلام ہوگیا۔ اس نے صحابہ سے کہا کہ کیا مجھے تیمّم کی رخصت ہے۔ صحابہ نے کہا ہمیں تیمّم کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ تم پانی پر قادر ہو۔ اس نے صحابہ کے فتویٰ پر غسل کیا اور اس کیلئے پانی مضر تھا اور وہ فوت ہو گیا۔ جب ہم واپس آئے تو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی آپ نے غصہ میں آ کر بددعا فرمائی۔ انہوں نے اس کو قتل کیا خدا ان کو قتل کرے، کیونکہ انہوں نے علماء سے سوال نہیں کیا ایسے وقت کہ وہ اس حکم کو نہیں جانتے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ جاہل کے حق میں فتویٰ ایسا ہے جیسے مجتہد کے حق میں اجتہاد اور ابن سیرین کا قول کہ علم ہی دین ہے دیکھ لو جس سے حاصل کرنا ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حق میں کہ مجھ سے سوال نہ کرو جب تک ابن مسعود تم میں ہیں۔ ان جملہ آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر کوئی قابل فتویٰ نہیں اور اگر کوئی فتویٰ دے بھی تو وہ خطا کار اور معتوب ہے اور وہ فتویٰ لائق قبول نہیں بلکہ جو شخص اہلِ علم سے اعلم واحکم واحلم واَروع اور افقہ ہو، وہ شخص فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے کے قابل ہے اور اس کا حکم واجب الاتباع ہے۔

وہ شخص بجز ائمہ مجتہدین کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ دیکھیں بعض صحابہ کرام باوجودیکہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف تھے اور بار بار احکام واحادیث سماعت فرماتے رہتے تھے اور ہر طرح کے عامل وصالح وعالم تھے مگر اجتہاد کے مرتبہ پر فائز نہ تھے۔ لہٰذا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کے مستحق ہوگئے اور جو لوگ درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو فتویٰ دینے کے مستحق گردانے گئے۔

جیسے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پس جبکہ صحابہ کرام اس قدر مصاحب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر بھی مفتی و مجتہد نہ بن سکے تو آج کل کے کم علم جو چند احادیث یاد کر کے مجتہد و محقق بن کے مجتہدین کی غلطیاں نکالتے ہیں کیسے لائق اقتداء اور قابل اتباع ہو سکتے ہیں۔

بلکہ ان کے مسائل جو اپنے اجتہاد سے قران حکیم سے مستخرج ہیں اگرچہ بنظر ظاہر اچھے ہوں، سراسر گمراہی اور خطائے فاحش ہے۔ چنانچہ ان احادیث میں صراحتاً ذکر ہے۔

(۱) عن جندب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برایه فاصابه فقد اخطا (رواہ الترمذی وابوداؤد)

(۲) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برایه فلیتبوا مقعده من النار و فی روایة من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعده من النار، رواہ الترمذی وقال علیه السلام من فسر القرآن برایه الی آخر الحدیث رواہ ابوداؤد

ان تمام احادیث کا ترجمہ یہ ہے کہ جس آدمی نے اپنی رائے اور عقل وقیاس سے قرآن (کے معانی بیان کئے) اگرچہ وہ اس میں صائب بھی ہو تو پھر بھی خطاکار ہے۔ یا جس نے بغیر علم کے بیان کیا یا جس شخص نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی اسے چاہیے اپنا ٹھکانا جہنم سمجھے۔

علامہ ملا علی قاری حدیث جندب من عبداللہ بن سفیان بجلی کے ماتحت لکھتے ہیں۔

یعنی (جس نے قرآن میں کہا) یعنی ان کے لفظوں میں یا معنی میں (اپنی رائے سے) یعنی محض اپنی عقل کے ساتھ (درست پالیا) اگرچہ اتفاقاً درست کو پہنچا (تحقیق اُس نے خطا کی۔ یعنی اگر اس میں شرائط اجتہاد نہیں پائی گئیں اور اس کا ظن و قیاس درست ثابت ہوا پھر بھی وہ مخطی ہے کیونکہ اس میں شرائط تفسیر مکمل نہیں۔ اسبابِ تفسیر

پندرہ ہیں۔ لغت، نحو، صرف، اشتقاق، معانی ، بیان، بدیع، قرأت اصلین، اسباب النزول، قصص، ناسخ، منسوخ، فقہ، احادیث، جو مجمل و مبہم تفسیر کی مبینہ ہوں۔

اور اس کے ساتھ علم وھبی وغیرہا۔ اور قرآن حکیم کی تفسیر کیلئے کتنے علوم کی ضرورت ہے اس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ اور حدیث ابن عباس کے ماتحت فرماتے ہیں۔

(من قال) اے من تکلم (فی القرآن) اے فی معناہ او قرأتہ (برایہ) اے من تلقاء نفسہ من غیر تتبع اقوال الائمۃ من اھل اللغۃ العربیۃ المطابقۃ للقواعد الشرعیۃ بل بحسب ما یقتضیہ عقلہ وھو مما یتوقف علی النقل بانہ لامجال للعقل فیہ

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج اوّل ص ۲۹۱)

جس نے کلام کیا (قرآن میں) یعنی اس کے معنی اور قرأت میں (اپنی رائے کے ساتھ) یعنی اپنی طرف سے بلاتتبع اقوال ائمہ اہل لغت عربیہ جو قواعد شرعیہ کے مطابق نہیں یعنی اس آدمی نے ان ائمہ کے اقوال کی تلاش نہیں کی جو اہل لغت عربیہ سے متعلق رکھتے ہیں اور قواعد شرعیہ کے مطابق ہیں بلکہ بحسب عقل جس طرح عقل نے چاہا اس کا معنی کر دیا اپنی رائے سے تفسیر کرنے والے سے مراد ایسا ہی شخص ہے حالانکہ قرآن معظم وہ کتاب ہے جس کا سمجھنا نقل پر موقوف ہے نہ کہ عقل پر اس لئے کہ عقل کو اس میں مجال نہیں۔

یعنی جو شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرے یا قرآن کے معانی اپنی طرف سے بیان کرے اگر چہ وہ درست سمت کو پہنچ گیا مگر وہ خطا کار ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے لہذا بغیر اتفاق ائمہ اہل لغت اور محققین و مجتہدین کے کلام الٰہی کا معنی کرنا ممنوع ہے۔

اس لئے کہ فقہاء و مجتہدین علوم عقلیہ اور نقلیہ کے جامع ہیں بخلاف گروہ محدثین کے کہ وہ محض ناقل و سامع حدیث ہیں اور فقہا و مجتہدین کا رتبہ محدثین سے افضل و اعلیٰ ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے (قال علیہ السلام من یرد اللہ خیرًا

یفقهه فی الدین، رواه البخاری) یعنی جس کو خدا بھلائی عطا کرنا چاہتا ہے اس کو دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ آیۃ مقدسہ (فاسئلوا اهل الذکر) کے مطابق جب سائل کسی اختلافی مسئلہ کے متعلق سوال کرے گا تو لامحالہ فرداً فرداً جواب حاصل کرنے کی وجہ سے اس کی طبیعت میں بوجہ جوابات مختلفہ اضطراب وبیقراری پیدا ہوگی اور اس کے اضطرار وتذبذب کے دفع کرنے کے دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو خود قوت اجتہادیہ اور ملکہ فقیہ کو استعمال کرتے ہوئے تحقیق کرے گا۔ یا کسی ایک مجتہد کا مقلد ہوگا اس کے علاوہ ایک طریقہ ملحدانہ ہے وہ یہ کہ کبھی ایک کو حلال اور پھر اس کو حرام کہے گا۔

لہٰذا اہل ایمان کیلئے لازمی وضروری ہے کہ ایک ہی شخص کا مقلد رہے تاکہ تذبذب ونفاق سے محفوظ رہ کر اطمینان قلبی اور تسکین روحی حاصل کرے۔ شریعت نے حکم دیا ہے کہ طالب ایک ہی مذہب اختیار کرے تاکہ راہ حق اس کے قریب ہو۔ جب کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے (انصاف) میں فرمایا، دوصدیوں کے بعد ایک مذہب اختیار کرنا واجب ہوگیا تھا۔ امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی اور بعد ازاں ائمہ ثلاثہ کی تعلیم وتحقیق کی اشاعت ہوئی اور دوصد برس تک وہ مشتہر ہوگئی۔ بعد ازاں علماء کا ایک مذہب پر اتفاق ہوگیا اور جملہ اہل ایمان نے عملاً، قولاً، فعلاً تقلید شخصی کو تسلیم کرلیا اور جواب اس تقلید شخصی کو شرک سے تعبیر کرتا ہے گویا کہ اس نے جملہ اہل ایمان کو مشرک قرار دیا (نعوذ بالله من ذالك) بلکہ امام ربانی علیہ الرحمہ نے تقلید سے اعراض کرنے والے کو ملحد یعنی بے دین ہونے کا لقب دیا ہے۔ اپنے رسالہ مبدأ ومعاد میں فرماتے ہیں۔

آخر الأمر الله تعالیٰ ببرکت رعایت مذهب که نقل از مذهب الحاداست حقیقت مذهب حنفی درترك قراة ماموم ظاهر ساخت

فرماتے ہیں آخرکار اللہ تعالیٰ نے مذہب کی رعایت کی برکت سے کہ مذہب سے نقل، الحاد ہے۔ مقتدی کا امام کے پیچھے عدم قرأت میں حقیقت مذہب حنفی کو ظاہر فرمایا۔

معلوم ہوا تقلید سے گریز کرنے والا ملحد ہے اور ایک امام کی تقلید جملہ اہل ایمان پر واجب ہے۔

اس آیہ کریمہ یعنی (فاسئلوا اھل الذکر) میں تین امور غور طلب ہیں۔(اول) سوال کرنا،(دوم) سوال اہل ذکر سے کرنا، نہ کہ ہرکس وناکس سے (سوم) جہالت اور ناجاننے کے وقت سوال کرنا۔لہٰذا جس کسی کو قرآن وحدیث سے مسئلہ نہ ملے اس پر لازم ہے کہ اپنے مجتہد مذہب سے سوال کرے اور اگر سوال کرنے کے بعد عمل کیا تو مقلد ثابت ہو گیا اور اگر سوال نہ کیا یا مجتہد کے قول پر عمل نہ کیا بلکہ انکار کر دیا یا غیر مقلد ہو گیا۔ باقی یہ کہ اہل ذکر سے مراد کون ہیں یہ تمام بیان اس سے قبل بحوالہ کتب تفاسیر مذکور چکا کہ اہل ذکر سے مراد ائمہ مجتہدین ہیں۔

معلوم ہوا احکام شرع شریف، فقیہ کامل اور مجتہد مذہب سے پوچھنا چاہئیں نہ کہ اہلِ حدیث واھل تفسیر سے بموجب (کل میسر لما خلق له) یعنی ہر کسی کو اس کام کیلئے پیدا کیا ہے جو وہ کر سکتا ہے۔ اہلِ حدیث کو تصحیح احادیث اور رواۃ کی تنقید کیلئے بنایا گیا ہے۔اور وہ اپنے کام میں بفضلہ تعالیٰ کامیاب وکامران رہے ہیں اور اہل تفسیر کو قرآن حکیم کے معانی بیان کرنے کے واسطے اور وہ بھی اپنے اس وظیفہ میں بکمال جدوجہد اپنے مقصد ومطلوب میں کامیاب رہے ہیں۔اور فقہاء وعظام کو قرآن وحدیث سے استخراج احکام کیلئے۔اور وہ حضرات ہیں جنہوں نے احکام شریعت کو مرتبہٴ استخراج کے آخری نقطہ تک پہنچا دیا۔اور اپنے وفور علم اور خداداد فتویٰ کے سبب ہمارے لئے راہ کو آسان کر دیا ہے۔

اسی وجہ سے تمام امت نے شرقاً،غرباً، شمالاً جنوباً دل وجان کے ساتھ ان بزرگوں کی تقلید کو پسند فرمایا،اور ان مقتدایان دین کی اطاعت کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھا۔ اور علماء وفضلاء وصلحاء واتقیا، اولیاء، واقطاب، واوتاد اور راہ حق کے جملہ طالبان اور عاشقان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو میدان شریعت کے ان شاہسواروں کے کلیۃً سپرد کر دیا۔ جب محدثین ومفسرین اور مجتہدین کے اقوال مفردات

باہم مل جائیں تو یہ ایک معجون بن جاتی ہے اور اس معجون کا نام ہے۔ شریعت محمدیہ۔ اور ہم کم علموں کو ان امامانِ دین کی اقتداء واجب ہے اور راہ نجات بھی یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دلیل سوم: **قولهٗ تعالیٰ یایها الذین اٰمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الأمر منکم الی آخر الایة**

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

وقوله تعالیٰ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الأمر منهم لعلمه الذین یستنبطو نه منهم الی آخر الایة

اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع کرتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے۔ (کنز الایمان)

سب سے پہلے ان دو آیات مقدسہ میں اولی الأمر کا معنی علماء ومفسرین کی زبانی سماعت فرمائیں اس کے بعد اس کی توضیح وتشریح پیش کی جائے گی۔

صاحب تفسیر طبری فرماتے ہیں:

حدثنی سفیان بن وکیع قال حدثنی ابی عن علی بن صالح عن عبدالله بن محمد بن عقیل عن جابر بن عبدالله قال حدثنا جابر بن نوح عن الاعمش عن المجاهد فی قوله اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الأمر منکم قال اولی الفقه منکم .

امام مجاہد نے (اولی الأمر منکم) کا معنی یہ کیا ہے تم میں سے صاحب فقہ یعنی ائمہ مجتہدین۔

حدثنا ابو کریب قال حدثنا ابن ادریس قال أخبرنا لیث عن مجاهد فی قوله اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الأمر منکم قال اولیٰ الفقه والعلم .

یعنی اولی الامر سے مراد صاحب علم وفقہ ہیں۔

حدثنی محمد بن عمرو قال حدثنا ابو عاصم عن عیسی عن ابن ابی نجیح واولی الأمر منکم قال اولی الفقه فی الدین والعقل .

ابن ابی نجیح کا قول ہے (اولی الأمر منکم) سے مراد ہے دین اور عقل میں صاحب فقہ۔

حدثنی المثنی قال حدثنا ابو حذیفة قال حدثنا شبل عن ابن ابی نجیح عن مجاهد مثله ابن ابی نجیح حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ (اولی الأمر منکم) سے دین اور عقل میں صاحب فقہ مراد ہیں۔

حدثنی المثنی قال حدثنا عبدالله بن صالح قال حدثنی معاویة بن صالح عن علی بن ابی طلحة عن ابن عباس واولی الأمر منکم یعنی اهل الفقه والدین

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول (اولی الأمر منکم) یعنی صاحب فقہ اور دین۔

حدثنی احمد بن حازم قال حدثنا ابونعیم قال حدثنا سفیان عن حصین عن مجاهد واولی الأمر منکم قال اهل العلم .

امام مجاہد کا قول (اولی الأمر منکم) یعنی اہلِ علم۔

حدثنی یعقوب بن ابراهیم قال حدثنا هشیم قال اخبرنا عبدالمالك عن عطاء بن السائب فی قوله واولی الأمر منکم قال اولی العلم والفقه .

عطاء بن سائب کا قول (اولی الامر منکم) سے مراد اہلِ علم وفقہ ہیں۔

حدثنی المثنی قال ثنا عمرو بن عون قال ثنا هشیم عن عبدالمالك عن عطاء واولی الأمر منکم قال الفقهاء والعلماء

عطاء بن سائب فرماتے ہیں (اولی الأمر منکم) سے فقہاء وعلماء مراد ہیں۔

حدثنا الحسن بن یحییٰ قال اخبرنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن الحسن فی قوله واولی الأمر منکم قال هم العلماء قال واخبرنا عبدالرزاق عن الثوری عن ابن ابی نجیح عن مجاهد قوله واولی الأمر منکم قال علم اهل الفقه والعلم۔

امام حسن کا قول کہ (اولی الأمر منکم) سے علماء مراد ہیں اور امام مجاہد کا قول ہے کہ اس سے اہل فقہ وعلم مراد ہیں۔

حدثنی المثنی قال حدثنا اسحٰق قال ثنا ابن ابی جعفر عن ابیه عن الربیع عن ابی العالیة فی قوله واولی الأمر منکم قال هم اهل العلم الاتری انه یقول ولوردوه الی الرسول والیٰ اولی الأمر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم۔

(تفسیر طبری ج ۴ جز ۶ ص ۹۴، ۱۱۵)

حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں (اولی الأمر منکم) سے اہلِ علم مراد ہے کیا تو نے نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (ولوردوه الی الرسول والیٰ اولی الأمر منکم الی آخر الایه) میں اولی الأمر سے مراد اہلِ علم ہیں۔ ابوالعالیہ کے قول سے ثابت ہوا کہ (اولی الأمر) دوسری آیۂ کریمہ میں پہلی آیۂ کریمہ (واولی الأمر منکم) کی تفسیر ہے۔

صاحب تفسیر طبری نے مختلف الاسناد احادیث تخریج فرما کر ثابت کیا ہے کہ اولی الأمر سے مراد اہل فقہ وعلم اور فقہاء وعلماء ہیں۔ آپ نے اس سے قبل اللہ تعالیٰ کے فرمان (فاسئلوا اهل الذکر) کے ماتحت سماعت فرمایا کہ اہلِ علم سے فرد کامل مراد ہے۔ لہٰذا (اولی الأمر) سے علماء وفقہاء میں سے فرد کامل ہی مراد ہے اور وہ بالاتفاق ائمہ مجتہدین ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہے اس طرح ائمہ مذاہب کی بھی اطاعت وتقلید واجب ہے۔

حدثنا بشر بن معاذ قال حدثنا یزید قال ثنا سعید عن قتادة

ولو ردوه الی الرسول والی اولی الأمر منهم یقول الی علمائهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم لعلمه الذین یفحصون ویهمّهم ذالك ۔ (تفسیر طبری ج ۴ جز ٦ ص ۱۱۵)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں (والی اولی الأمر منکم) سے مراد ہے اپنے علماء کی طرف رجوع کرنا جو استنباط واستخراج کا علم رکھتے ہیں اور اس کی حقیقت کو پہچانتے ہیں اور وہ ہیں تلاش وجستجو کرنے والے۔

معلوم ہوا (اولی الأمر) سے ائمہ مجتہدین ہی مراد ہیں جو مسائل فرعیہ شرعیہ کے استنباط واستخراج میں تلاش وجستجو کرتے ہیں یعنی جو کتاب وسنت اور اجماع سے نہایت تلاش وجستجو اور تحقیق کر کے مسائل کا استخراج کرتے ہیں اور یہ شان صرف ائمہ مجتہدین ہی کی ہے۔

صاحب تفسیر درمنثور فرماتے ہیں۔

اخرج ابن جریر وابن منذرو ابن ابی حاتم والحاکم عن ابن عباس فی قوله واولی الأمر منکم یعنی اهل الفقه والدین واهل طاعة الله الذین یعلمون الناس معانی دینهم ویامرونهم بالمعروف وینهونهم عن المنکر فاوجب الله طاعتهم علی العباد ۔

ابن جریر وابن منذر اور ابن ابی حاتم وامام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اللہ تعالیٰ کے قول (واولی الأمر منکم) میں تخریج فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (اولی الأمر) یعنی اہل فقہ ودین اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والے مراد ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو ان کے دین کے معانی سکھاتے ہیں اور لوگوں کو معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی اطاعت بندوں پر واجب کر دی ہے۔

علامہ سیوطی علیہ الرحمہ کی تصریح سے واضح ہوا کہ (اولی الأمر) ائمہ مجتہدین ہیں جن کی اطاعت وتقلید اللہ تعالیٰ نے بندوں پر واجب کر دی ہے۔

واخرج ابن ابی شیبه وعبد بن حمید والحکیم الترمذی فی نوادر الاصول وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والحاکم وصححه عن جابر بن عبدالله فی قوله واولی الأمر قال أولی الفقه واولی الخیر .

روایت ہے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا قول (واولی الأمر منکم) سے مراد صاحب فقہ وخیر ہیں امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

☆ اخرج ابن عدی فی الکامل عن ابن عباس فی قوله واولی الامر منکم قال أهل العلم

ابن عدی نے کامل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے فرمان (واولی الأمر منکم) کے متعلق فرماتے ہیں اس سے مراد اہلِ علم ہیں۔

وأخرج سعید بن منصور وعبد بن حمید و ابن جریر و ابن ابی حاتم عن مجاهد واولی الامر قال هم الفقها والعلماء .

امام مجاہد فرماتے ہیں فقہاء اور علماء ہی (اولی الأمر) ہیں

واخرج ابن ابی شیبة و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر عن مجاهد فی قوله واولی الامر قال اصحاب محمد اهل العلم والفقة وادین (تفسیر درمنثور ج دوم ص ۱۷۶)

مجاہد سے مروی ہے اللہ تعالیٰ کے قول (واولی الأمر) کے متعلق فرماتے ہیں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ علم وفقہ اور دین مراد ہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ مفسرین کی تخریج سے کالشمس الاظہر واضح فرمادیا کہ (اولی الأمر) سے مراد مجتہدین عظام ہیں۔

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں۔

واختلف العلماء فی اولی الأمر الذین أو جب الله ۻ عتهم بقوله واولی الأمر منکم یعنی اطیعوا اولی الأمر منکم قال ابن عباس وجابر بن عبدالله هم الفقهاء والعلماء الذین یعلمون الناس معالم دینهم وهو قول الحسن والضحاك ومجاهد .

(تفسیر خازن ج اوّل ص ۳۹۶)

(اولی ألامر) میں علماء کا اختلاف ہے اور (اولی الأمر) وہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے قول (واولی الأمر منکم) کے ساتھ اطاعت کو واجب قرار دیا ہے۔ یعنی اولی الأمر کی اطاعت کرو۔ ابن عباس اور جابر بن عبداللہ کا قول ہے کہ وہ فقہاء وعلماء ہیں۔ جو لوگوں کو معالم دین سکھاتے ہیں اور یہی قول ہے حسن اور ضحاک اور مجاہد کا۔

معلوم ہوا (اولی الأمر) سے مراد فقہاء وعلماء ہیں اور وہ ائمہ مجتہدین ہیں جن کی اطاعت وتقلید کو اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے۔

صاحب تفسیر بیضاوی فرماتے ہیں۔

وقیل علماء الشرع لقوله تعالیٰ ولو ردوه الی الرسول والی اولی الأمرمنهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم

(تفسیر بیضاوی ج اوّل ص ۲۲۶)

بعض کے نزدیک (اولی الأمر) سے مراد علماء شریعت ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ولو ردوه الی الرسول الی آخر الایه)

صاحب تفسیر بیضاوی نے تمام غبار صاف کر دیا اور فرمایا کہ (اولی الأمر) علماء شریعت ہیں اور بالاتفاق علماء، علماء، شریعت ائمہ مجتہدین ہیں۔ معلوم ہوا ائمہ مجتہدین کی تقلید واجب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہے۔

صاحب تفسیر قرطبی فرماتے ہیں۔

(اولی الأمر)اهل القرآن والعلم وهو اختيار مالك رحمة الله ونحوه قول الضحاك قال يعنى الفقهاء والعلماء فى الدين .

(وقال صاحب تفسير)قلت واصح هذه الاقوال الاول والثانی واما القول الثانی فيدل على صحته قوله تعالیٰ (فان تنازعتم فی شيئى فردوه الى الله و الى الرسول)فأمر تعالیٰ برد المتنازع فيه الى كتاب الله وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم وليس بغير العلماء معرفة كيفية الرد الى الكتاب والسنة ويدل على هذا صحة كون سوال العلماء واجبا وامتثال فتواهم لازما

(تفسیر قرطبی جز۵ص۱۶۸)

صاحب تفسیر قرطبی نے (اولی الأمر) کے پانچ معانی بیان فرماتے ہیں ان میں سے اول اور ثانی معنی یہ ہیں کہ (اولی الأمر) سے مراد اہل قرآن وعلم ہیں اور یہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

اس کی مثل امام ضحاک علیہ الرحمہ کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں اس سے مراد فقہاء وعلماء ہیں۔ صاحب تفسیر قرطبی فرماتے ہیں ان تمام اقوال میں سے صحیح ترین اول وثانی قول ہے۔

دوسرے قول (یعنی ضحاک کے نزدیک اولی الأمر سے فقہاء وعلماء مراد ہیں) کے صحیح ہونے پر اللہ تعالیٰ کا فرمان (فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول) دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے متنازع فیہ کو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رد کیا ہے (یعنی لوٹایا ہے) اور کتاب وسنت کی طرف لوٹانے کی کیفیت سوائے علماء کے اور کوئی نہیں پہچانتا۔

جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رد (یعنی لوٹانا) صرف علماء کی ہی شان ہے تو اس قول کا صحیح ہونا اس پر دلالت ہے کہ علماء سے سوال کرنا واجب ہے اور ان کے فتاویٰ پر عمل کرنا لازم ہے۔

صاحب تفسیر نے کتنے حسین انداز میں (اولــی الأمــر) کے معنی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ علماء یعنی مجتہدین سے ہی سوال کرنا واجب ہے۔ اور سوال کے بعد ان کے فتویٰ پر عمل کرنا لازمی ہے۔ ذرا انصاف سے بتائیں تقلید کے اور کیا معنی ہیں یہی تقلید ہے جس کو صاحب تفسیر قرطبی نے نہایت اچھے انداز سے بیان فرمادیا۔

صاحب تفسیر زمخشری فرماتے ہیں۔

وقیل هم العلماء الدینون الذین یعلمون الناس الدین ویامرونهم بالمعروف وینهونهم عن المنکر (تفسیر زمخشری ج اوّل ص۵۲۴)

اور کہا گیا وہ علمائے دین اس سے مراد ہیں جو لوگوں کو دین سکھاتے ہیں اور ان کو معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے منع کرتے ہیں۔

صاحب تفسیر زمخشری نے بھی (اولی الأمر) سے علماء شریعت ہی مراد لئے ہیں اور علماء شریعت ائمہ مذاہب ہیں جن کی تقلید کو خدا نے واجب قرار دیا ہے۔

صاحب تفسیر صاوی فرماتے ہیں۔

وفی هذه الایة اشارة لادلة الفقه الاربعة فقوله اطیعوا الله اشارة للکتاب وقوله واطیعوا الرسول اشارة للسنة وقوله واولی الأمر اشارة لـلإجـمـاع وقـولـه فان تنازعتم الخ اشارة للقیاس (قوله اولی الأمر) یـدخل فیه الخلفاء الراشدون ولائمة المجتهدون والقضاة والحکام (تفسیر صاوی ج اوّل ص۲۱۲)

اس آیۂ کریمہ میں فقہ کی اُدلہ اربعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول (اطیعوا اللہ) کتاب کیلئے اشارہ ہے اور اللہ کا قول (واطیعوا الرسول) سنت کیلئے اشارہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول (واولی الأمر) اجماع کیلئے اشارہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول (فان تنــازعتـم الـی آخر الایـه) قیاس کیلئے اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان (واولـی الأمر) اس میں خلفاء راشدین اور ائمہ مجتہدین اور قضاۃ وحکام سب داخل ہیں۔

جب (اولـی الأمر) کے جملہ معانی ممکن الوقوع ہیں تو ائمہ مجتہدین کس طرح اس

آیۂ کریمہ سے مراد نہیں ہو سکتے بلکہ علماء مفسرین نے (اولی الأمر) کے معنی ائمہ مجتہدین کو دوسرے معانی پر ترجیح دی ہے جیسا کہ ابھی صاحب تفسیر قرطبی کی رائے آپ نے ملاحظہ فرمائی۔

صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں:

وقیل المراد بهم اهل العلم وروی ذالك غير واحد عن ابن عباس وجابر بن عبدالله ومجاهد والحسن وعطاء وجماعة واستدل عليه ابو العالية بقوله (ولوردوه الی الرسول والیٰ اولی الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم) فان العلماء هم المستنبطون المستخرجون للاحكام

(تفسیر روح المعانی جز ۵ ص ۶۵)

اور کہا گیا کہ (اولی الأمر) سے مراد اہل مراد ہیں اور یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ کئی حضرات نے روایت کیا ہے مثل جابر بن عبداللہ، مجاہد، حسن، عطاء اور ایک جماعت نے اس معنی کو روایت کیا اور ابوالعالیہ نے اللہ تعالیٰ کے قول (ولو ردوه الی الرسول ای آخر الایہ) کے ساتھ اس پر دلیل اخذ کی ہے کہ بے شک علماء ہی احکام کے استنباط و استخراج کے اہل ہیں لہٰذا (اولی الأمر) سے علماء ہی مراد لینا ارجح واقرب ہے۔

اور استخراج و استنباط احکام کی استعداد ائمہ مجتہدین ہی میں پائی جاتی ہے لہٰذا ائمہ مجتہدین کی اطاعت وتقلید اللہ تعالیٰ کے فرمان سے واجب ہوئی جس طرح اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہے۔

صاحب تفسیر جمل فرماتے ہیں۔

وقيل هم علماء الشرع لقوله (ولوردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم الخ) وبه قال جابر والحسن وعطاء اختاره مالك (قوله فان تنازعتم فی شئی) الظاهر انه خطاب مستقل

مستانف موجه للمجتهدين ولايصح ان يكون الا اولی الأمر الا علی طريق الالتفات وليس المراد فان تنازعتم ايها الرعايا مع اولیٰ الامرا المجتهدين لان المقلد ليس له ان ينازع المجتهد فی حكمه (ابو السعود - تفسیر جمل ج اوّل ص ۳۹۵)

اور کہا گیا (اولی الأمر) سے مراد علماء شریعت ہیں لقولہ تعالیٰ (ولو ردوه الی الرسول والٰی اولی الأمر منهم الخ) اور یہی قول جابر و حسن اور عطاء کا ہے۔ اور اسی قول کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا قول (فان تنازعتم فی شئی) ظاہر میں یہ خطاب مستقل اور مستانف ہے جو مجتہدین کی طرف پھیرا گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ یہ خطاب (اولی الأمر) کے لئے ہو مگر علی طریق التفات۔ اور (فان تنازعتم) سے یہ بھی مراد نہیں کہ اے رعایا! اولی الأمر جو مجتہدین ہیں کے ساتھ جھگڑا کرو۔ اس لئے کہ مقلد کو نہیں چاہئے کہ وہ مجتہد کے حکم میں مجتہد کے ساتھ جھگڑا کرے۔

اور صاحب جمل کے جملہ بیان کا مقصد یہی ہے کہ (اولی الأمر) سے ائمہ مجتہدین ہی مراد ہیں۔

صاحب تفسیر البحر المحیط فرماتے ہیں

وقال جابر الحسن وعطاء وابو العالية ومجاهد ايضا العلماء واختاره المالك وقيل هم العلماء الذين يعلمون الناس الدين يامرونهم بالمعروف وينهونهم عن المنكر ۔

امام جابر بن عبداللہ وعطاء بن سائب وابو العالیہ اور حسن و مجاہد کا قول ہے کہ (اولی الأمر) سے مراد علماء ہیں اور اس قول کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا اور بعض نے کہا اس سے مراد علماء دین ہیں جو لوگوں کو دین سکھاتے ہیں اور ان کو معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے منع کرتے ہیں۔

وقال ابوبكر الرازی فی هذه الاية : لاله علی وجوب القول بالقياس واجتهاد الرای فی احكام الحوادث لانه امر برد

الحوادث الی الرسول فی حیاته اذکانوا بحضرته والی العلماء بعدوفاته والغیبة عن حضرته

ابوبکر رازی فرماتے ہیں اس آیۂ کریمہ (ولوردوه الی الرسول والی اولی الأمر منهم الخ) میں قیاس کے ساتھ قول کے واجب ہونے اور نئے نئے احکام میں اجتہاد ورائے پر دلالت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نئے واقعات (کا حکم معلوم کرنے کیلئے) لوٹانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اور آپ کے غیر حاضر ہونے میں علماء کی طرف ان حوادث کے لوٹانے کا حکم دیا ہے۔

حضرات گرامی: ابن حیان نحوی کی تصریح اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ علماء مجتہدین کی اطاعت واجب ہے اور (اولی الأمر) سے مراد مجتہدین ہیں جن کی اتباع اطاعت کا اللہ تعالیٰ عز اسمہ نے حکم دیا ہے۔

صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں۔

وثالثها: المراد العلماء الذین یفتون فی الاحکام الشرعیة ویعلمون الناس دینهم وهذا روایة الثعلبی عن ابن عباس وقول الحسن ومجاهد والضحاك.

اور تیسری وجہ: (اولی الأمر) سے مراد علماء ہیں جو احکام شرعیہ میں لوگوں کو فتویٰ دیتے ہیں اور ان کو دین سکھاتے ہیں۔ اور یہ ابن عباس سے امام ثعلبی کی روایت ہے اور امام حسن ومجاہد اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔

الفرع الاول: مذهبنا ان الاجماع لاینعقدالابقول العلماء الذین یمکنهم استنباط احکام الله من نصوص الکتاب و السنة وهولاء هم المسلمون باهل الحل والعقد فی کتب اصول الفقه نقول الایة دالة علیه لانه تعالیٰ اوجب طاعة اولی الأمر والذین لهم الأمر والنهی فی الشرع لیس الاهذا الصنف من

العلماء لأن المتكلم الذی لامعرفة له بكيفية استنباط الاحكام من النصوص لااعتبار بامره ونهيه وكذالك المفسر والمحدث الذی لاقدرة علی استنباط الاحكام من القرآن والحديث فدل ماذكرناه فلما دلت الايه علی ان اجماع اولی لامرحجة علمنا دلالة الاية علی انه ينعقد الاجماع بمجرد قول هذه الطائفة من العلماء واما دلالة الاية علی ان العامی غير داخل فيه فظاهر لانه من الظاهر انهم ليسوا من اولی الأمر

(تفسیر کبیر جز ۱۰ص۱۴۴، ۱۵۰)

فرع اول: ہمارا مذہب یہ ہے کہ سوائے ان علماء کے قول کے اجماع منعقد نہیں ہو سکتا جن کو اللہ تعالیٰ کے احکام کتاب وسنت سے استنباط کرنا ممکن ہو اور یہی وہ علماء ہیں جن کو کتب اصول فقہ میں اہل حل وعقد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

ہم کہتے ہیں یہ آیۃ مقدسہ اجماع پر دلالت کرنے والی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے (اولی الأمر) کی اطاعت کو واجب فرمایا ہے اور وہ لوگ جن کو شرع میں امرونہی کا حق ہے وہ انہی علماء کی قسم سے ہیں۔ اس لئے کہ متکلم جس کو نصوص سے (یعنی کتاب وسنت) استنباط احکام کی کیفیت کی معرفت نہیں اس کے امرونہی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اسی طرح محدث ہیں کہ ان کو قرآن وحدیث سے استنباط احکام پر قدرت نہیں۔ اور جو ہم نے ذکر کیا یہ اجماع پر دلالت کرتا ہے پس جب آیۃ مقدسہ کی دلالت اس پر ہے کہ اجماع اولی الأمر حجت ہے۔ ہم نے جان لیا کہ آیت مبارکہ کی دلالت اس پر ہے کہ علماء سے اس گروہ کے مجرد قول کے ساتھ اجماع منعقد ہو جاتا ہے لیکن دلالت آیت مبارکہ اس پر کہ عامی اس میں داخل نہیں تو یہ ظاہر ہے اس لئے کہ وہ اولی الأمر میں سے نہیں ہیں۔

امام فخر الدین رازی کی ایمان افروز توضیح وتشریح سے ظاہر وباہر ہے کہ (اولی الأمر) سے مراد علمائے مجتہدین ہی ہیں جو کتاب وسنت سے استخراج احکام کی کیفیت کی

معرفت رکھتے ہیں۔ اور مفسرین ومحدثین کے امرونہی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ان میں استخراج احکام کی قدرت نہیں اس لئے علماء کے نزدیک اہل حل وعقد یعنی ائمہ مجتہدین کے امرونہی کا اعتبار ہے اوران کا محض قول ہی اجماع ہے۔ اور عامی لوگ اس میں داخل نہیں کیونکہ (اولی الأمر) میں سے نہیں لہٰذا عامی کو ائمہ مجتہدین کی تقلید ہی کافی ہے۔

اگر مزید تحقیق کی ضرورت ہو تو اصل کتاب کی طرف رجوع فرمائیں انشاء اللہ آپ کو کافی ووافی تحقیقات حاصل ہوں گی اوراس مسئلہ میں آپ کی تشنگی جاتی رہے گی۔

امام فخر الدین رازی آیۂ کریمہ (ولوردوہ الی الرسول والی اولی لامر الخ) کے ماتحت نقل فرماتے ہیں۔

فثبت ان الاستنباط حجة والقياس امااستنباط أوداخل فيه فوجب ان يكون حجة اذا ثبت هذا فنقول الاية دالة على امور، احدهما، أن في احكام الحوادث ما لايعرف باالنّص بل بالاستنباط (وثانيها؛ ان الاستنباط حجة (وثالثها) ان العامى يجب عليه تقليد العلماء في احكام الحوادث (ورابعها) ان النبى صلى الله عليه وسلم كان مكلفاباستنباط الاحكام لانه تعالىٰ امربالرد الى الرسول والى اولى الأمر .

(تفسیر کبیر جز ۱۰ص۲۰۰)

پس ثابت ہوگیا کہ استنباط حجت ہے اور قیاس یا تو استنباط ہے یا اس میں داخل ہے پس واجب ہوا کہ استنباط حجت ہو۔ اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ استنباط حجت ہے ہم کہتے ہیں آیۂ کریمہ چند امور پر دال ہے۔ (اول) نئے پیش آنے والے حادثہ کے وہ احکام جو نص سے نہیں بلکہ استنباط کے ساتھ پہچانے جاتے ہیں۔ (دوم) یہ کہ استنباط حجت ہے۔ (سوم) یہ کہ عام آدمی پر واجب ہے کہ وہ حوادث احکام میں علماء کی تقلید کرے۔ (چہارم) یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استنباط احکام کے ساتھ مکلف تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (اولی الأمر) کی طرف رد (یعنی لوٹانے) کا حکم دیا ہے۔

معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق قیاس حجت ہے جب قیاس حجت ہے تو ائمہ مجتہدین کی تقلید واجب ہے کیونکہ وہ احکام فروعیہ شرعیہ کو کتاب وسنت سے استنباط کرنے کی استعداد رکھتے ہیں اور ان کے اوامر ونواہی قابل اعتبار ہیں۔ اور ان پر عمل کرنا ہی تقلید ہے۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں۔

وکذایشتمل الفقهاء والعلماء والمشائخ بل اولٰی لانهم ورثة الانبیاء وخازنوا احکام الله واحکام رسوله ۔ اخرج ابن جریر والحاکم وغیرهما عن ابن عباس هم اهل الفقه والدین وفی لفظ هم اهل العلم و ابن ابی شیبة والحاکم وصححه وغیرهما عن جابر بن عبدالله نحوه وعن ابی العالیه ومجاهد كذالك ۔ (تفسیر مظہری ج دوم سورہ نساء ص ۱۵۲)

اور اسی طرح (**واولی الأمر**) فقہاء وعلماء اور مشائخ عظام کو بھی مشتمل ہے بلکہ علماء وفقہاء اولیٰ ہیں کہ **اولی الأمر** سے یہی مراد ہے کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو خزانہ بنایا۔

ابن جریر اور حاکم اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ (**اولی الأمر**) وہ اہل فقہ و دین ہیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ وہ اہلِ علم ہیں۔ ابن ابی شیبہ اور حاکم اور ان کے سوا دوسرے علماء نے جابر بن عبداللہ سے اس کی مثال روایت کیا ہے اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ابو العالیہ ومجاہد نے بھی اس طرح روایت کیا۔ جیسا کہ مفصلاً تفسیر طبری اور درمنثور کے حوالہ سے مذکور ہوا ہے۔

حضرات! مفسرین کرام کے اقوال آپ نے سماعت فرمائے اور تمام علماء مفسرین نے (**واولی الأمر منکم**) سے ائمہ مجتہدین کے معنی کو راجح قرار دیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید واجب ہے اور یہی علماء کرام کا عقیدہ ہے۔

اب اس کی تفصیل پیش خدمت ہے اس آیہ کریمہ یعنی (یایھا الذین آمنو اطیعبوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الأمر منکم) میں مومنین پر تین ہستیوں کی اطاعت واتباع فرض ہے۔ (اول) اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی۔ (دوم) رسول اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی (سوم) اولی الامر یعنی صاحبان حکم کی اور اس سے مراد ائمہ مجتہدین ہیں جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ (ولو ردوہ الی الرسول والیٰ اولی الأمر منھم الخ) یعنی اولی الأمر ،مجتھدین مستنبطین ہیں۔ جیسا کہ علماء مفسرین کے اقوال سے آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ سنن دارمی (جو کہ بخاری شریف سے پہلے تالیف ہوئی) میں ہے۔

اخبرنا یعلی ثنا عبدالمالك عن عطاء (واولی الأمر) قال اھل العلم والفقه۔ اس کا ترجمہ کئی بار آپ نے سماعت فرمایا۔ پس ثابت ہوا کہ اولیٰ الأمر یعنی ائمہ مجتہدین کی اتباع واجب ہے۔ اور یہ کہنا کہ سوائے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کی اطاعت واتباع شرک فی الرسالت ہے۔ محض کذب اور غلط ہے۔ باقی رہا یہ کہ اس آیت مبارکہ سے مراد حکام وقت ہیں نہ کہ مجتہدین اس کا جواب یہ ہے کہ حکام تو اس کا شان نزول ہے نہ یہ کہ صرف حکام وقت ہی صاحب حکم ہیں۔

دوسرا یہ کہ حکام سے مراد وہی اشخاص مراد ہیں جو حاکم فی الشرع ہوں نہ کہ حکام قوانین دنیاوی۔ اور حکام فی الشرع سے بھی ہر ایک شخص مراد نہیں بلکہ وہ شخص حاکم جس کا حکم کسی حال میں بھی لائق ملامت اور قابل گرفت نہ ہو۔ اور ہر حال میں واجب الاتباع ہو اور وہ شخص مجتہد ہی ہوسکتا ہے نہ کہ کوئی اور۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اکثر حکام عالم و عامل اور مجتہد ہی ہوتے تھے نہ کہ جاہل وفاسق۔ اگر حکام سے امراء وسلاطین ہی مراد لئے جائیں تو پھر بھی جملہ سلاطین اسلام اس وقت تک مقلد اور جماعت اہل سنت ہی ہیں لہٰذا ہر حال میں تقلید مجتہدین واجب ہوئی مگر اصل صحیح یہی ہے کہ (اولی الأمر) سے مجتہدین ہی مراد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجتہدین کبھی کسی بادشاہ کے

مقلد نہیں ہوئے بلکہ بادشاہ ہی مجتہدین کے مقلد رہے ہیں۔ معلوم ہوا (اولی الأمر) سے علماء ومجتہدین ہی مراد ہیں اور علمائے مجتہدین یہی چار ائمہ مذاہب معروف ومشہور ہیں۔ اس دعویٰ میں کہ (اولی الأمر) سے مراد علماء مجتہدین ہیں دو شق ہیں اول یہ کہ (اولی الأمر) سے مجتہدین مراد ہیں اور شق دوم یہ کہ علماء مجتہدین یہی چار ائمہ مذاہب مشہور ہیں۔ ثبوت شق اول کہ (اولی الأمر) سے علماء مجتہدین ہی مراد ہیں۔ قرآن معظم میں ہے قولہ تعالیٰ (ولو ردوه الى الرسول والى اولى الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم) یعنی اولی الأمر ہیں جو کتاب وسنت سے استنباط احکام کا علم رکھتے ہوں۔ اور اگر (اولی الأمر) سے حکام وقت مراد لی جائے۔ جیسا کہ بعض کی رائے ہے اور یہ رائے تفصیل طلب ہے اگر حاکم صاحب علم ودیانت اور استنباط احکام کا ماہر ہو جیسا کہ خلفاء راشدین المہدیین اور عمر بن عبدالعزیز ہیں پھر من حيث الاستنباط مسلم هيں نه كه من حيث الحكومت اور اگر حاکم جاہل یا فاسق یا کافر ہو اور امر و نہی کے خلاف حکم دے اس کی اطاعت واجب نہیں۔ حدیث میں ہے (لاطاعة لمخلوق فى معصية الخالق) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان (وان جاهداك على ان تشرك بى ماليس لك به علم فلاتطعها) پس یہ مراد غیر مسلم ہے اور (اولی الأمر) کے معنی میں احادیث میں تصریح موجود ہے جب کہ علماء ومفسرین کے فرمودات وارشادات آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ باوجود ثبوت قرآنی اور اقوال علماء امت از محدثین ومفسرین، علماء مجتہدین کی اطاعت میں غیر مقلدین کا یہ قول کہ سوائے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے کی اطاعت شرک وبدعت ہے کیا حیثیت رکھتا ہے اور غیر مقلدین کا یہ قول سراسر غلط اور بے معنی ہے۔ اور عقلا بھی اس سے مراد مجتہدین ہی لیتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی حاکم ہوسکتا ہے جو امور دینیہ کو اچھی طرح بیان کرنے کی استعداد وصلاحیت رکھتا ہو اور کسی مسئلہ میں وہ محتاج نہ رہے۔ اور ایسا حاکم سوائے مجتہد کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مجتہد اگر کتاب وسنت میں بھی کوئی مسئلہ نہ پائے گا تو اجتہاد سے استخراج کرے گا

اور بحکم حدیث (اذا حکم الحاکم فاجتهد فا صاب فلهٗ اجران) بحالت اصابت دو اجر سے ماجور ہوگا۔ اور بحالت خطا بجوائی (وان اخطافله اجر واحد) ایک اجر سے ماجور ہوگا اور بحالت صواب وخطا میں وہ مطیع الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے پھر مقلد بطریق اولیٰ مطیع الرسول قرار پائے گا کیونکہ وہ متبع مجتہد ہے اور مجتہد متبع حق ہے بخلاف غیر مجتہد کے کہ نہ تو وہ اجتہاد کرسکتا ہے اور نہ وہ کسی قیاسی مسئلہ پر صائب وماجور ہے بلکہ ماخوذ ومعتوب ہے لہٰذا عقلا بھی (اولی الأمر) سے مجتہدین عظام ہی مراد ہیں۔ اس بحث کی تحقیق میں چند احادیث پیش خدمت ہیں۔

اول: عن معاذ بن جبل ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما بعثه الى اليمن قال كيف تقضى اذا عرض لك قضا قال اقضى بكتاب الله قال وان لم تجد فى كتاب الله قال اقضى بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فان لم تجد فى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اجتهد برأيي ولا الوا قال فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم على صدره وقال الحمد لله الذى وافق رسول رسوله بما يرضى به رسول صلى الله عليه وسلم (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حکم مقرر فرمایا تو پوچھا۔ اے معاذ! تو کس طرح فیصلہ کرے گا جب تجھے کوئی مقدمہ یا حادثہ پیش آجائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ کتاب اللہ (یعنی قرآن) سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر قرآن میں وہ مسئلہ نہ ہو تو حضرت معاذ بن جبل نے عرض کیا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی حدیث) سے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر وہ مسئلہ حدیث میں بھی نہ ہو تو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے اجتہاد وقیاس سے فیصلہ کروں گا اور اس میں کوئی تقصیر وکوتاہی نہیں کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے سینہ مبارک پر ہاتھ مار کر فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے موافق کر دیا۔

لہٰذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ (اولی الأمر) سے مراد مجتہد ہی ہے اور اس کی اطاعت مرضی رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس حدیث مبارکہ سے چند امور مستفاد ہوتے ہیں۔

اول: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بعض احکام ایسے بھی ہیں جو نہ قرآن میں ہیں اور نہ حدیث میں ورنہ (فإن لم تجد) دوبارہ نہ فرماتے۔

دوم: احکام تین قسم پر ہیں، کتاب وسنت اور قیاس

سوم: مجتہد جب قرآن وحدیث میں کوئی مسئلہ نہ پائے تو اجتہاد سے مسائل حل کرے۔

چہارم: کتاب وسنت کے بعد مجتہد کا ہی حکم واجب الاتباع ہے۔

پنجم: اجتہاد خدا عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق ہے۔

ششم: اہل یمن پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطاعت تینوں امر (کتاب وسنت اور قیاس) کی واجب تھی۔

ہفتم: مجتہد کو صاحب شرح اور صاحب نبوت کے روبرو بھی اجتہاد سے کام لینا اور اپنے اجتہاد سے حکم جاری کرنا جائز تھا۔ چہ جائے کہ بعد از وفات شارع علیہ السلام۔ کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے یہ نہ فرمایا کہ اگر مسئلہ قرآن وحدیث میں موجود نہ ہو تو بذریعہ سفیر یا خط ہم سے دریافت کر لینا کیونکہ ابھی ہم عالم حیات میں موجود ہیں۔ قیاس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور مزید برآں احکام وقتاً فوقتاً بدلتے جاتے ہیں اور جدید احکام نازل ہوتے ہیں۔ کبھی اول منسوخ اور ثانی ناسخ۔ اور نہ ہی اہل یمن نے اس پر اصرار کیا کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہوتے ہوئے کیوں اجتہاد پر عمل کیا جائے اور صاحب نبوت کی موجودگی میں قیاس کی کیا ضرورت ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جب مجتہد کا قیاس

واجتہاد کسی حکم کی طرف مؤدی ہو تو چاہیے کہ حکم کرے اور صاحب شرح سے منتظر استفسار نہ رہے۔

اس حدیث مبارکہ سے آیہ کریمہ مذکورہ کی توضیح وتشریح ہوگئی کہ کون حاکم ہے اور حاکم کو کیا کرنا چاہئے اور محکوم پر کیا واجب ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص مجتہدین کی تقلید سے منحرف ومنکر ہو اور اس کے برعکس مقلدین کو شرک وبدعتی کہے تو اس کو ہم خدائے بزرگ وبرتر کے سپرد کرتے ہیں (واللہ لایھدی القوم الفاسقین والظالمین)

دوم: العلم ثلاثة آية محكمة اوسنة قائمة أوفريضة عادلة رواه ابوداؤد وابن ماجه شيخ عبدالحق محدث دهلوى اشعة اللمعات شرح مشکوۃ میں اس حدیث مبارکہ کے ماتحت ارشاد فرماتے ہیں۔

> فریضه عادله آں است که مثل وعدیل کتاب وسنت است اشارت است باجماع وقیاس که مستندو مستنبط اند ازاں وبایں اعتبار آں را مساوی ومعادل کتاب وسنت فرمود تعبیر ازاں بفریضه عادله ازاں وجه که تنبیه باشد برآں که عمل باآنها واجب است، چنانچه بکتاب وسنت پس حاصل حدیث آں شد که اصول دین چهارم اند کتاب وسنت واجماع و قیاس (اشعۃ اللمعات ج اوّل ص۱۷۹)

یہ حدیث مبارک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علم اصول دین وشریعت تین طرح کا ہے۔ ایک آیت محکم یعنی کتاب اللہ (دوم) سنت جو حفظ متون واسانید کے ساتھ ثابت ہے۔ (سوم) یا فریضہ عادلہ جو مثل وعدیل کتاب وسنت ہے اور فریضہ عادلہ اشارہ ہے کہ اجماع وقیاس، کتاب سے سنت سے مستنبط ومستند ہیں بایں اعتبار اجماع وقیاس کو مساوی ومعادل کتاب وسنت شمار کیا جاتا ہے اور اس کو فریضہ عادلہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس بات پر تنبیہ ہے کہ ان پر (یعنی اجماع وقیاس پر) عمل کرنا اس طرح ہی واجب ہے جس طرح

کتاب وسنت پر حاصل معنی اس حدیث مبارک کا یہ ہوا کہ اصول دین چار ہیں کتاب وسنت اور اجماع وقیاس۔

الغرض اس حدیث مبارک سے بھی آیۃ مقدسہ مذکورہ کی تفصیل ہوگئی کہ احکام تین قسم پر ہیں قرآن وحدیث اور قیاس۔ اور تینوں واجب الاتباع ہیں اور اجماع کا صاف ذکر اس حدیث میں یا سابقہ حدیث میں اس واسطے نہیں کہ اجماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقت میں حجت نہیں تھا۔ **کما فی حاشیة التلویح للعلامة الچلپی۔**

چہارم: نسائی شریف جلد دوم کتاب القضا (**باب الحکم باتفاق اهل العلم**) میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے **فمن عرض له منكم قضاء بعد اليوم فليقض بما في كتاب الله فان جاءه امر ليس في كتاب الله فليقض بماقضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فان جاءه أمر ليس في كتاب الله ولا قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فليقض بما قضى به الصالحون فان جاءه امر ليس في كتاب الله ولا قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم ولا قضى به الصالحون فليجتهدرايه** ۔(نسائی شریف ج دوم ص۳۰۲)

آج کے بعد جس پر کوئی فیصلہ پیش آئے تو کتاب اللہ سے فیصلہ کرے اور اگر ایسی چیز پیش آ گئی جو قرآن پاک میں نہیں تو اس سے فیصلہ کرے جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا اور اگر ایسا مسئلہ درپیش ہو جو نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو صالحین اُمت نے جو فیصلہ دیا اُس کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر ایسی چیز پیش آ گئی جو نہ تو قرآن میں ملے اور نہ ہی اس کا فیصلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور نہ ہی صالحین نے تو اپنے قیاس سے اجتہاد کرے۔

پنجم: نسائی شریف میں اسی جگہ حضرت قاضی شریح سے روایت ہے فرمایا کہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں دریافت کیا کہ میں فیصلے کیسے کروں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً ارشاد فرمایا۔

فكتب اليه ان اقض بما فى كتاب الله فان لم يكن فى كتاب الله فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فان لم يكن فى كتاب الله ولا فى سنة رسول الله فاقض بما قضى به الصالحون فان لم يكن فى كتاب الله ولا فى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يقض به الصالحون فان شئت فتقدم وان شئت فتاخر ولا ارى التاخر الا خيرا لك والسلام عليكم (نسائی شریف ج دوم ص ۳۰۳)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی شریح کو لکھا کہ قرآن شریف سے فیصلہ کرو۔ اگر اس میں نہ ہو تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کو۔ اور اگر نہ کتاب اللہ میں اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اس سے فیصلہ کرو جو اللہ کے نیک بندوں نے فیصلہ کیا۔ لیکن اگر وہ مسئلہ نہ تو قرآن میں ہو اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور نہ ہی اس کے متعلق صالحین کا فیصلہ ہو تو چاہو پیش قدمی کرو اور چاہو تو مہلت لو اور میں تمہارے لئے مہلت ہی کو بہتر جانتا ہوں۔

امام بیہقی نے سنن الکبریٰ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور آخر میں عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکتوب یہ تھا کہ (فانت بالخيار ان شئت تجتهد رايك) یعنی اگر مسئلہ قرآن وسنت اور فیصلہ صالحین سے نہ ملے تو پھر تجھے اختیار ہے چاہے تو اپنی رائے سے اجتہاد کر اور چاہے تو دوسروں سے مشورہ کر اور مشورہ کرنا تیرے لئے باعث سلامتی ہے۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۱۰)

ششم: لما بعث عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه شريحا على قضاء الكوفة قال انظر ما تبين لك فى كتاب الله فلا تسالن عنه احدًا وما لم يتبين لك فى كتاب الله فاتبع فيه السنة وما لم يتبين لك فى السنة فاجتهد فيه رايك (بیہقی ج ۱۰، ص ۱۱۰)

جب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی شریح کو کوفہ پر قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا جو فیصلہ تیرے لئے کتاب اللہ میں سے ظاہر ہو اسے دیکھ اور کسی سے ہرگز سوال نہ کر۔

اور اگر کتاب اللہ میں تیرے لئے وہ فیصلہ ظاہر نہ ہوتو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (یعنی حدیث) کی اتباع کر۔ اور اگر وہ فیصلہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تیرے لئے ظاہر نہ ہوتو اس فیصلہ میں اپنے رائے سے اجتہاد کر۔

ہفتم: کان ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنه اذا أورد علیه الخصم نظر فی کتاب اللہ فان وجد مافیه یقضی بینهم قضی به وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی ذالك الامر سنة قضی به فان اعیاه خرج فسال المسلمین الی ان اذاجتمع رایهم علی امر قضیٰ به (بیہقی ج ۱۰ ص ۱۱۰)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جب آپ پر کوئی فیصلہ آتا تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نظر فرماتے اگر وہ فیصلہ اس میں پالیتے، حکم فرمادیتے۔ اگر وہ فیصلہ کتاب اللہ مین نہ پاتے تو اس امر میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرتے اور فیصلہ فرماتے۔ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو تھکا دیتے (یعنی ان دونوں سے آپ کو فیصلہ نہ ملتا) پھر مسلمانوں سے سوال کرتے ان کی رائے جس امر پر متفق ہوجاتی۔ اس پر فیصلہ فرمادیتے۔

ہشتم: کان عبداللہ بن عباس اذا سئل عن الامر فکان فی القرآن اخرج به فان لم یکن فی القرآن وکان عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اخرج به فان لم یکن فعن ابی بکرو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما فان لم یکن فیه امر برایه و فی روایه نظر ما اجتمع علیه الناس اخذبه (رواہما الدارمی ص ۳۳ تا ۳۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب کسی معاملے میں سوال کئے جاتے پس اگر وہ امر قرآن میں ہوتا اس حکم کی تخریج کرتے اور اگر وہ امر قرآن میں نہ ہوتا تو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کے متعلق حکم ہوتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ نہ ملتا تو حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع کرتے۔ اور اگر ان سے بھی اس امر کے متعلق کچھ نہ ملتا تو پھر اپنی رائے سے فیصلہ فرماتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جس پر لوگوں کا اجماع ہے نظر فرماتے۔ اگر لوگوں کا اتفاق ہے تو اسے پکڑتے یعنی اس پر عمل کرتے۔

ان تمام احادیث میں کتاب وسنت، اجماع امت اور قیاس کا ایک صریح ثبوت ہے کہ نہ تو اس سے انکار ممکن ہے اور نہ ہی کوئی تاویل۔ وہ اعتراض جو غیر مقلد کرتے ہیں (اجتنبوا کثیرا من الظن) یعنی بہت ظن سے بچو۔ اس میں ظن سے مراد بدگمانیاں ہیں یعنی مسلمانوں پر بدگمانیاں نہ کیا کرو۔ اس لئے اس آیۃ مقدسہ کے بعد غیبت وغیرہ کی ممانعت ہے ورنہ قیاس اور غیبت میں باہم کیا تعلق ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (انما النجوی من الشیطٰن) مشورہ کرنا شیطان کی طرف سے ہے تو کیا ہر مشورہ شیطانی کام ہے۔ نہیں بلکہ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشورے ہیں وہ شیطانی ہیں ایسے ہی یہ ہے۔

معلوم ہوا قیاس اور ظن میں فرق ہے جو لوگ یہ فرق نہیں سمجھ سکتے وہ لوگوں کی رہنمائی کیا خاک کریں گے۔ ان تمام احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا مجتہدین کی اتباع ضروری ہے اور اب رہی شق ثانی کہ اس آیۂ کریمہ سے یہی ائمہ اربعہ مراد ہیں تو اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ زمانہ خیرون القرون اور متصل خیر القرون سے لے کر اس زمانہ تک یعنی (الیٰ یومنا ھذا) مذاہب اربعہ کی تقلید واتباع پر اجماع امت ہے اور خلاف اجماع امت گویا کہ خلاف قرآن وسنت ہے جیسا کہ علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے (العلم ثلاثة) کے ماتحت ارشاد فرمایا۔ اور حدیث مبارکہ (لایجتمع أمتی علی الضلالة او (ید اللہ علی الجماعة من شذ شذ فی النار) اس اجماع کی صحت پر یہ دلائل کافی ہیں اور اجماع امت ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید اور اطاعت کرنا واجب ہے اور اس آیۂ کریمہ کا بھی یہی مفہوم ہے۔

جیسا کہ مسلم شریف میں باب (الدین النصیحة) میں ہے۔

عن تميم الداری ان النبی صلی الله علیه وسلم قال الدین النصیحة قلنا لمن قال لله ولکتابه و لرسوله ولا ئمة المسلمین وعامتهم ۔

تمیم داری سے مروی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین ایک نصیحت (یعنی خیرخواہی) ہے ہم نے عرض کیا کس کی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے امام کی۔ اور عامة المؤمنین کی۔

امام نووی علیہ الرحمہ اس حدیث مبارکہ کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وقد یتناول ذالك علی آئمة الدین وهم علماء الدین وان من نصیحتهم قبول ماروُه وتقلید هم فی الاحکام واحسان الظن بهم ۔

یہ حدیث مبارک ان اماموں کو بھی حاوی وشامل ہے جو علماء دین ہیں۔ علماء کی خیر خواہی سے مراد یہ ہے کہ ان کی روایت کی ہوئی احادیث کو قبول کرنا اور احکام میں ان کی تقلید کرنا اور ان کے ساتھ نیک گمانی کرنا اور علمائے دین درحقیقت یہی ائمہ مذاہب ہیں جنہوں نے کتاب وسنت واجماع سے احکام کا استخراج فرمایا اور احکام مستخرج میں ان کی اطاعت وتقلید کرنا، ان سے خیر خواہی کے مترادف ہے۔

اب باقی رہا یہ سوال کہ آیۃ مبارکہ مذکورہ کی تشریح سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید واجب ہے مگر ایک شخص کی تقلید کا ذکر نہیں آیا بلکہ تمام ائمہ مذاہب کی تقلید کا حکم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس آیۂ کریمہ میں جملہ اہل اسلام مامور ہیں اور مجتہدین مطاع۔ اور جب جمع کو جمع کی طرف مضاف کیا تو مفرد کے واسطے مفرد حاصل ہوتا ہے جس سے تقلید شخصی ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ گو اس آیۂ کریمہ میں مجتہدین کا ذکر بصیغہ جمع ہے۔ مگر ان میں سے جو شخص اعلم وارع وافقہ ہو اس کی اتباع افضل واعلیٰ

سے بنسبت دیگر ائمہ عظام کے۔اور اس کی تفصیل (تمام ائمہ مجتہدین سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو اختیار کرنے کے انحصار) کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔

ویسے بھی امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا ہے (اذا وسد الامر غیر اھلہ فانتظر الساعۃ) یعنی نااہل کے سپرد کوئی کام کیا جائے تو قیامت کا انتظار کر۔

اور ائمہ مجتہدین جنہوں نے اپنے اجتہاد سے مسائل فروعیہ شرعیہ کتاب وسنت سے مستنبط ومستخرج فرمائے، وہی تقلید کے اہل ہیں اور ان کی تقلید کو ہی قرآن نے واجب قرار دیا ہے۔اور جب ہم غیر اہل کی طرف رجوع کریں تو ظاہر ہے پھر ہمیں قیامت کا انتظار کرنا چاہئے۔(سمجھ دار کیلئے اشارہ کافی ہوتا ہے)

خلاصہ مذکور یہ ہے کہ تقلید شخصی واجب ہے اور اس کا تارک معتوب اور اہل سنت وجماعت سے خارج۔

دلیل چہارم: قولہ تعالیٰ ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولی ونصلہ جھنم ط وساء ت مصیرًا

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے، ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے (کنزالایمان)

اس آیۃ مقدسہ کے ماتحت علماء مفسرین کرام کے اولاً ارشادات وفرمودات پیش خدمت ہیں۔ان کے بعد اس آیت مبارکہ کی تفصیل اور توضیح وتشریح ہدیہ ناظرین کی جائے گی۔

صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں:

روی ان الشافعی سئل عن آیۃ من کتاب اللہ تدل علی ان الاجماع حجۃ فقرأ القرآن ثلث ماۃ مرۃ حتی استخرج ھذہ

الاية وهى قوله تعالٰى ويتبع غير سبيل المؤمنين وذالك لان اتباع غير سبيل المؤمنين وهو مفارقة الجماعة حرام فوجب ان يكون اتباع سبيل المؤمنين ولزوم جماعتهم واجبًا وذالك لان الله تعالٰى ألحق الوعيد بمن يشاقق الرسول ويتبع غير سبيل المؤمنين فثبت بهذا ان اجماع الامة حجة ۔

(تفسیر خازن ج اوّل ص ۴۳۰)

روایت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کتاب اللہ سے ایک ایسی آیت کے متعلق سوال کئے گئے جو دلالت کرتی ہو اس بات پر کہ اجماع امت حجت ہے۔ پس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تین سو مرتبہ قرآن حکیم پڑھا یہاں تک کہ اس آیت مبارکہ کو استخراج فرمایا اور وہ آیت مبارکہ یہ ہے۔ اللہ تعالٰی کا قول (ویتبع غیر سبیل المؤمنین) اور یہ اس لئے کہ غیر مومنین کی راہ کی اتباع سے ہٹنا (اور یہ جماعت سے الگ ہونا ہے) حرام ہے۔ پس واجب ہوا کہ مومنین کی راہ کی اتباع اور ان کی جماعت کو لازم پکڑا جائے۔

یہ اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے وعید کو اس شخص کے حق میں وارد کیا ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرے اور غیر مومنین کی راہ کی اتباع کرے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اجماع امت حجت ہے۔

صاحب تفسیر مدارک فرماتے ہیں۔

(ويتبع غير سبيل المؤمنين) اى سبيل الذى هم عليه من الدين الحنيفى وهو دليل على ان الاجماع حجة لاتجوز مخالفتها كما لاتجوز مخالفة الكتاب والسنة لان الله تعالٰى جمع بين اتباع غير سبيل المؤمنين وبين مشاقة الرسول فى الشرط ۔

(مدارک علی الخازن ج اوّل ص ۴۳۰)

یعنی مومنین کی راہ کے مخالف راہ وہ ہے جو دین حنیف پر نہ ہو اور دین حنیف کی راہ

ہی مومنین کی راہ ہے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے اس کی مخالفت جائز نہیں جس طرح کتاب وسنت کی مخالفت جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غیر مومنین کی اتباع اور رسول کے خلاف کرنے کو ایک ہی درجے میں رکھا ہے۔

آپ نے (واولی الأمر) کے ماتحت امام فخر الدین رازی کا قول ملاحظہ فرمایا۔ کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ سوائے ان علماء کے قول کے اجماع منعقد نہیں ہوسکتا جن کو اللہ تعالیٰ کے احکام کتاب وسنت سے استنباط کرنا آتے ہوں اور یہ وہی علماء ہیں جن کو کتاب اصول فقہ میں اہل حل وعقد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا اجماع اولی الأمر حجت ہے بلکہ علماء کرام کے اس گروہ کے مجرد قول کے ساتھ اجماع منعقد ہو جاتا ہے۔

معلوم ہوا جو اجماع اس آیۃ مبارکہ سے ثابت ہو وہ درحقیقت اولی الأمر کا اجماع ہے اور اولی الأمر سے مراد مجتہدین ہیں۔ لہٰذا ائمہ مجتہدین کی راہ ہی سبیل مومنین یعنی مومنین کی راہ ہے اور اس راہ کی اتباع واجب ہے لہٰذا ائمہ مجتہدین کی اتباع واجب ہے اور اسی کو تقلید بولتے ہیں۔

صاحب تفسیر قرطبی فرماتے ہیں۔

والاية وان نزلت فى سارق الدرع أو غيره فهى عامة فى كل من خالف طريق المؤمنين

الثانية: قال العلماء فى قوله تعالىٰ (ومن يشاقق الرسول) دليل على صحة القول بالا جماع

آیت مبارکہ اگرچہ زرہ کے چوری کرنے والے یا اس کے غیر کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ مگر یہ آیت مقدسہ ہر اس شخص کے حق میں عام ہے جو طریق مسلمین کی مخالفت کرے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ علماء نے اللہ تعالیٰ کے اس قول (ومن يشاقق الرسول) کے حق میں فرمایا کہ یہ اجماع کے قول کے صحیح ہونے پر دلیل ہے۔ یعنی جنہوں نے اس

آیۂ کریمہ کے ساتھ اجماع کو ثابت کیا ہے ان کا قول صحیح ہے کہ یہ آیت مبارکہ اجماع پر دلالت کرتی ہے۔

اور طریق مؤمنین کی مخالفت بھی ائمہ مجتہدین کی مخالفت ہے کیونکہ ائمہ مجتہدین کی راہ ہی مومنین کی راہ ہے اور اس راہ کے غیر پر چلنے والا (غیر سبیل المؤمنین) کے زمرہ میں محسوب (یعنی شمار کیا گیا) ہے۔

صاحب تفسیر بیضاوی فرماتے ہیں۔

(ویتبع غیر سبیل المؤمنین) غیر ماھم علیه من اعتقاد و عمل والایة تدل علی حرمة مخالفة الاجماع لانه سبحانهٗ وتعالیٰ رتب الوعید الشدید علی المشاقة واتباع غیر سبیل المؤمنین وذالك اما لحرمة کل واحد منهما او احدهما او الجمع بینهما . والثانی باطل اذ یقبح ان یقال من شرب الخمر واکل الخبز استوجب الحد وکذا الثالث لان مشاقة محرمة ضم الیها غیر ها اولم یضم واذا کان اتباع غیر سبیلهم محرما کان اتباع سبیلهم واجبا (تفسیر بیضاوی ج اوّل ص۲۴۳، ۲۴۴)

یعنی عمل یا اعتقاد کے اعتبار سے وہ اس راہ پر نہیں جو راہ مومنین ہے۔

اور یہ آیت مبارکہ اجماع کی مخالفت کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مومنین کے راہ پر نہ چلنے والے اور مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وعید شدید کو مرتب فرمایا ہے۔ اور اس وعید شدید کا مرتب ہونا یا تو اس طرح ہے کہ ان دونوں (یعنی مشاقۃ الرسول اور اتباع غیر سبیل المؤمنین) میں سے ہر ایک حرام ہے یا ان دونوں میں سے ایک حرام یا ان دونوں کے درمیان جمع کرنا۔

اور صورت ثانی (یعنی ان دونوں کا جمع کرنا) باطل ہے اس لئے کہ یہ قبیح بات ہے کہا جائے جس نے شراب پی اور روٹی کھائی حد کا مستوجب و سزاوار ہے۔ اور اسی طرح تیسری صورت اس لئے کہ مشاقۃ الرسول یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت حرام

ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور چیز حرام کرنے والی ملائی جائے یا نہ ملائی جائے۔ معلوم ہوا مشاقۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ شخص بھی وعید شدید کا مستحق ہے جس نے مومنین کی راہ کے علاوہ دوسری راہ کی اتباع کی۔ یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک عذاب شدید کا مستحق ہے۔

صاحب تفسیر کشاف فرماتے ہیں۔

(ویتبع غیر سبیل المؤمنین) وھوالسبیل الذی ھم علیہ من الدین الحنیفی القیم وھو دلیل علی ان الاجماع حجۃ لاتجوز مخالفتھا کمالا تجوز مخالفۃ الکتاب والسنۃ لان اللہ عزوجل جمع بین اتباع غیر سبیل المؤمنین وبین مشاقۃ الرسول فی شرط وجعل جزاءہ والوعید الشدید فکان اتباعھم واجبا کموالاۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

(تفسیر کشاف ج اوّل ص ۵۶۵)

اور مومنین کی راہ سے مراد اُن لوگوں کی راہ ہے جو دین حنیف قیم پر ہیں۔ یعنی دین حنیف ہی سبیل مومنین ہے اور وہ اس پر دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے اور اس کی مخالفت جائز نہیں جیسا کہ کتاب وسنت کی مخالفت جائز نہیں کیونکہ اللہ عزوجل نے غیر راہ مومنین اور مخالفت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شرط میں رکھا ہے اور اس کی بطورِ جزاء وعید شدید بیان فرمائی۔ اور جو لوگ راہ مومنین پر چلنے والے ہیں ان کی اتباع واجب ہے مثل ان لوگوں کے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و دوستی رکھتے ہیں۔

صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں۔

وتقریرالاستدلال ان اتباع غیر سبیل المؤمنین حرام فوجب ان یکون اتباع سبیل المؤمنین واجبا ۔ بیان المقدمۃ الاولی انہ تعالیٰ ألحق الوعید بمن یشاقق الرسول ویتبع غیر سبیل المؤمنین ۔ مشاقۃ الرسول وحدھا موجبۃ لھذا الوعید فلولم

يـكـن اتباع غير سبيل المؤمنين موجباله لكان ذالك ضمالمالا أثـرلـه فـي الـوعيد الى ماهو مستقل باقتضاء ذالك الوعيد وانه غيـر جـائـز فثبـت ان اتباع غير سبيل المؤمنين حرام و اذاثبت هذا التزم ان يكون اتباع سبيلهم واجبا (تفسیر کبیر جز ۱۱ص۴۳)

امام فخر الدین رازی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق روایت جو تفسیر خازن کے حوالہ سے گزر چکی ہے کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ استدلال کا ثبوت یہ ہے (یعنی اجماع اس آیت مبارکہ سے ثابت ہے) کہ مومنین کی راہ کے علاوہ دوسری راہ کی اتباع حرام ہے پس واجب ہوا کہ مومنین کی راہ کی اتباع واجب ہو۔ مقدمہ اولی (یعنی مومنین کی راہ کے علاوہ دوسری راہ) کا بیان یہ ہے اللہ تعالی نے اس شخص کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرتا ہے اور مومنین کی راہ کی اتباع نہیں کرتا، وعید شدید سنائی ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت تنہا بھی اس وعید کی موجب تھی پس اگر مومنین کی راہ کے علاوہ دوسری راہ کی اتباع اس وعید کو واجب کرنے والی نہ ہوتی۔ تو وہ بات جس پر وعید نہیں آئی اُسے اُس بات کے حکم میں شامل کرنا ٹھہرتا جس پر مستقل وعید ہے اور ایسا کرنا یقیناً ناجائز ہے۔ پس ثابت ہوا مومنین کی راہ کے سوا دوسری راہ کی اتباع حرام ہے۔ اور جب یہ ثابت ہوگیا تو لازم ہوا کہ مومنین کی راہ کی اتباع واجب ہو۔ اور یہ اس لئے کہ راہ مومنین کی عدم اتباع، غیر مومنین کی راہ کی اتباع ٹھہرتی ہے اور جب مومنین کے علاوہ کی راہ پر چلنا حرام ہے تو ظاہر مومنین کی راہ کو چھوڑنا بھی حرام ہو۔ اور جب سبیل مومنین کے سوا کی اتباع حرام ہوئی تو لامحالہ سبیل مومنین کی اتباع واجب ہوئی کیونکہ نقیض کا دوطرفوں سے خروج مشکل ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ سبیل مومنین کی اتباع واجب ہے اور سبیل مومنین ائمہ مجتہدین کی راہ ہے جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہو چکا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

المسئلة الخامسة: الاية دالة علـى انــه لايـمـكـن تصحيح الدين

الا بالدليل والنظر والاستدلال وذالك لانه تعالیٰ شرط حصول لوعيد بتبين الهدیٰ ولولم يكن تبين الهدیٰ معتبرا فی صحة الدين ولالم يكن لهذا الشرط معنی (تفسیر کبیر جز ۱۱ص۴۴)

پانچواں مسئلہ: یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرنے والی ہے کہ دلیل ونظر اور استدلال کے سوا دین کا صحیح ہونا ممکن ہی نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے وعید کے حصول میں (**تبين بالهدیٰ**) کی شرط رکھی ہے اور اگر (**تبين بالهدیٰ**) صحت میں معتبر نہ ہوتا تو اس شرط کا کچھ معنی نہ ہوتا۔

معلوم ہوا دین کی تصحیح کے لئے دلیل ونظر اور استدلال ضروری ہے اور یہ کام ائمہ مجتہدین کا ہے۔ معلوم ہوا اگر دین کی تصحیح مقصود ہے تو ائمہ مجتہدین کی راہ اختیار کرو کیونکہ یہی راہ مومنین ہے اور اس راہ کی اتباع واجب ہے۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیۃ مقدسہ کے ماتحت ارقام فرماتے ہیں۔

(**ومن يشاقق الرسول**) یعنی بعد ثابت ہو جانے دلیل قطعی کے اور ظاہر ہو جانے حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کیا۔ اور (**من بعد ماتبين له الهدیٰ**) کی قید سے وہ شخص اس وعید شدید سے بچ گیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ایسے اُمر میں کی جس کے متعلق اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں پہنچا۔ یا اس کو خبر پہنچی لیکن اس کے طریق میں بعض راوی تہمت لگائے گئے ہیں (اس لئے قبول نہ کی)۔

یا مجتہد نے اپنی پوری جہد صرف کرنے کے بعد بھی اس حکم کی مراد سمجھنے میں خطا کی۔ یعنی ان تین صورتوں میں خلاف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والا وعید شدید کا مستحق وسزاوار نہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

فقوله تعالیٰ (ومن يشاقق الرسول آلاية)وهذه الاية دليل علی حرمة مخالفة الاجماع لانه تعالیٰ رتب الوعيد علی المشاقة

واتباع غير سبيل المؤمنين ولا وجه لكون احدهما سببا له دون الآخر والا للغا ذكر الآخره لكون لكون مجموعهما سببا لان المشاقة محرمة بانفرادها لنصوص القطيعة فظهر ان كل واحد منهما سبب للوعيد فثبت ان اتباع غير سبيلهم محرم فثبت ان اتباع سبيلهم واجب لان الانسان لامحالة سالك سبيلا

(تفسیر مظہری ج دوم سورۃ نساء ص ۲۳۶)

اللہ تعالیٰ کا قول (ومن يشاقق الرسول الاية) یہ آیت مبارکہ اجماع کے مخالفت کی حرمت پر دلیل ہے۔ (یعنی اجماع امت کے خلاف کرنا حرام ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی راہ کے سوا اتباع پر وعید شدید مرتب فرمائی۔ اور کوئی ایسی وجہ بھی نہیں کہ ان دونوں میں سے ایک اس وعید کا سبب ہو سوائے دوسرے کے۔ ورنہ دوسرے کا ذکر (یعنی يتبع غير سبيل المؤمنين) لغو ہوگا۔ اور نہ ہی یہ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں یعنی (مشاقة الرسول واتباع غير سبيل المؤمنين) اس وعید شدید کے سبب ہوں کیونکہ انفرادی طور پر (مشاقة الرسول) ہی نصوص قطعیہ سے محرم ہے۔ پس ظاہر ہوا ان دونوں میں سے ہر ایک اس وعید کا سبب ہے۔ پس ثابت ہوا غیر مومنین کی راہ کی اتباع محرم ہے پس ثابت ہوا مومنین کی راہ کی اتباع واجب ہے کیونکہ انسان لامحالہ کسی راہ کا سالک ہے۔

لہٰذا مومنین کی راہ کی اتباع مجتہدین کی اتباع میں مضمر ہے۔ اس لئے کہ تمام مسائل فروعیہ شرعیہ میں وہ اس راہ کا سالک ہے اور اگر اس نے اس راہ مومنین کی اتباع نہ کی تو وہ اس وعید شدید کا مستحق ہے۔

صاحب تفسیر نیشا پوری ارقام فرماتے ہیں۔

علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین قمی نیشا پوری علیہ الرحمہ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ آپ سے سوال کیا گیا قرآن معظم میں وہ کون سی آیت مبارکہ ہے جو اجماع امت پر بطور دلیل ہو۔ تو امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے تیس صد بار قرآن حکیم کی تلاوت فرمائی یہاں تک کہ آپ نے اس آیت مبارکہ پر وقوف فرمایا۔ کہ یہ آیت مقدسہ اس پر دلیل ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

ووجه الاستدلال ان اتباع غير سبيل المؤمنين حرام لانه تعالىٰ جمع بين اتباع غير سبيلهم وبين مشاقة الرسول ورتب الوعيد عليهما واتباع غير سبيل المؤمنين يلزمه عدم اتباع سبيل المؤمنين لاستحالة الجمع بين الضدين او النقيضين لعدم اتباع سبيل المؤمنين حرام فاتباع سبيلهم واجب كموالاة الرسول صلى الله عليه وسلم (تفسیر نیشاپوری علی الطبری ج ۴ ص ۱۷۵)

اور وجہ استدلال یہ ہے (یعنی یہ آیت مبارکہ اجماع امت پر دلیل ہے) کہ راہ مومنین کے سوا کی اتباع حرام ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے راہ مومنین کے غیر کو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو جمع فرما کر ان دونوں پر وعید کو مرتب فرمایا۔ اور راہ مومنین کے سوا کی اتباع سے لازم ہے راہ مومنین کی عدم اتباع۔ اور اجتماع ضدین و نقیضین محال ہے اور مذکورہ بالا صورت میں اجتماع ضدین ہے۔ پس راہ مومنین کی عدم اتباع حرام ہے (اور ثابت ہوا) کہ سبیل مومنین کی اتباع واجب ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وموالات۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ سبیل مومنین کے سوا اتباع حرام ہے اور سبیل مومنین کی اتباع واجب ہے اور مجتہدین عظام کی راہ بھی مومنین ہی کی راہ ہے اور ائمہ مجتہدین کی راہ پر چلنا مومنین کے راہ کی اتباع ہے جو بالنص واجب ہے۔ معلوم ہوا اتباع ائمہ مذاہب واجب ہے۔

صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں۔

فان الاستدلال يتوقف على تخصيص المؤمنين بأهل الحل والعقد في كل عصر والقرينة عليه غير ظاهرة بأمور آخر ذكرها الامدي والتلمستاني وغيرهما (الیٰ آخرہٖ)

اعتراض یہ تھا کہ راہ مومنین کے سوا کی اتباع مطلقا حرام نہیں بلکہ مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرط کے ساتھ حرام ہے۔

ایک قوم نے اس اعتراض کا جواب یوں دیا ہے اور وہ جواب تعریف کے لائق ہے۔ وہ جواب یہ ہے کہ مومنین کی تخصیص اہل حل وعقد کے پر موقوف ہے۔ صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں یہ استدلال کہ ہر زمانہ میں اہل حل وعقد کے ساتھ مومنین کو خاص کرنے پر موقوف ہے۔ اس استدلال پر قرینہ غیر ظاہر ہے۔ (یعنی کوئی ایسا قرینہ نہیں جو مومنین کو اہل حل وعقد کے ساتھ مخصوص کرے)

دوسرے چند امور کے ساتھ اس کو آمدی اور تلمستانی اور ان کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوا اگر سبیل مومنین سے مراد اہل حل وعقد کی تخصیص نہیں تو تعمیم ہے۔ یعنی اگر راہ مومنین کی اتباع کو آئمہ مجتہدین کی راہ کے ساتھ مخصوص نہ بھی کیا جائے پھر بھی سبیل مومنین کے عام ہونے میں ائمہ مجتہدین بھی داخل وشامل ہیں۔ لہٰذا ائمہ مذاہب کی راہ کی اتباع میں اتباع سبیل مومنین ہے۔ علماء ومفسرین کرام کے فرمودات آپ نے ملاحظہ فرمائے کہ راہ مومنین کی اتباع واجب ہے۔

جب علماء وصلحا نے تقلید کو واجب لکھا ہے تو لامذہب کیوں اس کو شرک وگناہ سے تعبیر کرتے ہیں اور علماء وصلحا کا خلاف درحقیقت اس آیت مبارکہ کی مخالفت ہے۔ رب کائنات نے اس امت کا وصف یوں بیان فرمایا (کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون باالمعروف وتنهون عن المنكر، آیه) اور علما امت ترک تقلید کے منکر دکھائی دیتے ہیں اور جو لوگ ترک تقلید کو جائز سمجھتے ہیں وہ علماء کے قول کے خلاف اور آیت مبارکہ کے مفہوم کے منکر ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ غیر مقلدین کے فرقوں میں بھی جماعت مومنین ہے اور ان کی اتباع کافی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ غیر مقلدین کے یہ فرقے اصول شرع میں سے دو کو بزعم خویش پکڑتے ہیں اور دو کو ترک کرتے ہیں لہٰذا اسلام کے سواد اعظم سے خارج ہیں اور جماعت اہل سنت و جماعت سے بہت دور۔

لہٰذا ان کی اتباع دوزخ سے نجات کیلئے کافی نہیں ورنہ ہر ایک صحیح ہونے کا مدعی ہے مثل رافضیہ، خارجیہ، معتزلہ، جبریہ اور قدریہ۔ یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اپنے علماء کے مذہب کے تابع ہیں۔

جو جواب غیر مقلدین اس کا دیں گے وہی جواب مقلدین کا غیر مقلدین کو ہے۔

اس آیت مبارکہ کی مثل دوسری آیۃ مقدسہ یہ ہے۔

والذین یحاجون فی الله من بعد مااستجیب له حجتهم داحضة عند ربهم وعلیهم غضب ولهم عذاب شدید (سورہ شوریٰ)

اور جو لوگ حجت بازی کرتے ہیں اللہ (کے دین) کے بارے میں اس کے بعد کہ (اکثر حق شناس) ان کو مان چکے سو ان کی حجت بازی لغو ہے ان کے رب کے نزدیک اور ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کیلئے سخت عذاب ہے۔

ان دو آیات مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طریقہ یا جس راہ پر مومنین صادقین کاملین چلتے ہوں اور جس راہ کو صادق الایمان لوگوں نے پسند کرلیا ہو۔ اس راہ کی مخالفت کرنا اور جدا ہو کر چلنا جہنمیوں اور مغضوب علیهم کا طریقہ ہے۔ اور آیت مبارکہ مذکورہ میں (المؤمنین) سے کل مومنین لغوی وشرعی مراد نہیں اور نہ کل امت یعنی ۷۲ فرقے مراد ہیں بلکہ اس سے اکثر علماء وصلحاء مراد ہیں اور وہ علماء وصلحا صادق الاعتقاد اور خالص القلب ہوں نہ کہ بد مذہب وبدعقیدہ۔

اس امر کی تائید میں چند احادیث مبارکہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ ثابت ہو جائے کہ مومنین سے مراد علماء صلحاء جو صادق الاعتقاد اور خالص القلب ہوں وہ مراد ہے۔

حدیث اوّل: اخرج ابن ابی حاتم عن مالك قال كان عمر بن عبدالعزیز یقول من سنّ رسول الله صلی الله علیه وسلم وولاة الامر من بعده سننا الاخذبها تصدیق الكتاب واستكمال لطاعة الله وقوة علی دین الله لیس كاحد تغییرها ولا تبدیلها ولاالنظر

فیما خالفها من اقتدی بها مهتدو من استنصر بها منصور و من خالفها اتبع غیر سبیل المؤمنین وولا ہ اللہ ماتولی وصلاہ جهنم وساء ت مصیرا (درمنثور ج اوّل جز دوم ص۲۲۲)

عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور آپ کے بعد حکام دینی کے (یعنی اولی الأمر) کے طریقوں پر چلا اوران کو اختیار کیا۔ اوران طریقوں کو پکڑنا کتاب اللہ کی تصدیق ہے اور اللہ عزوجل کی طاعت کی تکمیل چاہنا اور اللہ تعالیٰ کے دین پر قوت حاصل کرنا ہے۔ اور کسی کو نہیں چاہئے کہ وہ ان طریقوں میں تغیر وتبدل کرے۔ اور نہ ہی ان طرق کے مخالف استدلال کرے اور جس نے ان طریقوں کی اقتداء کی وہ ہدایت یافتہ بن گیا اور جس نے ان سے مدد طلب کی وہ منصور (یعنی مدد کیا ہوا) ہو گیا اور جس نے ان طرق کی مخالفت کی اس نے راہ مومنین کے سوا کی اتباع کی۔

اس حدیث پر غور کرنے سے ثابت ہوگا کہ (المؤمنین) سے کل مومنین لغوی وشرعی مراد نہیں بلکہ اولی الأمر علماء وصلحا ہیں جن کا راستہ کتاب اللہ کی تصدیق اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تکمیل کا اقتضاء (یعنی چاہنا) ہے اس طریق پر چل کر دین پر قوت حاصل کرنا ہے اور جو شخص اس طریق پر نہیں چلتا گویا کہ وہ راہ مومنین کے سوا کی اتباع کرتا ہے۔

حدیث دوم: عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لایجمع هذه الامة علی ضلالة ابدا وان یداللہ مع الجماعة فاتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار ۔

(حلیہ ج۳ص ۳۷، مستدرک ج٦ ص ۵۰۷-ترمذی جلد۳ص۲۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل اس امت کو کبھی بھی گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ کا دست قدرت جماعت کے ساتھ ہے۔ اس لئے سواد اعظم (یعنی بڑی جماعت) کا اتباع کرو جو اس جماعت سے جدا ہوا جہنم واصل ہوا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

مراد حث وترغیب است براتباع انچہ اکثر علماء دراں جانب اند۔

یعنی اس حدیث مبارک میں ترغیب ہے کہ ان کی اتباع کرنی چاہئے جس جانب اکثر علماء ہیں۔ اہلِ حدیث حضرات کو اگر شک ہو تو (ریفرنڈم) کرالیں پھر دیکھ لیں کہ علماء کس جانب ہیں۔ انشاء اللہ علماء کا ایک جم غفیر تقلید کے حق میں ہی اپنی رائے استعمال کرے گا۔

شیخ محمد طاہر مجمع البحار میں لکھتے ہیں۔

انظروا إلی ماعلیه اکثر علماء المسلمین من الاعتقاد والقول والفصل فاتبعوهم فیه فانه هو الحق وماعداه الباطل ۔

دیکھو مسلمانوں میں سے اکثر علماء کس پر ہیں۔ اعتقاد وقول اور فعل کے اعتبار سے جس قول یا اعتقاد پر اکثر علماء ہیں اس میں ان کی اتباع ضروری ہے بے شک وہی حق ہے اور اس کے سوا باطل۔

حدیث سوم: عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان الشیطان ذئب لانسان کذئب الغنم یاخذ الشاة القاصیة والناحیة فایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة ۔

(طبرانی فی الکبیر ج ۲۰ ص ۱۶۴، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۳، فردوس الاخبار دیلمی ج دوم ص ۵۳۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جس طرح بکریوں کے لئے بھیڑیا ہے جو بکریاں ریوڑ سے دور رہ جانے والی یا ریوڑ سے ایک طرف (الگ) ہونے والی ہیں ان کو پکڑ لیتا ہے (اس طرح جو جماعت سے جدا ہوا یعنی کسی کا مقلد نہ ہو وہ شیطان کا شکار بن جاتا ہے) پس اپنے آپ کو دامن کوہ (یعنی تنہا رہنے سے) یا دوسری راہوں پر رہنے سے بچا اور جماعت کو لازم پکڑو اور جماعت کثیرہ کی پیروی کرو۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اشارت است بآنکم معتبر اتباع اکثر جمهو راست چه اتفاق کل درهمه احکام واقع بلکہ ممکن نیست

یہ حدیث اس بات کا اشارہ ہے کہ اکثر کی اتباع جمہور کی اتباع ہے اور یہی معتبر ہے اس لئے کہ تمام احکام میں کل کا اتفاق ناممکن ہے۔

حدیث چہارم: عن ابی ذرقال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من فارق الجماعة شبرا فقد خلع وبقة الاسلام من عنقه (مسند احمد ج ۵ ص ۸۲)

یعنی جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہو۔ اس نے اپنی گردن سے قلادہ یعنی رسی اسلام کی اتار دی۔

حدیث پنجم: عن مالك الاشعری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله أجاركم من ثلاث خلال ان لایدعوا علیكم نبیكم فتهلكوا جمیعا ان لایظهر اهل الباطل على الحق وان لاتجتمعوا على ضلالة (ابوداؤد شریف حدیث نمبر ۲۴۳۲)

یعنی تین خصلت سے خدا نے تم کو پناہ دی تھی۔ ان میں سے تیسری یہ ہے کہ تم گمراہی پر اجماع نہ کروگے۔

حدیث ششم: عن عمر بن قیس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله وعدنی فی امتی واجارهم من ثلث لایعمهم بسنة ولایستاصلهم عدوا ولایجمعهم على ضلالة (دارمی شریف)

یعنی خدا نے وعدہ کیا ہے کہ میری امت نہ قحط سے ہلاک ہوگی اور نہ غلبہ دشمن سے برباد ہوگی اور نہ گمراہی پر جمع ہوگی۔

حدیث ہفتم: عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من فارق الجماعة مات میتة جاهلیة

(مسلم ج دوم، کتاب الارۃ، ص ۱۲۸)

گروہ کبیر یعنی جماعت سے جدا ہوکر مرنے والا گویا کفر کی موت مرگیا۔

حدیث ہشتم: عن الحارث الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرتکم بخمس بالجماعۃ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۴، ترغیب ج اوّل ص ۳۶۸، ترمذی شریف حدیث نمبر ۲۸۶۳)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں اور ان پانچ باتوں میں سے ایک یہ کہ جماعت یعنی گروہ کبیر کی پیروی کرو۔ اگر پوری حدیث مطلوب ہوتو (الترغیب والترہیب) کی طرف رجوع فرمائیں۔

حدیث نہم: عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ بحبوحۃ الجنہ فعلیہ باالجماعۃ فان الشیطان مع الفز (وفی روایہ مسلم) مع الفرد وھو من الاثنین ابعد وزاد البخاری فی الکبیر ان یدا اللہ علی الجماعۃ

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۳۴۱، التاریخ الکبیر ج ۷ ص ۳۱۳)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو جنت کی عیش وعشرت پسند ہو اس پر جماعت کی پیروی لازمی ہے اس لئے کہ شیطان ایک کے ساتھ ہے اور دو سے بہت دور۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ کی نصرت جماعت کے ساتھ ہے۔

حدیث دہم: عن ابی بصرۃ الغفاری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سالت ربی ان لایجمع امتی علی ضلالۃ فأعطانیھا

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۵، طبرانی الکبیر ج ۲ ص ۱۸۰)

حضرت ابوبصرہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب سے دُعا کی (اے اللہ) میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو۔ پس میں نے جو سوال کیا میرے رب نے مجھے عطا فرمادیا۔ یعنی خدائے بزرگ و برتر نے میرا یہ سوال پورا کر دیا ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔

حدیث یازدہم: عن ابن مسعود ماراہ المسلمون حسنا فهوا عند الله حسن وما راہ المسلمون قبیحًا فهو عند الله قبیح

(رواہ موطا)

یعنی جس چیز کو اکثر مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

حدیث سیزدھم: لایعقد قلب مومن علی ثلاث خصال الادخل الجنة قال قلت ماهو قال اخلاص العمل والنصیحة لولاة الامر ولزوم الجماعة ۔ (رواہ الدارمی عن انس بن مالک ج اوّل ص۷۴، ۷۵)

یعنی جس مسلمان میں تین خصلتیں ہوں وہ جنتی ہے۔ بے ریا عمل کرنا، حکام کی خیر خواہی اور بڑی جماعت کی پیروی۔

حدیث چہاردھم: عن عرفجة قال سمعتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم أویفرق جماعتکم فاقتلوه (مسلم شریف ج دوم ص ۱۲۸)

یعنی جو کوئی تمہارے پاس آئے اور حالانکہ تم سب ایک شخص کے ماموروتابع ہو اور وہ چاہے کہ تمہاری جماعت کو توڑے یا تفریق ڈالے اس کو قتل کردو۔

حدیث پانزدھم: عن عرفجة الاشجعی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ستکون بعدی هنات ، هنات فمن رایتموه فارق الجماعة فکانما فارق بین امتی فاقتلوهُ کائنا من کان فان ید الله مع الجماعة وان الشیطان مع مفارقة الجماعة یرکض

(شعب الایمان ج ۶ ص ۶۶)

یعنی قریب ہے کہ میرے بعد کئی قومیں پیدا ہوں گی پس جس کو دیکھو کہ جماعت یعنی امت محمدیہ کو جدا جدا کرنا چاہتا ہے گویا کہ اس نے میری امت کے درمیان جدائی ڈالی خواہ وہ کوئی بھی ہو اس کو قتل کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قوۃ ونصیحت اور مدد جماعت کے ساتھ ہے اور شیطان اکیلے کے ساتھ۔

حدیث شانزدھم: عن حذیفة رضی الله تعالیٰ عنه قلت هل بعد ذالك الخير من شر قال نعم دعاة على ابواب جهنم من أجابهم اليها قذفوه فيها فقلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم صفهم لنا قال نعم هم قول من جلدتنا ويتكلمون بألسنتنا قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم فماترى أن أدركني ذالك قال تلزم جماعة المسلمين وامامهم (مسلم شریف ج دوم ص ۱۲۷)

حضرت حذیفہ بن یمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس زمانہ خیر کے بعد زمانہ شر آئے گا۔ فرمایا ہاں جہنم کے دروازے پر بلانے والے کھڑے ہیں جو ان کی مانے گا جہنم میں جائے گا۔ پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا حال بیان فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہماری قوم وملت میں سے ہوں گے۔ اور ہماری زبان سے (قرآن وحدیث سے) کلام کریں گے۔ پھر صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں ان کا زمانہ پاؤں تو کیا کروں۔ آپ نے فرمایا مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑو اور ان کے امام کی پیروی کرو۔

یہ چند احادیث مبارکہ بطور نمونہ پیش کی ہیں اگر مزید احادیث دیکھنا چاہتے ہوں تو بندہ ناچیز کی کتاب (اہل سنت وجماعت حقیقت کے آئینے میں) ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں آپ کو مکمل تحقیق ملے ہوگی اور اس وقت ان احادیث کے پیش کرنے کی غرض یہ ہے کہ جملہ اہل ایمان کو علماء وصلحاء کے اکثر کی اتباع لازم ہے کیونکہ یہی لوگ مطاع ومرشد ومقتداء بننے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ پس جب جماعت کی متابعت واجب ہوئی اور اتباع جماعت سے اتباع سنت نبوی حاصل ہے تو متبع جماعت کا نام گروہ اہل سنت وجماعت ہوا جس کے جنتی ہونے کی بشارت کئی احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔ ان میں سے ایک حدیث جو حضرت معاویۃ بن ابوسفیان سے مروی ہے آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

عن معاوية بن ابى سفيان قال قال النبى صلى الله عليه وسلم ان

بني اسرائيل تفرقت على اثنين وسبعين ملة وتفترق امتي على ثلاث وسبعين ملة كلهم في النار الاملة واحدة قالوا من هي قال ما أنا عليه واصحابي وفي رواية وواحدة في الجنة وهو الجماعة (مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۰، طبرانی فی الکبیر ج ۱۹ ص ۳۷۷، ج ۸ ص ۱۵۳)

اس حدیث مبارک کا حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ کے تہتر ۷۳ فرقے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ ہی جنتی ہے باقی تمام جہنمی۔ اور جنتی فرقہ کی علامت یہ ہے کہ وہ بحیثیت اتفاق ایک جماعت ہے۔ (ومن حيث الاعمال والافعال) یعنی اعمال وافعال کی حیثیت سے متبع سنت ہیں۔

جس کا خلاصہ یہ نکلا کہ اہلسنّت و جماعت جنتی ہیں کیونکہ آ ثار صحابہ اور اقوال و افعال نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت کہتے ہیں اور بہمہ وجوہ یکسو ہو کر اصول اسلامیہ پر عمل کرنے سے جو صورت وہیئت مجموعی حاصل ہوتی ہے اس کا نام ہے جماعت۔ لہٰذا فرقہ ناجیہ کا نام اہل سنت و جماعت ہے۔

اب میں صرف یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ اہل سنت و جماعت کون ہیں۔ اگر غور وخوض کرو تو مقلدین ہی اہل سنت و جماعت ہیں۔ علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ درمختار کتاب الذبائح میں فرماتے ہیں۔ اصل عبارت تو کتاب کے اوائل میں منقول ہے اب فقط اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

بعض مفسرین عظام نے فرمایا: اے ایماندارو! فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کی اتباع کو لازم پکڑو اور وہ فرقہ مقلدین مذاہب اربعہ ہے۔ بالتحقیق اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی مدد اور توفیق ان کی موافقت میں ہے اور ان کے خلاف کرنے میں خسران ورسوائی۔ اور جو ان حضرات کی تقلید متابعت سے خارج ہوا وہ بدعتی اور جہنمی ہے۔ علامہ طحطاوی کے قول سے حدیث مبارک کی تفصیل ہوگئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ جو شخص مجتہدین کا متبع ہے وہی صحابہ کرام کا متبع ہے اس واسطے تقلید صحابہ سے عوام کو منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اوائل کتاب میں اس کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام کے زمانہ مبارک میں کوئی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا متبع تھا اور کوئی عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یا بعض میں ان کا اور بعض میں ان کا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصول صحابہ عوام کیلئے کافی ووافی نہ تھے ان کو تو مہمات جہاد وغیرہ سے فراغت ہی نہ تھی اور نہ ہی ان کے مسائل اصولی وفروعی مدون ومرتب تھے۔ نیز وہ خود بھی عالم حدیث تھے اور علم نبوت کی اشاعت اکثر کے دل میں موجزن تھی اور آفتاب رسالت کی روشنی کا پرتو اکثر کے روح وقلب کو منور کر رہا تھا۔ اس واسطے ان کو ایسی ضرورت نہ تھی اور ہمارے اس زمانہ میں اس وقت ائمہ اربعہ کے تحقیق کردہ مسائل سب کیلئے کافی ہیں۔ لہٰذا دو اماموں کی تقلید کی ضرورت نہ رہی۔

مجمع البحار جو صحاح ستہ وغیرہ کی معتبر شرح ہے۔ لکھتے ہیں علماء اصول نے دو مجتہدوں کی تقلید کو منع کیا ہے۔ خصوصاً ہر ایک مذہب سے آسان وحسب منشا مسائل اخذ کرنا فسق ہے۔ چنانچہ آپ کی عبارت پیش خدمت ہے۔

لکن منعه الاصولین للمصلحة وحكى عن بعضهم ان من اختار من كل مذهب ماهو اهون يفسق ۔

یعنی تمام ائمہ مذاہب کا مقلد بننے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے۔

اب ذرا حدیث معاویہ بن ابوسفیان کی طرف جاتے ہیں۔ اس حدیث مبارکہ سے چند امور مستفاد ہوتے ہیں۔

(۱) مذہب اہل سنت یقیناً حق اور واجب الاعتقاد ہے۔

(۲) جو اہل سنت وجماعت کے خلاف ہے قطعاً باطل اور ضلالت ونکال کا موجب ہے۔

(۳) صرف یہی ایک مذہب حق اور ناجی ہونے کا مدعی ہو سکتا ہے۔

(۴) جو شخص مذہب اہل سنت وجماعت کو جنتی اور دیگر مذاہب کو جہنمی تصور نہ کرے وہ حدیث مبارک کا مخالف ہے۔

(۵) اقوال واحوال اور افعال نبویہ علیہ التحیۃ والثناء اور طریقۂ صحابہ کو سنت کہتے ہیں اور اہل اسلام کی کثرت کا نام جماعت ہے۔ اسی وجہ سے گروہ اہل سنت وجماعت،

جماعت کے نام سے موسوم ہوا۔

(۶) صرف امت محمدیہ میں شامل ہونے اور کلمہ گو ہونے سے گروہ ناجیہ میں داخل نہیں ہوسکتا ہے بلکہ اعتقاد کامل اور صحابہ وعلماء خیر کا تعامل شرط اعظم ہے۔

(۷) علماء ربانیین اور صلحاء کاملین وغیرہ کے نزدیک مقلدین ہی فرقہ ناجیہ ہیں نہ کہ کوئی اور۔

(۸) جو اہل سنت کے مخالف ہے یعنی رافضی، خارجی، مرزائی، وہابی، غالیہ، ناصبی وغیرہ یہ تمام گروہ فرقہ ناجیہ سے خارج ہیں۔

(۹) مقلدین کے مخالف کے قول وفعل اور عقیدہ پر اپنا عمل واعتقاد اور ان کو اپنا پیشوا ومقتداء تصور کرنا (کلھا فی النار) کے مصداق جہنم میں داخل ہونا ہے۔

(۱۰) صرف سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا اور سنت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ترک کردینا گروہ غیر ناجیہ کی علامت ونشانی ہے۔

(۱۱) سنت نبوی اور سنت صحابہ کے قائل وعامل اور ناقل، ائمہ مجتہدین ہیں اور ان کے اقوال وافعال کے صرف مقلدین ہی متبع ہیں لہٰذا یہی فرقہ ناجیہ ہے اور اہل سنت ہے۔

(۱۲) ہر ایک مذہب کو اپنانا اور جملہ احکام مذاہب اربعہ کا متبع ہونا اور اردو ترجمہ بخاری و مشکوٰۃ پڑھ کر مجتہدین کے مسائل محققہ ومجتہدہ پر صواب وخطا کا حکم لگادینا اور اپنے آپ کو مجتہدوں سے بڑھ کر تصور کرنا گمراہوں کی علامت ہے اور کلھم فی النار کی علامت ان تمام امور کو مدنظر اور ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے یہ کہنا اور ماننا پڑے گا کہ ہر ایک امتی اور کلمہ گو اور عامل صواب جب تک اہل سنت وجماعت میں داخل وشامل نہ ہو تب تک جنتی گروہ میں معدود ومحسوب (یعنی شمار کیا ہوا) نہیں ہوسکتا۔ تو کس قدر افسوس ہے ان لوگوں پر جو غیر مقلدوں اور دیگر بد مذہب فرقوں کے پیشواؤں کو نیک اور صادق الایمان اور سچے دیندار سمجھتے ہیں۔ میں نہایت دیانتداری اور ذمہ داری سے عرض کرتا ہوں کہ جب تک مخالفین وخارج از مذہب

اہل سنت کو مردود و جہنمی نہ سمجھا جائے گا تب تک مومن کامل وصادق وخالص آدمی تصور نہیں ہوگا اور جو شخص مذہب اہل سنت و جماعت کے مخالفین کو سچا، پارسا، دیندار، ناصح اور صالح سمجھے گا عنقریب وہ ایمان سے محروم ہوکر رہ جائے گا۔ کیونکہ نیک کو بد اور بد کو نیک جاننا کمال درجہ کی بے دینی وحماقت ہے اور بد کو بد اور نیک کو نیک سمجھنا عین ایمان ہے۔

غرضیکہ آیت مبارکہ (**ویتبع غیر سبیل المؤمنین**) میں مخالف سبیل مومنین اور احادیث مذکورہ میں مخالف سوادِ اعظم کے حق میں وعیدیں وارد ہوئی ہیں اور ایمان داروں پر فرض ہے کہ سبیل مومنین اور سوداعظم کی اتباع واطاعت کریں۔ سبیل مومنین و سواد اعظم کی تحقیقات وتصدیقات، علماء وفضلا اور اقوال وافعال صلحا وفقہا سے عبارت ہے۔ علماء وفقہا وصلحا تقلید شخصی کو واجب کہتے چلے آئے ہیں اور خود بھی ایک ہی مذہب کے متبع وپیرو رہے ہیں چنانچہ جامعین صحاح ستہ بھی مقلد تھے۔

"حطہ فی ذکر صحاح ستہ" میں ہے (**کان محمد بن اسماعیل البخاری من اصحاب الشافعی الخ**) اوراس طرح تا حال علماء مکہ ومدینہ و دیگر بلاد اسلامیہ بھی مقلد ہی ہیں۔

پس جبکہ جملہ محدثین کا قولاً وفعلاً وعملاً وجوب تقلید شخصی پر اتفاق ہے تو اب کون شخص ان کو مشرک وبدعتی کا خطاب دے کر تقلید شخصی کو حرام وبدعت کہہ سکتا ہے اور جو شخص علوم دینیہ کے بانی اور اسلام کے حامی کو شرک وبدعتی و فاسق کہے وہ ہرگز مسلمان اور فرقہ ناجیہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص باوجود ایسے اُدلہ قاطعہ کے یہ کہے کہ علماء وصلحا کے کہنے سے کوئی چیز فرض وواجب نہیں ہوتی اور اس پر اعتقاد ضروری نہیں تو ہم اس کو دست بستہ عرض کریں گے کہ یہ اعتراض سراسر ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہے کیونکہ حدیث سے صاف ثابت وظاہر ہے کہ علماء وصلحاء کے مطلق زبان سے کہہ دینے سے بھی وجوب ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی تو خدا کے گواہ ہیں۔ اس پر جو گواہی دیں گے اسی گواہی کے مطابق خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم جاری ہوگا۔ اس پر

سردست اس وقت ایک ہی حدیث پیش کی جاتی ہے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بجنازۃ فاثنوا علیھا بخیر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجبت ومر بأخری فاثنوا علیھا بشر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجبت فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماوجبت فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم ھذا أثنیتم خیرًا وجبت لہ الجنۃ وھذا اثنیتم علیہ شرًا وجبت لہ النار انتم شھداء اللہ فی الارض (رواہ البخاری والمسلم)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو میتوں پر ہوا اور ایک میت کی نسبت لوگوں نے اچھے الفاظ کہے اور دوسری میت کی نسبت بدالفاظ کہے۔ تو آپ نے فرمایا دونوں پر واجب ہوگئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، کیا واجب ہوگئی۔ حضور سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اوّل پر جنت اور دوسری پر جہنم۔ اس واسطے کہ تم نے جو گواہی دی ہے اُس سے ایک جنتی ہوگیا اور ایک جہنمی، کیونکہ تم لوگ زمین پر خدا کے گواہ مقرر ہو جس پر جو گواہی دو گے اس پر وہی حکم چلایا جائے گا۔

اب خیال کرنے کا موقع ہے کہ ایک امام کی تقلید نہ کرنے والے کو علماء اسلام نے بدعتی وخارج از مذہب اہل سنت اور فاسق واہل نار وغیرہ کے القاب سے ملقب کیا ہے اور ان کا ارشاد نافع العباد، اس حدیث صحیح کے عین موافق ہے لہٰذا ان کے اقوال کو غیر معتبر اور خالی از ہدایت تصور کرنا، احکام نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف، علی الاعلان انکار ہے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بوسیلہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر سب مسلمانوں کو احکام نبویہ کے انکار سے پناہ عطا فرمائے۔ آمین۔

دلیل پنجم: اللہ عزوجل کا فرمان۔

یاایھا الذین آمنو اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ (الایہ)

اے ایمان دارو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف کوئی وسیلہ تلاش کرو۔

یاایھا الذین آمنو اتقوا اللہ وکونو امع الصادقین

اے ایماندارو! تقویٰ اختیار کرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

یہ دونوں آیات مقدسہ مذاہب اربعہ کی تقلید پر روشن دلیل ہیں کیونکہ عموم وسیلہ اور صادقین میں ائمہ مذاہب بھی داخل ہیں۔

صاحب تفسیر مدارک فرماتے ہیں۔

والایة تدل علی ان الاجماع حجة لانه امر بالکون مع الصادقین فلزم قبول قولھم (تفسیر مدارک علی الخازن ج دوم ص ۲۹۴)

یعنی آیۂ مقدسہ (وکونوا مع الصادقین) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اجماع حجت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا ان کے قول کا قبول کرنا لازم ہوا۔

معلوم ہوا ائمہ اربعہ کی تقلید واجب ہے کیونکہ ان کے اقوال کو قبول کرنا لازم ہے۔

صاحب تفسیر قرطبی فرماتے ہیں۔

واختلف فی المراد ھنا بالمؤمنین والصادقین علی اقوال وقیل ھو خطاب لجمیع المؤمنین ای اتقوا مخالفة امر اللہ (وکونوا مع الصادقین)

ای کونوا علی مذھب الصادقین وسبیلھم (تفسیر قرطبی، جز ۸ ص ۱۸۳)

اس آیۂ مقدسہ میں مؤمنین وصادقین کی مراد میں علماء کا اختلاف ہے۔

ایک قول کے مطابق یہ تمام مومنین کو خطاب ہے کہ اے ایماندارو! اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت سے بچو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ یعنی صادقین کے مذہب اور ان کی راہ پر ہو جاؤ۔ معلوم ہوا جملہ مومنین کو صادقین کی معیت کا حکم دیا گیا ہے اور صادقین میں ائمہ مذاہب بھی داخل وشامل ہیں لہٰذا ان کے اقوال پر عمل کرنا واجب ہے اور یہی تقلید ہے۔

صاحب تفسیر کبیر لکھتے ہیں۔

(المسئلة الاولی) انه تعالیٰ أمر المؤمنین بالکون مع الصادقین

ومتی وجب الکون مع الصادقین فلابدمن وجود الصادقین فی کل وقت وذالك یمنع من اطباق الکل علی الباطل ومتی امتنع اطباق الکل علی الباطل وجب اذا اطبقوا علی شی ان یکونوا محقین فهذا یدل علی ان اجماع الامة حجة ۔

(تفسیر کبیر، جز ۱۶ ص ۲۲۰)

(پہلا مسئلہ) اللہ عزوجل نے مومنوں کو صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے اور جب صادقین کے ساتھ ہونا واجب ہوا تو ضروری ہے کہ صادقین کا ہر زمانہ میں وجود ہو اور یہ وجود صادقین، کل کا باطل پر جمع ہونے سے ممتنع ہے اور جب کل کا باطل پر جمع ہونا ممتنع ہوا تو جس چیز پر جمع ہو گئے وہ صادقین ہوں۔ اور یہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ اجماع امت حجت ہے۔

جب اس آیۃ مقدسہ سے اجماع امت ثابت ہوگیا تو ائمہ مذاہب کا صادقین ہونا متحقق ہوگیا اور ان کی تقلید کرنا اس آیۂ کریمہ کے مطابق واجب ہوئی۔

صاحب تفسیر بیضاوی ودیگر ائمہ مفسرین بالفاظ متقاربہ اللہ عزوجل کے قول (واتبعوا الیہ الوسلة) کے ماتحت فرماتے ہیں۔

الوسیلة ماتتوسلون به الی ثوابه والزلفٰی منه من فعل الطاعات وترك المعاصی من وسل الٰی کذا اذا تقرب الیه

یعنی وسیلہ وہ ہے جس کے توسط سے تم ثواب کو پہنچو۔

اور صحاح للجوہری میں ہے الوسیلة التوصل الی شی برغبة وهی أخص من الوصیلة لتضمنها معنی الرغبة

یعنی وسیلہ خواہش ورغبت کے ساتھ کسی چیز تک پہنچنے کو کہتے ہیں اور یہ (یعنی وسیلہ) وصیلہ (یعنی حرف صاد سے) سے بھی خاص ہے کیونکہ لفظ (وصیلہ) بذات خود معنی رغبت کو متضمن وشامل ہے۔ معلوم ہوا وسیلہ رغبت وخواہش کے ساتھ کسی تک پہنچنے کو کہتے ہیں اور اس جگہ وسیلہ سے مراد ائمہ مجتہدین ہیں جو کہ طاعات وخیرات کے حصول اور منکرات

ونہیات کے ترک کا باعث ہے اور اس جملہ وسیلہ سے مراد ایمان بھی نہیں۔ کیونکہ مخاطب اہل ایمان ہیں اور عمل صالح بھی مراد نہیں کیونکہ وہ تقویٰ میں داخل ہے۔ اس لئے کہ تقویٰ عبارت ہے اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے کا۔ اور جہاد بھی مراد نہیں کیونکہ اس کے آگے (وجاھدوا) موجود ہے لہٰذا متعین ہوگیا کہ اس جگہ وسیلہ سے مراد تقلید مجتہد ہی ہے۔

اس لئے امام فخر الدین رازی اس آیہ کریمہ کے ماتحت فرقہ تعلیمیہ کا ایک اعتراض نقل کرنے کے بعد اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ (وھو ھذا)

تعلیمیہ کہتے ہیں جب وسیلہ مقصود ومطلوب تک پہنچنے کا نام ہے تو یہ آیۃ مقدسہ دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل اسمہ کی معرفت وعلم کیلئے کوئی معلم ومرشد ہو۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے طلب وسیلہ کا مطلقا حکم دیا ہے اور اللہ عزوجل کے ساتھ ایمان اشرف مقاصد میں سے ہے اس لئے کسی معلم ومرشد کی ضرورت ہے۔ اس کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

وجوابنا: انه تعالى انما امربا بتغاء الوسيلة اليه بعدالايمان به والايمان به عبارة عن المعرفة به فكان هذا أمرًا بإبتغاء الوسيلة اليه بعد الايمان وبعد معرفته فيمتنع ان يكون هذا امرا بطلب الوسيلة اليه فى معرفته فكان المراد طلب الوسيلة اليه فى تحصيل مرضاته وذالك بالعبادات والطاعات ۔

(تفسیر کبیر جز ۱۱ ص ۲۲۰)

اور ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی طرف وسیلہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے وہ اس پر ایمان لانے کے بعد ہے اور اس کے ساتھ ایمان لانا عبارت ہے اس کی معرفت سے۔ پس یہ امر جو اس کی طرف وسیلہ کے طلب کرنے کے ساتھ دیا گیا ہے یہ اس کی معرفت وایمان کے بعد ہے۔ پس یہ بات ممتنع ہے کہ یہ امر اس کی معرفت کیلئے اس کی طرف وسیلہ طلب کرنے کیلئے ہو۔

پس اس کی طرف طلب وسیلہ اس کی پسندیدگی حاصل کرنا مراد ہے اور یہ اطاعات اور عبادات کے ساتھ ہی ممکن ہے۔

پوری کلام کا حاصل یہ کہ اس جگہ وسیلہ سے مراد طاعات وعبادات ہیں جو اللہ عزوجل کے قرب کا ذریعہ وباعث ہیں اور ائمہ مجتہدین طاعات وخیرات کے حصول اور منکرات ومنہیات کے ترک کا باعث وسبب ہیں۔ لہٰذا اس جگہ وسیلہ سے ائمہ مجتہدین کی تقلید ہی مراد ہے کیونکہ مسائل فروعیہ اختلافیہ اجتہادیہ میں ہم ائمہ مجتہدین کے محتاج ہیں اور ان کی تقلید کے بغیر عبادات کے ثواب تک حصول ممکن نہیں اور ترک منکرات ومنہیات بھی ناممکن۔

اسی طرح آیۂ مقدسہ (وکونوا مع الصادقین) میں بھی صادقین سے مراد وہی اشخاص ہیں جن کے توسل سے صداقت روحانی وجسمانی مکمل حاصل ہو اور وہ صداقت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مجتہدین شریعت اور مشائخان طریقت کی اتباع کی جائے۔ جب کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان (ولاتجعلوا للہ اندادا) کے ماتحت تحریر فرمایا۔ فرماتے ہیں۔

کسانیکہ اطاعت آنہا بحکم بخدا فرض است شش گروہ اند

ازانجملہ مجتہدان شریعت ومشائخان طریقت ...... الی آخرہ

یعنی جن لوگوں کی اطاعت بحکم خدا فرض ہے وہ چھ گروہ ہیں ان میں سے مجتہدان شریعت و مشائخان طریقت بھی ہیں پس وسیلہ تلاش کرنا اور صادقین کے ساتھ رہنا ازروئے اطاعت ومحبت فرض ہوا۔

وسیلہ صادقین سے مراد مجتہدین ومشائخین ہوئے تو مجتہدین کی تقلید اور مشائخین کی بیعت وارادت واجب ہوئی کیونکہ (کونوا اور وابتغوا) دونوں امر کے صیغہ ہیں اور صیغہ اُمر اکثر وجوب پر دلالت کرتا ہے لہٰذا تقلید واجب ہوئی۔

اب رہا سوال کہ صادقین تو جمع ہے ایک کی تقلید کس طرح واجب ہوئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مجموعی طور پر ائمہ اربعہ کی تقلید واجب ہے اسی طرح حکم ہے کہ

احتیاط وتقویٰ اختیار کرو اور احتیاط وتقویٰ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میں سب سے زیادہ موجود ہے۔ کیونکہ مذہب حنفی میں ادنیٰ سے ادنیٰ مستحب بھی متروک نہیں ہوتا اور ادنیٰ سے ادنیٰ مکروہ مقبوح بھی استعمال نہیں ہوا۔

دیگر ائمہ عظام کے نزدیک جو پانی پاک ہے وہ امام صاحب کے نزدیک غیر جائز ہے اور امام صاحب نے جس پانی کو پاک کہا وہ تمام ائمہ کرام کے نزدیک پاک ہے۔ اسی طرح ائمہ کے نزدیک سر کا مسح کسی کے نزدیک ربع سر سے کم یا زیادہ ہے جبکہ امام صاحب کے نزدیک تمام سر کا مسح کرنا مستحب ہے۔ اس میں سب کچھ آ گیا لہٰذا امام صاحب کا مذہب زیادہ تر احوط وافضل واحسن ہے تو پاک پروردگار فرماتا ہے (فاستبقوا الخیرات) یعنی نیکی حاصل کرنے میں سبقت وپیش قدمی کرو۔

دلیل ششم: اللہ عزوجل کا فرمان۔

وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفرمن کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قولھم اذا رجعوا الیھم لعلم یحذرون ۔

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں (کنزالایمان)

اس آیۃ مقدسہ سے ثابت ہوا فقہ کا سیکھنا فرض ہے اور جو لوگ فقہ سیکھیں وہ دوسروں کو اس کے متلق بتائیں اور ان لوگوں کا ان فقہیوں کے احکام پر عمل کرنا اس کا نام تقلید ہے جس کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے۔

صاحب تفسیر مظہری اس آیۃ مبارکہ کے ماتحت ارشاد فرماتے ہیں۔

قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ ھو معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا والتخصیص بالعلم بفروع الدین اصطلاح جدید والظاھر انہ

یشتمل علم المقلد ایضًا فالمقلد اذا اخذالعلم من المجتهد او من کتابہ فقد اڈی ماوجب علیہ بھذا الایۃ و اللہ اعلم بالصواب (تفسیر مظہری ج ۴ ص ۳۲۲)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں فقہ، معرفت نفس کا نام ہے جو اس نفس کیلئے ہے یا جو اس نفس پر ہے۔ اور فقہ کو فروغ دین کے علم کے ساتھ خاص کرنا یہ جدید اصطلاح ہے۔ اور ظاہر ہے یہ علم مقلد کو بھی شامل ہے پس جب مقلد مجتہد سے علم اخذ کرتا ہے یا اس کی کتاب کو پڑھ کر علم حاصل کرتا ہے تو تحقیق اس پر جو واجب تھا ادا ہوگیا۔ بمطابق اس آیۂ کریمہ کے۔ قاضی ثناء اللہ عثمانی رحمۃ علیہ اللہ کی یہ تصریح روز روشن کی طرح مبین ہے کہ تقلید بھی واجب ہے جس طرح علم فقہ کا سیکھنا فرض ہے اس طرح اس فقیہ کی تقلید بھی فرض ہے۔ اس لئے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلق تقلید کو فرض فرمایا ہے انشاء اللہ عنقریب آپ کی اس مسئلہ پر مفصل تحقیق سماعت فرمائیں گے۔

صاحب تفسیر خازن اس آیۃ مقدسہ کے ماتحت ارقام فرماتے ہیں۔

وفی الاصطلاح الفقہ عبارۃ عن العلم باحکام الشرائع واحکام الدین و ذالک ینقسم الی فرض عین وفرض کفایۃ

(تفسیر خازن ج دوم ص ۲۹۷)

یعنی اصطلاح میں فقہ شرائع اور احکام دین کے علم سے عبارت ہے اور یہ فرض عین اور فرض کفایہ کی طرف منقسم ہے۔

اور فرض عین کیا ہے ہر مکلّف پر نماز، روزہ اور طہارت وغیرہ کے احکام کی معرفت، جس کے حق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور اسی طرح ہر وہ عبارت جو بحکم شرع مکلّف پر واجب ہوتی ہے اس کی معرفت بھی اس پر واجب ہے۔

مثلاً جب مالدار ہوگیا تو زکوۃ کا علم اور جب حج واجب ہوگیا تو علم احکام حج وعلیٰ هذا القیاس دیگر عبادات۔

اور فقہ میں سے فرض کفایہ علم یہ ہے کہ علم فقہ سیکھے یہاں تک کہ وہ رتبہ اجتہاد اور درجہ فتوی کو پہنچ جائے۔ اور جب اہل شہر اس کے سیکھنے سے بیٹھ جائیں تو تمام اہل شہر گنہگار ہیں۔

اور کوئی ایک بھی اگر اس علم کو سیکھ کر درجہ فتوی پر پہنچ جائے تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے اور ان لوگوں پر جو نئے نئے واقعات درپیش ہوتے ہیں ان میں اس فقیہ کی تقلید کرنی چاہئے اور یہ تقلید بھی فرض ہے کیونکہ یہ نص قطعی سے ثابت ہے۔

صاحب تفسیر قرطبی فرماتے ہیں۔

وفی هذا ایجاب التفقه فی الکتاب والسنة وانه علی الکفایة دون الاعیان ویدل علیه ایضا قوله تعالی (فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون) فدخل فی هذا من لایعلم الکتاب والسنن

(تفسیر قرطبی جز ۹ ص ۱۹۶)

یہ آیۃ مبارکہ کتاب وسنت میں تفقہ (فقہ کے سمجھنے) کو واجب کرتی ہے اور علم فقہ سیکھنا واجب علی الکفایہ ہے نہ کہ فرض عین۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے یعنی (**فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون**) اور اس میں جو کتاب وسنن کو نہیں جانتا وہ بھی داخل ہے یعنی اہل ذکر سے سوال بھی واجب ہے

معلوم ہوا فقہ کا سیکھنا فرض علی الکفایہ یا واجب ہے اور اس فقیہ سے (جس نے یہ علم سیکھا) احکامات اور جو حادثات واقع ہوئے ہیں، پوچھنا اور ان پر عمل کرنا اس کا نام تقلید ہے اور یہ نص سے ثابت ہے۔ جب کہ امام قرطبی کے قول سے واضح ہوا کہ جس طرح تفقہ (یعنی سمجھنا یا سیکھنا) کتاب وسنت میں فرض علی الکفایہ ہے اس طرح جو یہ صلاحیت نہیں رکھتے ان کے لئے پوچھنا اور اس پر عمل کرنا بھی فرض ہے۔ اور اس کا نام

تقلید ہے جس کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے۔

اس طرح اس آیۃ مبارکہ کے ماتحت صاحب تفسیر روح المعانی نے تحریر فرمایا کہ تفقہ فی الدین، فرض کفایہ ہونے پر علماء نے اس آیۂ کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

غالبًا ان تصریحات کی بنا پر فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تقلید مطلق کو فرض قطعی قرار دیا ہے۔ اب سنئے فاضل بریلوی اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے رسالہ فیض مقالہ ''ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار'' کے آخر میں تمیز سنی ووہابی کیلئے چند کلمات مجملہ ارشاد فرمائے، جو ان کو مانے وہابیت سے پاک ہوسنی بن جائے از انجملہ فرمایا۔

(۴) تقلید ائمہ فرض قطعی ہے بے حصول منصب اجتہاد اس سے روگردانی گمراہ بد دین کا کام ہے غیر مقلدین مذکورین اور ان کے اتباع و اذناب کہ ہندوستان میں نامقلدی کا بیڑا اٹھائے ہیں محض سفیہان نامشخص ہیں ان کا تارک تقلید ہونا اور دوسرے جاہلوں کا اپنے سے بھی اجہلوں کو ترک تقلید کا اغوا کرنا صریح گمراہی وگمراہ گری ہے۔

(۵) مذاہب اربعہ اہل سنت سب رشد وہدایت ہیں جو ان میں سے جس کی پیروی کرے اور عمر بھر اس کا پیرو رہے کسی مسئلہ میں اس کے خلاف نہ چلے وہ ضرور صراط مستقیم پر ہے اس پر شرعاً کوئی الزام نہیں۔ ان میں سے ہر مذہب انسان کے لئے نجات کو کافی ہے۔ تقلید شخصی کو شرک یا حرام ماننے والے گمراہ، ضالین، متبع غیر سبیل المؤمنین ہیں۔

ایک مولوی صاحب جو مولوی طیب عرب کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ پڑھا اور فاضل بریلوی کی خدمت اقدس میں ایک عریضہ لکھ ڈالا اور سوال کیا کہ آپ تقلید کی کون سی قسم کو فرض قطعی فرماتے ہیں۔

اس جواب میں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ منیفہ ''اطائب الصیب علیٰ ارض الطیب'' تحریر فرمایا۔

فرماتے ہیں ایک خوشی کی بات یہ ہے کہ گفتگو ایک امر دینی میں ہے اور سوال ایک

فرض الٰہی ہے۔تو میں نے جواب دینا چاہا باامید ثواب واظہار صواب واداے حق محبت ارباب برادرم اگر اس معاملہ میں قرآن عظیم کی طرف رجوع کرتے تو مجھ جیسے مقلد کی جانب رجوع کی حاجت نہ ہوتی جیسا کہ آپ اپنے خیال میں قرآن فہمی کے باعث حضرات مجتہدین رضی اللہ عنہم سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔آپ نے دیکھا کہ آپ کا رب کیا فرمارہا ہے اور اس کا قول سچا ہے (وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ، الآیۃ) یعنی مسلمان سب کے سب تو باہر جانے سے رہے۔

تو کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ سے ایک ٹکڑا نکلتا کہ دین میں فقہ سیکھے اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائے اس امید پر کہ وہ خلاف حکم کرنے سے بچیں۔تو اللہ تعالیٰ نے فقہ سیکھنا فرض فرمایا اور عام مومنین کو اس سے معاف فرمایا ورمہمل وآزاد کسی کو نہیں رکھا ہے تو ضرور اہل ہدایت کو تقلید ہی کا ارشاد ہوا ہے۔

یعنی جب احکام الٰہیہ ہر عام وعامی پر ہیں آزاد کوئی نہ چھوڑا گیا اور فقہ سیکھنے کو صاف فرمادیا کہ سب سے نہیں ہوسکتا ہر گروہ سے بعض اشخاص سیکھیں اور اپنی قوم کو احکام بتائیں کہ وہ مخالفت حکم سے بچیں تو صاف صاف عام لوگوں کو ان فقیہوں کی بات پر چلنے کا حکم ہوا اور اس کا نام تقلید ہے جس کی فرضیت قرآن عظیم کی نص قطعی سے ثابت ہوئی۔

(مترجم)

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ عزوجل کیلئے اپنی مخلوق پر کچھ فرض ہیں کہ چھوڑنے کے نہیں۔کچھ حرام ہیں کہ حرمت توڑنے کے نہیں۔کچھ حدیں ہیں کہ جوان سے آگے بڑھے ظالم ہو اور ہلاکت میں پڑے اور ان سب یا اکثر کیلئے شرطیں اور تفصیلیں ہیں جنہیں گنتی ہی کے لوگ جانتے ہیں اور ان کو سمجھ نہیں مگر عالموں کو تو اہل ذکر سے مسئلہ پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو یعنی (فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون)

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی محققانہ گفتگو اس مسئلہ پر مطلوب ہو تو اصل رسالہ کی

طرف رجوع فرمائیں۔ بہرحال فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے ان دو آیات مقدسہ سے تقلید مطلق کو فرض قطعی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں علماء ومفسرین کی روشن تصریحات سے واضح ہو چکا۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے (طیب عرب صاحب سے چند سوالات کئے مگر وہ اس کا جواب نہ دے سکے بلکہ ہنوز کسی نے اس کا جواب نہیں دیا وہ سوالات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کچھ احکام ایسے ہیں یا نہیں کہ ابتداء ان کا علم بے نص صریح یا اجتہاد مجتہد کے نہ ملے گا؟

(۲) کیا تمام آدمی جمیع احکام کے عالم، معانی، نصوص کو محیط، اجتہاد پر قادر ہیں؟

(۳) کیا جاہلان عاری شتران بے مہار ہیں ان پر شریعت کے احکام نہیں؟

(۴) ان کیلئے احکام الٰہی جاننے کی کیا سبیل ہے، اس سبیل کا اختیار ان پر فرض، واجب، جائز کیسا ہے؟

(۵) آپ نے اپنی عمر تک اللہ تعالیٰ کو کیوں پوجا اور بندوں سے کس طرح معاملہ کیا اجتہاد سے یا تقلید سے، آپ شروط اجتہاد سے پر ہیں یا خالی؟

(۶) آپ کو علوم شرعیہ کے تمام اصول وفروع میں اجتہاد پوچھنا ہے یا بعض میں، بر تقدیر اخیر جس میں آپ مجتہد ہیں اس کی تعیین کیجئے اور جس میں نہیں اس میں اپنی رائے بتائیے بر تقدیر اول فقہی مسائل اجتہادی کی دس گھڑی ہوئی صورتیں لائیے جن کا حکم خاص آپ نے استنباط کیا ہو۔ جس کی بنا کے ظاہر وباطن اور جرح وتعدیل وتصریح وتاصیل میں آپ دوسرے کی سند نہ پکڑیں؟

(۷) تقلید شخصی آپ کے نزدیک کفر ہے یا حرام یا مباح یا واجب؟

(۸) ائمہ واقوال میں ہر مکلّف نا مجتہد کو تخییر ہے یا حکم تخیر، اور اس کی کیا سبیل؟

(۹) یہ تخییر یا تخیر مطلق ہے یا چار اکابر میں محصور؟

(۱۰) تلفیق فسق ہے یا جائز؟

(۱۱) مختلف اعمال میں یا ایک میں بھی؟

(۱۲) قبل عمل یا بعد بھی؟

یہ تھے وہ سوالات جو فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے (طیب عرب) سے پوچھے۔ نہ طیب عرب نے ان کا جواب دیا اور نہ ابھی تک اس کی معنوی اولاد نے، امید واثق ہے غیر مقلد ان کا جواب دے سکیں گے بھی نہیں۔ کیونکہ جھوٹ کی بنیاد مثل سراب ہے جس کا جواب نہیں۔

دلیل ہفتم: اللہ عزوجل کا فرمان۔

انما النسئی زیادة فی الکفر یضل به الذین کفروا یحلونه عاما ویحرمونه عاما الایه .

ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر کفر میں بڑھنا، اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں۔ ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام (کنز الایمان)

یہ آیۃ مبارکہ اس شخص کی مذمت میں صریح ہے کہ کبھی ایک چیز کو از روئے مذہب حنفیہ حلال کہے اور کبھی مذہب شافعی کی رو سے اسے حرام کہے۔ اس واسطے فقہاء اصولین نے ہر ایک مذہب پر چلنا اور ایک مذہب کو بالدوام نہ پکڑنا، نہایت تاکید سے منع فرمایا ہے۔

جیسا کہ شیخ ابن ہمام حنفی تحریر الاصول اور شیخ ابن حاجب مختصر الاصول اور قاضی عضد الدین مختصر الاصول اور ابن عابدین درمختار میں فرماتے ہیں۔

ان الرجوع عن التقلید بعد العمل ممنوع بالاتفاق

یعنی عمل کے بعد تقلید سے رجوع بالاتفاق ممنوع ہے اور صاحب بحرالرائق رسالہ زینیہ میں لکھتے ہیں۔

فوجب علی مقلد ابی حنیفة العمل به ولایجوزله العمل بقول غیره .

لمانقل الشیخ قاسم فی تصحیحہ عن جمیع الاصولین انه لایصح الرجوع عن التقلید بعد العمل بالاتفاق

یعنی مقلد امام حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب ہے کہ امام صاحب کے قول پر عمل کرے اور دوسرے امام کے قول پر اس کیلئے عمل جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں نقل فرمایا کہ جمیع اصولین کا اس پر اتفاق ہے کہ عمل کے بعد تقلید سے رجوع صحیح نہیں۔

جب یہ معلوم ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ مسائل دینیہ یا تو اجتماعیہ ہیں یا اختلافیہ، اگر اجتماعیہ ہیں تو ان کا اتباع بالاجماع فرض ہے اور اگر اختلافیہ ہیں تو مقلد بعد از اختیار مذہب دو امر سے خالی نہیں۔ یا تو حلت سے حرمت کی طرف پھرے گا اور کبھی حرمت سے حلت کی طرف۔ یعنی کبھی ایک کو حلال اور پھر اس کو حرام، یا ایک مذہب پر ثابت رہے گا۔

اگر اُمر اوّل ہے یعنی کبھی حلال اور کبھی حرام تو یہ اس آیہ کریمہ مذکورہ کے ساتھ باطل ہے اور یہ علالت منافق کی بھی ہے چنانچہ یہ حدیث اس کی موید ہے۔

عن سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال النبی صلی اللہ علیه وسلم مثل المنافق کمثل الشاة العارة بین الغنمین تعر الی هذه مرة الیٰ هذه مرة ۔(رواہ مسلم)

یعنی منافق کی مثال اس بکری کی مثل ہے جو دو ریوڑ کے درمیان ہے کبھی اس طرف جا ملتی ہے اور کبھی اس طرح جا گھستی ہے۔

اس حدیث مبارک سے صاف ظاہر ہے کہ دو مذہبوں پر چلنا سخت منع ہے۔

عن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال النبی صلی اللہ علیه وسلم لایحل دم إمرء مسلم یشهد ان لا الٰه الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلث الثیب لترانی والنفس بالنفس والتارك لدینه المفارق للجماعة (رواہ مسلم)

یعنی مومن کا قول حلال نہیں مگر اوّل زانیہ عورت کا، دوم ناحق قتل کرنے والے کا سوم تارک دین جو جماعت اسلام کو چھوڑنے والا ہے۔ معلوم ہوا جماعت سے روگردانی کرنے والا یعنی تقلید کے منکر کا بھی خون مباح ہے۔

اور امر دوم ہے یعنی ایک مذہب پر ثابت رہنا تو بتقاضائے آیۃ مذکورہ ایک مذہب کا تعین لازم ہوا اور دو مذہبوں کا جمع کرنا باطل۔

اس کا بیان اس طرح ہے کہ تلفیق (یعنی مذہب کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف جانا) یا تو عمل کرنے سے پہلے کریگا یا عمل کرنے کے بعد۔ اگر تلفیق عمل کرنے کے بعد ہو تو یہ بالاجماع باطل ہے کیونکہ بعد از عمل تقلید سے رجوع ممنوع ہے اور اگر تلفیق عمل کرنے سے پہلے کرے کا تو یہ بھی باطل ہے اس لئے کہ (تتبع الرخص فی المذاھب) بالاجماع منع ہے۔ اگر مذاہب کی تلفیق جائز ہو تو اس میں تتبع رخص مذاہب ہے اور یہ ناجائز ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں تلفیق بالاجماع باطل ہے۔

اس مجمل کی تفصیل اس طرح ہے کہ از روئے اعتقاد وقول جملہ مجتہدین عظام مسائل اجتہادیہ اختلافیہ میں اس طرح جمع ہوئے ہیں کہ یہ حلال وجائز ہے اور یہ حرام وناجائز۔ اور اگر تلفیق اور تتبع رخص مذاہب کو جائز سمجھا جائے تو جہاں سے حلت وحرمت ختم ہوجائے گی۔ اور نعوذ باللہ من ذالك لغو وبیہودگی پر اجماع ہوجائے گا حالانکہ یہ امر از روئے آیات واحادیث سراسر باطل ہے۔ سواد اعظم اور سبیل المؤمنین کی کھلم کھلا مخالفت وخلاف ورزی ہے۔

لہٰذا ہر ایک مذہب پر چلنا باطل ہوا اور ایک مذہب کی تقلید ثابت ہوئی۔

نوٹ: تتبع الرخص فی المذاھب کا معنی ہے خواہش نفسانی کیلئے ہر مذہب میں سیر کرنا۔ ملا علی قاری اپنے رسالہ میں جو قفال کے جواب میں ہے لکھتے ہیں۔

ولذا قالوا ینبغی ان یعتقد کل مقلد امام من الائمۃ الخ

اسی لئے ہمارے علماء نے کہا کہ لائق یہ ہے ہر مقلد اپنے امام کے متعلق دیگر

اماموں سے یہ عقیدہ رکھے کہ تحقیق میرا امام مصیب ہے اور میرے غیر کا امام خطا پر۔ پھر اس کے بعد لکھتے ہیں۔

بل وجب علیه ان یعین مذهبا من هذه المذاهب

بلکہ مقلد پر واجب ہے کہ مذاہب اربعہ میں سے ایک مذہب کو اپنے لئے مقرر ومعین کرے اور اسی طرح صاحب تفسیر احمدیہ نے تحریر فرمایا۔

اذا التزم مذهبا یجب علیه ان یدوم مذهب التزمه ولا ینتقل عنه الی مذهب آخر

یعنی جب مقلد ایک مذہب کو لازم پکڑے تو اس پر واجب ہے کہ لازمی ہمیشہ اسی مذہب پر رہے اور اس مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف نہ جائے۔

اس تقلید شخصی کے متعلق (مذاہب اربعہ میں سے ایک مذہب کا تعین) کے باب میں مفصل مسطور اور مدلل منقول مذکور ہے۔ مزید تحقیق مقصود ہو تو مذکورہ باب کا مطالعہ فرمائیں انشاء اللہ قلب سلیم کو مسرت جاودانی حاصل ہوگی۔

سوال: اماموں نے بالفاظ مختلفہ فرمایا **ولا تقلدونی ولا مالگا (یا) اذصح الحدیث فهو مذهبی ۔ اترکوقولی بخبر الرسول**

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہ میری تقلید کرو اور نہ امام مالک رحمہ اللہ علیہ کی۔ جب حدیث صحیح ہو پس وہ میرا مذہب ہے۔ خبر رسول کے ساتھ میرے قول کو چھوڑ دو۔

اس سوال پر اختصاراً اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے اب اس کا مفصل جواب سماعت فرمائیں۔

<u>جواب اوّل</u>: یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ ایک شخص تابعی یا تبع تابعین میں سے ہو اور وہ بہت سے علوم معقولہ ومنقولہ، فلسفہ، منطق، اصول وفقہ وتفسیر وحدیث اور فصاحت وبلاغت وغیرہ کا عالم چیدہ ہو، مزید برآں ورع وتقویٰ اور صلاحیت وشرافت و

کرامت وغیرہ سے مزین، اہل کشف واہل اجتہاد میں یکتا و بے مثال اور مقتدا ومقبول ایسا کہ امت محمدیہ (علیہ التحیۃ والثناء) اس کی غلام۔ اگر ایسا شخص کسر نفسی اور تواضعاً یہ کہہ دے کہ جب میرا قول مخالف حق ہو تو اسے رد کر دو۔ تو کیا اس قول کا مخاطب ایک اردو ترجمہ خواں یا تفسیر محمدی پڑھنے والا ہوسکتا ہے۔ حاشا وکلا، ہرگز، ہرگز نہیں، بلکہ اس کا مخاطب وہ ہوگا جو ہم عصر اور ہم خیال وہم مشرب اہلِ علم اور اہل عقل ہو۔ لہٰذا اس وقت آپ کے شاگردوں کے سوا اور کسی کا اس قسم کا کلام سمجھنے کا حق نہ تھا۔ یہی وجہ ہے یہ خطاب حاضرین کو تھا نہ کہ عام۔ اور اگر یہ خطاب حاضرین کو نہ ہوتا تو کلام اس طرح ہونا چاہئے تھا۔

(کل من سمع قولی فلیترك بخبر الرسول)

دوم: یہ کہ ہر ایک مجتہد کا سلسلہ کسی نہ کسی صحابی یا جماعت صحابہ سے ملتا ہے کیونکہ اہل کشف کا اس پر اجماع ہے کہ درحقیقت علوم وحی انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے وارث مجتہدین ہی ہیں۔ بالخصوص جو شخص جتنا زیادہ قریب ہو (جیسا کہ ہمارے امام صاحب) وہ سب سے زیادہ وارث وحقدار ہے۔ ابلاغ میں جیسے نبی معصوم ہے ایسے ہی فی نفس الامر مجتہد بھی خطا سے محفوظ ہے اور اس کا اجتہاد شارع کی نص کے قائم مقام ہوتا ہے اور مجتہدین بذریعہ کشف بھی اپنی خطا رفع کر لیتے ہیں۔ جس پر غیر اہل کشف انکار کرتے ہیں اسی لئے یہ لوگ صف انبیاء میں ہوں گے نہ کہ امتوں کی صف میں۔

چنانچہ یہ بیان حضرت امام شعرانی مالکی، میزان الکبریٰ صفحہ ۲۶، ۲۷، ۶۳ وغیرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ مزید تحریر فرماتے ہیں۔ (قال الامام شیخ الاسلام زکریا الانصاری)

وایاکم ان تبادروا الی لانکار علی قول مجتهد او تخطئة

یعنی خبردار کسی مجتہد کے قول پر انکار یا نسبت خطا نہ کرنا اور (ردالمختار) میں ہے۔

ولایخفی ان ذالك لمن كان اهلا للنظر فی النصوص ومعرفته محكمامن منسوخها

یعنی (أترکوا قولی) اس شخص کے حق میں ہے جو علوم قرآنی پر نظر رکھتا ہو۔

اب ذرا علوم قرآنی تفصیل سے سنئے تا کہ معلوم ہو جائے کہ امام صاحب کے قول (اترکوا قولی) کے مخاطب اُردو ترجمہ خواں نہیں بلکہ علوم قرآنی کی معرفت رکھنے والے ہیں۔

بمصداق:

جمیع العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ أفہام الرجال

یعنی قرآن معظم ومکرم جمیع علوم کا منبع و سرچشمہ ہے لیکن لوگوں کے فہم ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ معلوم ہوا جملہ علوم قرآن ہی سے مستنبط ہیں اور وہ بے شمار علوم ہیں۔

لیکن بناء علی المشہور چونکہ قرآن معظم کے تیس پارے ہیں۔ اس تیس کے حصر کی بنا پر تیس علوم جو قرآن حکیم سے اخذ کئے گئے ہیں ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

ان علوم پر علماء ربانیین نے کتب تصنیف فرمائی ہیں وہ بھی انشاء اللہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اللہ عزوجل سمجھنے اور اس کے بعد عمل کی توفیق عطا فرمائے اور جو لوگ بزعم خویش محدث ومفسر کبیر بننے کی سعی لاحاصل کئے اردو ترجمہ قرآن و بخاری شریف اپنی بغل میں دبائے گھر گھر پھرتے ہیں اور لوگوں کو تقلید سے اغواء کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں اللہ عزوجل انہیں بوسیلہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت نصیب فرمائے اور امام حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو سمجھنے کی سمجھ اور تدبر عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ علوم ایک جدول میں لکھے جاتے ہیں تا کہ سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ (وھو ہذا)

نمبر شمار	نام علوم	مضامین قرآن	نمبر شمار	نام علوم	مضامین قرآن
۱	لغت	از مفردات الفاظ قرآن	۱۶	رد المعارضین	از دفع شبہات قرآن
۲	صرف	از ابنیۂ قرآن	۱۷	وجوہ النظائر	از استشہاد معانی مختلفہ قرآن
۳	نحو	از اعراب قرآن	۱۸	غرائب القرآن	از الفاظ غیر موجودہ قرآن
۴	معانی	از خواص تراکیب الکلام من جہۃ إفادتھا المعنی	۱۹	شان نزول	از تفسیر ہر آیہ قرآن
۵	بیان	من جہۃ اختلافھا بحسب وضوح الدلالۃ وخفائھا	۲۰	مکان نزول	از اماکن مختلفہ قرآن
۶	بدیع	از وجوہ تحسین کلام قرآن	۲۱	ناسخ منسوخ	از تقدم و تاخر نزول قرآن
۷	کلام	از دلائل توحید و سائر اعتقادات	۲۲	تواریخ	از قصص قرآن
۸	حدیث	از انوار قرآن	۲۳	امثال	از ضرب المثل فی القرآن
۹	اصول فقہ	از استدلال احکام قرآن	۲۴	موعظ	از بشارت و انذار قرآن
۱۰	فقہ	از تقریر حلال و حرام قرآن	۲۵	نظم	از تناسب سور و آیات قرآن
۱۱	فرائض	از تقدیر سہام قرآن	۲۶	تمیز	از متشابہات قرآن

۱۲	تفسیر	ازمعروف باالظاہر فی قرآن	۲۷	قرأت	ازکیفیت نطق قرآن
۱۳	تاویل	ازمعروف عن الظاہر فی قرآن	۲۸	تعداد	ازکمیت سورو آیات قرآن
۱۴	حقائق	ازرموز قرآن	۲۹	رسم الخط	ازنقوش متبعہ قرآن
۱۵	دلائل الاعجاز	ازبلاغت قرآن	۳۰	خواص القرآن	ازمنافع معینہ وتاثیرات مخصوص قرآن

یہ تمیں علوم جو علماء نے قرآن مقدس سے استنباط کئے ہیں اوران کے مضامین سے ظاہر ہے کہ ان علوم کا جاننا بہت ضروری ہے۔اب ان علوم پر جو کتب تصنیف کی گئی ہیں وہ بھی مذکورہ وبالا نمبرشمار کے مطابق آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

۱-	عین المعانی	محمد بن طیفو رسجاوندی غزنوی	متوفی ۶۰۰ ء
۲-	صرف التنزیل		
۳-	اعراب القرآن		
۴-	تشئید المعانی		
۵-	تبیان	شیخ واحد بن عبدالکریم المعروف بابن الزملکانی	متوفی ۶۰۵ ھ
۶-	بدائع المثانی		
۷-	فقہ اکبر	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	متوفی ۱۵۰ھ
۸-	درمنثورہ		
۹-	احکام الرای	شیخ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن ابن الصائغ حنبلی	متوفی ۷۷۶ھ
۱۰-	احکام الآی	شیخ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن ابن الصائغ حنبلی	

۱۱-	قسمۃ السہام		
۱۲-	مرویات ابن عباس		
۱۳-	دقائق التاویل		
۱۴-	حقائق التنزیل		
۱۵-	نہایۃ الاعجاز		
۱۶-	نواقض		
۱۷-	بصائر	امام ابو حامد اصفحانی وللنیسابوری	
۱۸-	عجائب البیان		
۱۹-	لباب النقول	علامہ سیوطی علیہ الرحمہ	متوفی ۹۱۱ھ
۲۰-	عباب النزول		
۲۱-	تحصیل المرام		
۲۲-	تاج القصص		
۲۳-	دائر فی المثل السائر	لابن اثیر	
۲۴-	کنز المذکورین	للشیخ امام ابو مالک نصر بن نصیر	
۲۵-	نظم الدرر	شیخ برھان الدین ابراہیم بن عمر البقاعی	متوفی ۸۸۵ھ
۲۶-	برھان	للشیخ برھان الدین ابو قاسم محمد بن حمزہ کرمانی شافعی	متوفی ۵۰۰ھ کے بعد
۲۷-	شاطبیہ		
۲۸-	رسائل ابوبکر بخاری مقری		
۲۹-	عنوان الدلیل	ابوالعباس المراکشی	متوفی ۷۲۱
۳۰-	درالنظیم	شیخ ابی عبداللہ محمد بن احمد بن عبداللہ بن سہیل	متوفی ۵۶۷

ان کتب کے مصنفین کے اسماء گرامی جو مجھے مل سکے نقل کر دیئے۔

برادران اسلام: معرفت علوم قرانیہ کی یہی وجوہ ہیں جو مفسر کے لئے نہایت ضروری ہیں اور ان علوم کے حصول کے بغیر قرآن حکیم میں کلام یعنی قیل وقال کا کوئی اعتبار نہیں۔ بتوفیقات خالق ارض وسماء یہ دولت عظمی اہل سنت و جماعت جو مذاہب اربعہ میں کسی ایک مذہب کے مقلد ہیں کو حاصل ہوئی ہے۔ اور امت کے دیگر تمام فرقے اس سے بے نصیب ومحروم ہیں اور ان کا دعویٰ صرف لاف وکذاف ہے۔

عصر ہذا کے بعض ملحدین جو حروف ابجد کی معرفت سے عاری، قرآن وحدیث کے تراجم کو سمجھنے سے عاجز وقاصر، بلند پایہ ہستیوں پر نکتہ چینی اور ان پر لعن وطعن کی زبان دراز کرنے والے اور ان کی عیب جوئی میں شب وروز تگ ودو کرنے والے...... محدث ومفسر ومبلغ ہونے کا دعویٰ باطل کر رہے ہیں۔ اور عوام الناس کے ایمانوں پر ڈاکہ زنی کر رہے ہیں یہ لوگ ایمان کے راہزن ہیں ان کا ظاہر نہایت حسین ہے اور باطن خباثت اعتقادی سے مملو۔

مقام غور: ایمانی غیرت اور میزانِ عقل پر کھتے ہوئے بتائیے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول (اترکوا قولی بخبر الرسول) کے مخاطب یہ لوگ ہیں (واللہ، باللہ، تاللہ، حاشاوکلا) ہرگز نہیں بلکہ امام صاحب کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو معرفت قرآنی کے جملہ علوم پر دسترس رکھتے ہیں اور جملہ اسباب (علوم نقلیہ وعقلیہ) اجتہاد کے ماہر ہیں۔

سوم: یہ کہ جن کو ردّ ومخالفت کی استعداد وطاقت تھی اور ان کو تفقہ فی الدین کا مادہ اور اجتہاد کا کامل ملکہ تھا انہوں نے بھی مطلقا مخالفت نہیں کی۔ چنانچہ امام وقت قاضی القضاۃ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ماخالفت فی شی قط فتدبرته الارایت مذهبه الذی ذهب الیه انجی فی الآخرة وکنت ربما ملت الی الحدیث فکان هو ابصر

بالحديث الصحيح كذافي رد المختار وغيره ۔

یعنی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کسی مسئلہ میں امام صاحب کے خلاف کیا ہو۔ غور وخوض کے بعد معلوم ہو جاتا تھا کہ ان کا مذہب آخروی نجات کے زیادہ قریب ہے اور وہ حدیث میں بہت زیادہ نگاہ رکھتے تھے۔

عالم ربانی حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ میزان الکبریٰ میں فرماتے ہیں۔

ونقل عن اصحاب ابی حنیفة كابی يوسف ومحمد وزفروالحسن انهم كانوايقولون ماقلنا فی مسئلة قولا الاوهوروايتنا عن ابی حنيفة واقسموا علی ذالك ايمانا مغلظة

(میزان الکبریٰ ص ۵۱)

شاگردوں کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس میں امام صاحب سے روایت نہ ہو اور ہم یہ بیان حلفاً کہتے ہیں اور اس طرح سید علامہ ابن العابدین نے ردالمختار میں حاوی اور قدوسی وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

چہارم: یہ کہ بڑے بڑے ائمہ کرام اور صلحائے عظام باوجود اہل کشف وذی فہم ہونے کے بھی مقلد ہی رہے ہیں اور انتقال مذہب کو سخت مذموم تصور کرتے ہوئے لوگوں کو منع فرماتے ہیں۔

حضرت امام ربانی شیخ احمد فاروقی محی السنۃ مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ مخالفین کے نزدیک بھی اسے معتبر کہ وجہ بوجہ اپنی نافہمی وبے عقلی کے ان کی عبارت، مولود شریف کے منع پر پیش کرتے ہیں وہ اپنے مکتوب ۳۱۲ جلد اول مین لکھتے ہیں۔

مامقلدان رانمیرسد کہ بمقتضائے احادیث عمل نمودہ جرأت دراشارت نمایم واگر کسے گوید کہ ماعلم بخلاف دلیل آں داریم گویم کہ علم مقلد دراثبات حل وحرمت معتبر نیست الخ۔

ہم مقلدوں کو حق نہیں پہنچتا کہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے نماز میں انگلی اٹھانے کی

جرأت کریں۔ اگر کوئی یہ کہے ہم اس دلیل کے خلاف علم رکھتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ مقلد کا علم ثبوت حلت وحرمت میں معتبر نہیں۔ اس باب میں مجتہد کا ظن معتبر ہے۔ احادیث کو یہ اکابرین بوجہ قرب اور وفور علم وخصوص وورع وتقویٰ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور حدیث کے صحت وسقم اور نسخ کو وہ ہم سے بہت پہلے پہچان چکے ہیں اور وہ جو امام حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی حدیث میرے قول کے خلاف ہو تو میرے قول کو ترک کردو اور حدیث پر عمل کرو۔ اس سے مراد وہ حدیث ہے جو امام صاحب تک نہیں پہنچی اور عدم علم کی بنا پر یہ حکم دیا ہے کہ حدیث کے مخالف میرے قول کو ترک کردو اور احادیث اشارت سبابہ اسی قبیل سے نہیں۔ یعنی رفع سبابہ نماز میں بالفرض اگر حدیث سے بھی ثابت ہوتا تو ہم مقلدوں کی یہ طاقت وجرأت نہیں کہ اس پر عمل کریں۔

پنجم: اگر کوئی ایسی ضرورت کسی مجتہد فی المذہب متبحر یا محدث کو لاحق ہو جائے تو بقول مشہور (الضرورات تبیح المحظورات) چنانچہ قرآن مقدس بھی اس کی اجازت دیتا ہے۔

(فمن اضطر غیر باغ ولاعادٍ فلا اثم علیه) غرضیکہ خدا اور رسول جل جلالہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کا راستہ سوائے تقلید کے کوئی نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ائمہ کرام کی تابعداری کر کے نجات حاصل کریں۔

اب آپ کے مستند ومعتمد علیہ مولوی رشید احمد گنگوہی کی وہ عبارت پیش خدمت ہے جو سبیل الرشاد صفحہ ۲۷ پر موجود ہے۔ لکھتے ہیں کہ ہمارے قول کو بوجہ مخالفت حدیث کے ترک کر دیا کرو۔ اور اس قول سے غیر مقلدین عدم تقلید پر دلیل لاتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ ان لوگوں کی نہایت ہی کم فہمی ہے کیونکہ جو قیاس جملہ نصوص کا مخالف ہوتا ہے تمام امت کے علماء کے نزدیک وہ باالاتفاق فاسد ہے۔ اس لئے ائمہ کرام علیہم الرحمۃ الرضوان نے اپنے تلامذہ کو جو نہایت عالم متبحر ومحدث کامل تھے فرمایا۔

اگر تم کو ہمارے قیاس کا فساد اور مخالفت، نصوص سے معلوم ہو جائے تو اس کو رد

کر دینا، ہمارا کچھ بھی ادب وخیال مت کرنا۔ تو یہی وجہ تھی کہ مجتہد سے خطا بھی ہو جاتی ہے اور اگر سعی وجہد کے بعد خطا ہوگئی تو پھر اس کو ایک اجر ملتا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے اور مجتہد سے خطا بھی اسی طرح ہوتی ہے ورنہ معاذ اللہ جان بوجھ کر کون حدیث کے خلاف کرتا ہے یا کہتا ہے لہٰذا اگر خطا تحقیقاً ثابت ہو جائے تو اس کی تقلید مت کرنا اور جس میں ہماری خطا ثابت نہ ہو اس کی تقلید ضروری ہے کیونکہ وہ مجتہد کے نزدیک اور اس کے مقلد کے نزدیک عین حکم خدا ہے۔ مگر انہوں نے یہ تو نہیں فرمایا کہ کسی ایک عالم نے بھی اگرچہ ہمارا قول ایک، دو حدیث کے موافق ہو اور ایک حدیث کے مخالف ہو جب بھی ترک کر دینا۔ کہ یہ ہرگز جائز نہیں اس واسطے کہ اختلاف حدیث کے وقت مجتہد کسی وجہ ترجیح سے ایک جانب کو مرجح جان کر حکم فرماتا ہے۔

لہٰذا اس وقت ایک حدیث کو کسی وجہ سے مرجح کر کے اس کے موافق فرمایا تو اس کا رد کرنا عین حدیث کا رد کرنا ہوتا ہے اور یہ کسی متدین (دیندار) کے نزدیک جائز نہیں۔

پس ان لوگوں کو اس قول سے کیا مطلب حاصل ہوتا ہے اس واسطے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا دیگر آئمہ کرام علیہم الرحمۃ کے مفتی بہا اُقوال سب ایسے ہیں کہ اگر ایک قول بظاہر حدیث کے مخالف معلوم ہوتا ہے تو دوسری نص کے مطابق ہے۔ تو کسی کو اس کے رد کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے اس کا رد تو عین قول خدا تعالیٰ یا قول رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رد مقصود ہوگا۔

لہٰذا یہ لوگ محض کم فہمی اور بے عقلی کی بات کرتے ہیں نہ ان کو سلیقہ ترجیح کا اور نہ ہی جملہ نصوص پر ان کی نظر...... محض سنی سنائی احادیث یا ترجمہ مشکوٰۃ کو دیکھ کر عامل بالحدیث ہونے کا لیبل لگا لیا ہے۔

تو ایسے جاہلوں کو انہوں نے اپنے قول کے رد کی اجازت نہیں دی جو ناسخ ومنسوخ کی تمیز نہیں رکھتے اور نہ صحیح وسقیم کی نہ، وجہ مخالف کا علم، نہ وجوہ ترجیحات سے مطلع، نہ وجوہ دلالات سے واقف، نہ علل نصوص سے آشنا، نہ محاورات کلام عرب کے فہم کا حوصلہ،

نہ جملہ مرویات کا احاطہ اور نہ فہم کتاب وحدیث کا سلیقہ جو عمل بالحدیث کے واسطے ضروری ہے۔ کہ اگر یہ نہ ہو تو کسی عالم کی تقلید واجب ہے۔

ہذا قیامت ہے ایسے نااہلوں پر جو ائمہ کرام کے قول کو اپنے فہم نامراد سے ترک کر کے عامل بالحدیث کہلواتے ہیں۔ ایسی حالت میں تو خود قرآن وحدیث کے ہی وہ ضمناً ردّ کرنے والے اور مکذب ہوجاتے ہیں اور ائمہ کرام کے عناد اور اپنے اجتہاد ناصواب کے زعم باطل میں اپنے ایمان کو ہی سلام کر بیٹھتے ہیں۔

الحاصل: آئمہ کا یہ فرمان (اترکوا قولی) اپنے وقت کے علماء تبحرین حاضرین کو تھا یا بعد کے علماء کو بھی۔ مگر ان کو ہی تھا جو احاطہ اخبار اور درجہ اجتہاد وترجیح رکھتے ہوں نہ جہلا کو جو علم وفہم سے عاری ہوں لہٰذا اس قول کو عدمِ جواز تقلید پر حجت لانا کمال درجہ کی سفاہت ہے بلکہ یہ تو تقلید کا حکم ہے۔

انہوں نے فرمایا تھا کہ ہمارے اقوال کی تقلید کرنا کہ ہم نے عین نصوص کا ہی مطلب ظاہر کیا ہے۔ مگر اہل اجتہاد عالم کو ہماری خطا معلوم ہو جائے تو اس کی تقلید نہ کرے۔ نہ یہ کہ جہلاء بھی اپنے فہم ناصواب سے زبان درازی کریں۔ پھر وہ کون سا مسئلہ ہے کہ اس پر کسی نص سے کوئی صراحت، دلالت، اشارت نہیں الا ماشاء اللہ، بلکہ سب مسائل پر علماء مقلدین نے بحث وکلام کر کے محقق فرمایا ہے۔ اگر چہ جہلاء کو خبر نہیں، بہر حال اس قول سے تقلید کا رد نہیں ہوتا بلکہ تقلید کا اثبات ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے کم فہموں کو ہدایت عطا فرمائے۔

الحاصل تقلید مطلق جو شخصی اور غیر شخصی دونوں کو شامل ہے کتاب وسنت سے ثابت ہے اور کہیں کتاب وسنت میں حکم نہیں فرمایا کہ عالم سے سوال کا جواب بلا دلیل قبول نہ کرو اور اسے معمول نہ بناؤ۔

اس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے عہد مبارکہ میں عمل درآمد رہا کہ سائل نے سوال کیا اور اس کا جواب سائل کے حسب حال، دلیل کے ساتھ یا بلا دلیل دیا گیا اور سائل

نے اس پر عمل کیا۔

حجۃ اللہ البالغہ میں شیخ شیوخنا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وکان ابن عباس بعد عصر الاوّلین فناقضهم فی کثیر من الاحکام واتبعه فی ذالك اصحابه من اهل مکة ولم یا خذ بما تفرد جمهور اهل الاسلام، انتهی

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مکہ میں اقامت فرمائی تو بہت سے مسائل میں دیگر بعض صحابہ علیہم الرضوان کے برعکس فرمایا اوران کے فتاویٰ کواہل مکہ نے قبول کر کے ان پر عمل کیا۔

تو صحابہ میں محل خلاف صرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کرنا اور دوسرے اقوال کوترک کرنا تقلید شخصی ہے کہ محل اختلاف میں فقط حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کومعمول رکھا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

ثم انهم تفرقوافی البلاد و صار کل واحد مقتدی ناحیت من النواحی و کثرت الوقائع ودارت المسائل فاستفتوا فیها فاجاب کل واحد حسب ماحفظه أو استنبط و ان لم یجد فیما حفظ أواستنبط ما للجواب اجتهد برایه الخ

اس عبارت سے بھی ثابت وواضح ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جس جگہ میں اقامت فرمائی اور کثرت وقائع میں ان سے سوال کیا گیا تو محفوظ یا مستنبط سے جواب دیا ورنہ اپنے اجتہاد سے جواب دیا۔

تو یہ جوابات اجتہادیہ، ومستنبطہ کا فرمانا اور سائلین کا قبول کرنا تقلید ہی تو ہے اور اس میں صحابی جوشہر میں مقیم ہے اسے اپنے سب وقائع پوچھنا اور قناعت کرنا تقلید شخصی ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

وكان ابراهيم واصحابه يرون ان ابن مسعود واصحابه اثبت الناس فی الفقه كماقال علقة لمسروق هل احد منهم اثبت من عبدالله

اس عبارت صاف ظاہر ہوا کہ ابراہیم اور اُن کے اصحاب عبداللہ بن مسعود اور اُن کے اصحاب کو محل اختلاف میں مرجح سمجھتے تھے اور ان کی فقہ کے مقابل دوسرے کو نہ مانتے تھے۔ یہ تقلید شخصی نہیں تو کیا ہے کہ ایک عالم کو اعلم، افقہ جان کر اس کے مقابلہ میں دوسرے کے حکم کو معمول نہ بنائے جیسے حنفیہ امام ابوحنیفہ کو اور شوافع امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کو مثلاً جانتے ہیں اور یہ بھی کتب احادیث سے واضح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نقل حدیث سے احتیاط واجتناب فرماتے تھے۔ مگر بحکم۔

من سئل عن علمه ثم كتمه الجم يوم القيٰمه بلجام من نار، الحديث

سنن ابن ماجہ میں ہے عمرو بن میمون فرماتے ہیں میں ہر جمعرات کی رات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ فرماتے ہیں میں نے کبھی نہیں سنا کہ وہ فرماتے ہوں **(قال قال رسول صلى الله عليه وسلم)**

اس طرح زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

امام شعبی فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک سال بیٹھا ہوں میں نے نہیں سنا کہ آپ نے (عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی حدیث بیان کی ہو۔ ان احادیث سے واقعات میں صحابہ کرام کا فتویٰ دینا اور ہر جواب میں احادیث کی روایات کا نقل نہ کرنا جب معلوم ہوگیا تو اب صحابہ کے قول کی تقلید کرنا اور صحابہ کرام کا اس کو جائز سمجھنا اور ہر شہر میں اپنے مقیم صحابی سے پوچھ کر قناعت کرنا۔ اگر تقلید شخصی نہیں، تو کوئی عاقل بتائے، یہ کیا ہے۔ پھر تقلید شخصی خیر القرون میں نہ ہونے کے معلوم نہیں جہال زمانہ کے نزدیک کیا معنی ہوں گے۔ مگر ہاں اس وقت میں جیسے تقلید

شخصی جاری تھا غیر شخصی تقلید بھی معمول تھی اور اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ زمانہ
خیر وصلاح کا تھا اور ہوائے نفس سے وہ قرون خالی تھے۔ اس غیر شخصی تقلید سے نہ کوئی
خرابی تھی اور نہ ہی فساد کا اندیشہ، اور تقلید کے ہر دونوع کے مامور من اللہ ہونے کی وجہ سے
ایک کو معناً دوسرے سے جانا جاتا تھا۔ کسی کو کسی پر کوئی اعتراض نہ تھا پھر اس کے بعد
تابعین و تبع تابعین کے طبقہ میں قیاس و اجتہاد کا زور وشور ہوا۔ روز روشن کی طرح سب کو
معلوم ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ علی التحقیق تابعی ہیں۔ آپ کی ولادت سن ۸۰ ہجری
میں ہوئی اور انتقال سن ۱۵۰ ہجری میں ہوا۔

اس عرصہ میں ان کا استنباط اور ہزار ہا لوگوں کا ان کے مسائل کی اقتدا، سب کو
معلوم ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سن ۹۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور سن ۱۷۹ ہجری میں انتقال
فرمایا۔ اس دوران ان کے اجتہاد کا چرچا رہا اور ہزار ہا لوگوں نے ان کی تقلید کی۔ امام
شافعی رحمۃ اللہ علیہ سن ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور سن ۲۰۴ میں انتقال فرمایا۔ ان کے
دوران ہزار ہا لوگوں نے ان کی تقلید کی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سن ۱۶۴ میں پیدا ہوئے
اور ۲۴۱ میں انتقال فرمایا۔ ان کی تقلید ہزار ہا لوگوں نے کی۔ ان کے علاوہ سفیان ثوری اور
ابن ابی لیلیٰ اور اوزاعی وغیرھم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی مجتہد ہوئے اور ہزار ہا لوگ ان
کے مقلد ہوئے۔ مگر بالآخر فقط چار مذاہب ہی عالم میں مشہور ہوئے اور آج جاری ہیں
اور کروڑوں علماء فقہاء و محدثین ان کے مقلد ہوئے ہیں۔

لہٰذا ہر کور بصیرت پر روشن ہو جاتا ہے کہ خیر القرون میں تقلید شخصی و غیر شخصی دونوں
بلا نکیر جاری تھیں اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے طبقات میں سے کسی نے تقلید شخصی کو
حرام یا شرک یا مکروہ یا بدعت نہیں کہا اور یہ ہو بھی کیونکر سکتا ہے کہ جس امر کو کتاب وسنت
فرض و واجب فرمائے اس کو کوئی اہل حق رد کرے۔ ایسا کام سوائے بد دین، گمراہ اور
جاہل کے اور کوئی نہیں کرسکتا اور جناب شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا فرمان۔

اعلم ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجتمعين على التقليد الخالص المذهب واحد بعينه

تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تقلید بھی تھی اور ایک مذہب کی تقلید کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ لہٰذا دوسرے مذہب والے سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے اس لئے کہ وہ ہر دو قسم کو جائز سمجھتے تھے۔

اس عبارت سے تقلید شخصی کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ کسی چیز پر عمل نہ ہونا اُس کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں۔

بہرحال وہ زمانۂ خیر تھا اور اس زمانہ کے مسلمانوں کے نفوس ہوائے نفسانی اور اعجاب سے پاک تھے تو تقلید غیر شخصی پر عمل کرتے تو کوئی حرج نہ تھا۔ علماء کی ہر جگہ کثرت تھی اور عوام کی معلومات بھی دین میں دلچسپی کے باعث کافی زیادہ تھیں لہٰذا وہ ہر ہر جزئیہ میں تقلید کے چنداں محتاج نہ ہوتے تھے بلکہ اپنے آباؤ اجداد سے ہی اکثر مسائل سمجھے ہوئے تھے اور مسائل مجتہدات کا اس قدر شیوع نہ تھا جس قدر اب ہے۔ تو ایسی حالت میں اس وقت جملہ عوام وخواص کا ایک مذہب پر اگر اجتماع نہ بھی ہوا ہو تو کوئی حرج نہیں اور نہ فتنہ وفساد کا اندیشہ۔ اس کے باوجود تقلید شخصی سے کسی کو کوئی انکار بھی نہ تھا کیونکہ ہر دو نوع تقلید پر برابر عمل درآمد کیا جاتا تھا اور اس کے باوجود اختلاف کے وقت اُعلم واُفقہ کی طرف توجہ ہوتی تھی۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ ہر دو نوع یعنی تقلید شخصی وغیر شخصی کتاب وسنت اور فعل صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے ثابت ہے اور بغیر خواہش نفسانی کے خاص بوجہ اللہ خواص کو ہر دو نوع تقلید پر عمل کرنا درست ہے۔ عوام اہل حجاب پر تقلید غیر شخصی ان کی ضلالت وگمراہی کا موجب ہے لہٰذا تقلید شخصی کا ارتکاب اولیٰ اور مصالح عدیدہ پر مشتمل ہے۔ تقلید مطلق یا شخصی پر طعن ولعن کرنا جہالت وگمراہی ہے۔

میں نے بعون اللہ الوہاب وجوب تقلید پر علماء محدثین ومفسرین واصولین کی جو

تصریحات بینات اور ارشادات نافعات پیش کئے ہیں ان سے روز روشن کی طرح واضح وثابت ہوگیا کہ تقلید واجب ہے جو کتاب وسنت اور فعل صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے ثابت ہے۔ پھر علماء محدثین ومفسرین اور اولیائے کاملین کا مذہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کرنا اور کروڑھا علماء کا دامن تقلید سے وابستہ ہونا یہ ایک اجماع ہے اور اجماع امت کا خلاف سراسر گمراہی و بے دینی ہے۔

لہٰذا تقلید کا واجب ہونا کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ومتحقق ہے اور تقلید کو شرک وحرام اور بدعت کہنے والا گمراہ وملحد...... اللہ تعالیٰ تقلید کے انکار سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

تمام مذاہب پر مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ترجیح کے بیان میں

اس باب میں وہ دلائل اوران کی وجوہات پیش کی جائیں گی جن کی بنا پہ مذہب حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیگر مذاہب پر ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ اکثر علماء، فقہاء اور صالحین امت مذہب امام اعظم کے متبع ومقلد ہیں اوراس مذہب کے مقلدین دو تہائی سے بھی زیادہ ہیں۔ بلکہ ائمہ مذاہب خود حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت کے مدح خواں اور آپ کی فقاہت کے معترف ہیں یہ باب چار مقاصد پر مشتمل ہے۔

مقصد اوّل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو کان العلم عند الثریا لذهب رجل من ابناء فارس (رواہ مسلم فی باب فضل فارس) یعنی اگر علم ثریا (ستاروں کے مجموعہ کا نام) کے پاس بھی ہو اولاد فارس سے ایک مرد اس کو لے آئے گا۔ یعنی حاصل کرے گا۔

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (تبییض الصحیفہ فی مناقب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) میں فرماتے ہیں۔

بشر النبی صلی الله علیه وسلم بالامام ابی حنیفه فی حدیث اخرجه ابو نعیم فی الحلیة عن ابی هریره رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لو کان العلم بالثریا لناله رجال من ابناء فارس (حلیہ الاولیاء ج۶ ص۶۴)

واخرج الشیرازی فی الالقاب عن قیس بن سعد قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لو کان العلم بالثریا لناله قوم من

ابناء فارس . واخرج البخاری والمسلم فی صحیحهما حدیث ابوهریرة رضی الله تعالٰی عنه بلفظ لوکان الایمان عند الثریا لذهب به رجل من ابناء فارس و فی لفظ مسلم لو کان الدین عند الثریا لذهب به رجل من أبناء فارس حتی یتناوله .وفی معجم الطبرانی عن ابن مسعود رضی الله تعالی عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لوکان الدین معلقا بالثریا لتناوله ناس من ابناء فارس

فهذا اصل صحیح یعتمد علیه فی البشارة والفضیلة له، انتهی کلام جلال الدین السیوطی الشافعی (بخاری ج۶ص۱۸۹- مسلم فضائل صحابہ، تاریخ کبیر للبخاری ج۹ص۳۹،طبرانی ج۱۰ص۲۰۴، ج۱۸ص۳۵۳)

جملہ احادیث کے الفاظ مختلف ہیں لیکن معنی ومفہوم سب کا ایک ہی ہے یعنی اگر علم یا ایمان یا دین ستاروں کے جھرمٹ میں بھی ہوگا اولاد فارس سے ایک آدمی اس کو حاصل کرے گا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بشارت وفضیلت میں یہ اصل صحیح ہے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

ازرائے اجماع یابات متحقق وثابت ہے کہ ہروہ امر جوائمہ اربعہ کے مخالف ہو،نہیں کرنا چاہئے اوران ائمہ اربعہ میں فقط حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی فارس میں سے ہیں۔لہٰذا متحقق ہوا کہ ان احادیث میں (رجل) سے مراد حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔اس باب میں جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول کافی ہے کہ احکام میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ احادیث صحیحہ لائے ہیں اس لئے دیگر ائمہ سے آپ کا مذہب زیادہ درست ہے یعنی کثیرالاصابت ہے۔

اس حدیث مبارک کو اکثر ائمہ محدثین نے باختلاف الرواۃ تخریج فرمایا اوران احادیث میں فقط اشارہ ہے کہ اولاد فارس سے ایک مرد ایسا ہوگا جوعلم کو ستاروں کے

جھرمٹ میں سے بھی کھینچ لائے گا اور علامہ بیونی رضی اللہ عنہ نے صراحتاً فرمایا کہ ان احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام ابوحنیفہ کی بشارت دی اور اس باب میں یہ احادیث اصل صحیح اور معتمد ہیں اب وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کو متعین فرمایا۔

امام خوارزمی متوفی ۶۶۵ جامع المسانید میں فرماتے ہیں۔

بسنده عن محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن ابی هريره قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يكون في امتى رجل يقال لهٗ ابو حنيفه هو سراج امتى يوم القيمة

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ایک مرد ہوگا جس کو ابوحنیفہ کہا جائے گا وہ قیامت کے دن میری امت کا چراغ ہے۔

اور ابوعبداللہ احمد بن محمد بن علی القصری کی حدیث میں اس طرح ہے۔

يكون في امتى رجل اسمه النعمان و كنيته ابو حنيفه هو سراج امتى ثلاثا

یعنی میری امت میں ایک مرد ہوگا جس کا نام نعمان اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہے۔ وہ میری امت کا چراغ ہے یہ الفاظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ دہرائے۔

واخرجه الحافظ ابوبكر احمد بن على بن ثابت الخطيب في تاريخه عن ابى العلاء الواسطى و ابى عبدالله احمد بن محمد بن على القصرى مثله

یعنی حافظ عراقی نے من طریق ابوالعلاء واسطی اور قصری اس طرح روایت کیا۔

وبسنده: عن ابان بن ابى عياش عن انس بن مالك رضى الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سياتى من بعدى رجل يقاله له النعمان بن ثابت ويكنى اباحنيفه ليحيين وين الله وسنتى على يديه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میرے بعد ایک شخص آئے گا جس و نعمان بن ثابت کہا جائے گا اور ابوحنیفہ کی کنیت سے مشہور ہوگا۔ وہ اللہ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔

واخرجه الحافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب عن احمد بن عمر بن روح النهروانی باسناده حافظ عراقی نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو من طریق احمد بن روح تخریج فرمایا۔

اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

احمد بن روح کان صدوقا ادیبا حسن المذاکرة ملیح المحاضرة

یعنی احمد بن روح سچے اور ادیب ہیں۔

یعنی خطیب بغدادی جو اپنی سند سے اس حدیث کو تخریج فرمار ہے ہیں وہ کہتے ہیں احمد بن روح سچے ہیں گویا کہ وہ حدیث کے صحت کی سند پیش کرر ہے ہیں۔ پھر ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اس کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ خود امام خوارزمی فرماتے ہیں۔

وقد اخرج هذین الحدیثین جماعة من الحفاظ الثقات یطول ذکر طرقهما

یعنی ان دونوں حدیثوں کو حفاظ حدیث جو ثقات ہیں ان میں سے ایک جماعت نے تخریج فرمایا اور ان دونوں حدیثوں کے طرق کا ذکر محتاج طوالت ہے۔

وبسنده عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یظهر من بعدی رجل یعرف بابی حنیفه یحییٰ الله سنتی علی یدیه

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد ایک مرد ظاہر ہوگا جو ابوحنیفہ کے نام سے معروف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر میری سنت کو زندہ فرمائے گا۔

وبسنده عن عبیدالله بن الحسن عن عبدالله بن مغفل قال

سمعت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول الاأنبئکم یوجل من کوفان من بلدتکم ھذہ اومن کوفتکم ھذہ بابی حنیفۃ قدملئی قلبہ علما وحکماء سیتھلک بہ قوم فی آخر الزمان الغالب علیھم التنابز یقال لھم البنانیۃ کماھلکت الرافضہ بابی بکر عمر رضی اللہ عنھما

عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں میں نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے ہیں۔ کیا میں تجھے ایک مرد کی خبر نہ دوں جو تمہارے اس شہر کوفان یا تمہارے اس کوفہ سے ہوگا ابوحنیفہ اس کی کنیت ہوگی۔ تحقیق اس کا قلب علم و حکمت سے مملو ہوگا۔ عنقریب اس کے سبب آخری زمانہ میں ایک قوم ہلاک ہوگی۔ غالب عادت ان کی عیب لگانا ہے اور اس کو بنانیہ کہا جاتا ہے جبکہ رافضیہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔

وبسندہ: عن الضحاك عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال یطلع بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر علی جمیع خراسان یکنی بابی حنیفۃ (جامع المسانید جلد اول ص ۱۴ تا ۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جمیع خراسان پر چاند طلوع ہوگا جو ابوحنیفہ کی کنیت سے مشہور ہوگا۔

ان کے علاوہ امام خوارزمی نے اور بھی احادیث نقل کی ہیں اگر ذوق طبع چاہے تو اصل کتاب کی طرف رجوع فرمائیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ان احادیث میں رواۃ، مجہول الحال ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلف میں سے کسی کا جہل سلف پر عیب نہیں کیونکہ سند نازل میں عیب سند عالی کو قادح و مضر نہیں۔

اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ احادیث صحاح ستہ میں نہیں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحاح ستہ میں محدود نہیں کہ جو حدیث ان میں

نہیں وہ حدیث ہی نہیں۔

قطع نظر ان احادیث کے، حدیث ترمذی ہی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں کافی ہے (وتوھذا)

عن ابی ھریرۃ قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین انزلت سورۃ الجمعۃ فتلاھا فلما بلغ (وآخرین منھم لما یلحقوا بھم) قال لہ رجل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ھولاء الذین لم یلحقوا بنا فلم یکلمہ قال وسلمان الفارسی فینا قال فوضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ علی سلمان فقال والذی نفسی بیدہ لو کان الایمان بالثریا لقنادلہ رجال من اھل فارس (ترمذی شریف، حدیث نمبر ۳۲۶۱، ۳۳۱۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بوقت نزول سورہ جمعہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ پس جب آپ نے اس کی تلاوت فرمائی تو جب (وآخرین منھم لما یلحقوا بھم) کو پہنچے تو حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہیں جو ہمارے ساتھ لاحق نہیں ہوئے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ راوی حدیث کہتا ہے حضرت سلمان فارسی بھی ہم میں موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر رکھا اور فرمایا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر ایمان ستاروں کی جھرمٹ میں بھی ہوگا تو فارس کے لوگ اسے حاصل کرلیں گے۔

اور یہ تو سب کو معلوم ہے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا نسب فارس سے ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا کوئی صاحب علم فارسیوں میں سے نہیں گزرا۔ اس وجہ سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات میں لکھتے ہیں۔

ولقد ظھر بسطۃ العلم ولاجتھاد فی التابعین مالم یظھر فی غیرھم

علم واجتہاد کی وسعت وفراخی جو تابعین میں ظاہر ہوئی وہ ان کے غیر میں ظاہر نہیں ہوئی۔ اور علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان میں ایک حدیث نقل فرمائی جس ان احادیث کی تائید ہوتی ہے جو امام خوارزمی نے نقل فرمائیں۔فرماتے ہیں۔

ومما یصلح علی عظم شان ابی حنیفة رحمہ اللہ ماروی عنه صلی اللہ علیه وسلم انه قال ترفع زینة الدنیا سنة خمسین ومائة

(مجمع الزوائد ج ۷ص، ۲۵۷- عدی فی الکامل، ج ۲،ص ۴۸۰)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کی زینت سن ۱۵۰ میں اٹھالی جائے گی۔

اس حدیث کے ماتحت شمس الائمہ کردری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

ان ھذاالحدیث محمول علی ابی حنیفة لانه بات تلك السنة رحمہ اللہ (خیرات الحسان ،ص ۳۳)

یعنی یہ حدیث حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پرمحمول ہے کیونکہ آپ کی وفات اس سال یعنی ۱۵۰ ہجری میں ہوئی۔

اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ان احادیث کے راوی مجہول الحال ہیں یا یہ احادیث موضوع ہیں۔جیسا کہ بعض لوگوں کا وہم ہے تو وہ حدیث مبارک جس کو حضرت امام سیوطی شافعی المذہب نے بشارت وفضیلت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اصل صحیح اور معتمد علیہ قرار دیا ہے، کافی ہے۔علامہ ابن حجر مکی نے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کونقل کرنے کے بعد فرمایا۔

قال بعض تلامذة الجلال ۔ وما جزم به شیخنا من أن الامام ابا حنیفة ھو المراد من ھذا الحدیث ظاھر لاشك فیه لانه لم یبلغ أحدُ ای فی زمنه من أبناء فارس فی العلم مبلغهٗ ولا مبلغ اصحابه (الخیرات الحسان ص ۳۱)

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض تلامذہ نے کہا جس کو ہمارے شیخ نے قطعی ویقینی کہا کہ اس حدیث سے مراد حضرت امام ابوحنیفہ ہی ہیں۔ظاہر ہے اس میں کوئی

شک نہیں۔ اس لئے کہ اولاد فارس میں سے اپنے زمانہ میں علم کے جس مقام پر حضرت ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب پہنچے، کوئی نہیں پہنچا۔

یہاں تو امام سیوطی علیہ الرحمہ کے تلامذہ اپنے استاد کے قول کو قطعی و یقینی قرار دے کر اعلان کر رہے ہیں اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔

خود حضرت علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔

بهذا الخبر أی المتفق علی صحته یستغنی عن الخبر الموضوع المروی فی حق ابی حنیفه رضی الله عنه (الخیرات احسان، ص۳۱)

یعنی یہ خبر جس کی صحت پر امام بخاری و مسلم کا اتفاق ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں وارد موضوع روایت سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

یعنی اس خبر صحیح جو متفق علیہ ہے، کے ہوتے ہوئے کسی دوسری خبر کی ضرورت نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حق میں یہی کافی ہے کہ اس خبر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کیلئے بشارت متحقق و ثابت ہے۔

دوسری بات یہ کہ فقط امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے سے کسی حدیث کا موضوع یا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری جانب امام خوارزمی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما کو ثقات حفاظ محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ اور ان احادیث کے طرق روایت بہت زیادہ ہیں لہٰذا یہ احادیث مبارکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی بشارت کے حق میں قابل عمل اور معتمد ہیں کیونکہ دوسری احادیث جو کہ امام بخاری مسلم کے علاوہ بھی اکثر محدثین نے تخریج فرمائی ہیں احادیث خوارزمی کی موید ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

الناس کلهم عیال ابی حنیفة رضی الله عنهم فی الفقه

یعنی تمام لوگ فقہ میں حضرت ابوحنیفہ اللہ عنہ کا خاندان ہیں۔ یعنی فقہ میں وہ اپنی خاندان کی کفالت کرنے والے ہیں۔

میر سید شریف ''خلاصہ کیدانی'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

فروع واصول میں یہ بات محقق وثابت شدہ ہے۔

والسلام علی ابی حنیفة رضی الله عنه الذی جاهد فی دین الله تعالٰی وقال فأخلص اجتهاده وجاده وعلی اصحابه الفائقین علی غیر هم بفضل الاصابة

حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر سلام ہو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین میں پوری قوت سے جدوجہد کی اور اپنا اجتہاد اللہ کیلئے کیا اور عمدہ کیا۔ اور امام صاحب کے اصحاب پر سلام ہو جو دوسروں پر فضل اصابت یعنی (درست پالینے کے فضل) کی وجہ سے فائق وبلند درجہ ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''صراط مستقیم'' میں لکھتے ہیں۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ کو دیکھو انہوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی کیا مدح فرمائی ہے۔ امام صاحب کی شان میں فرمایا سب لوگ فقہ میں حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے عیال ہیں اور آپ کے شاگرد امام محمد حسن شیبانی کے متعلق فرمایا۔ اگر اہل کتاب یہود ونصاریٰ میں سے امام محمد علیہ الرحمہ کی تصانیف کو دیکھتے بے اختیار ایمان لے آتے۔ امام محمد کی تالیف کردہ چھ کتب میں ہر ایک کتاب ساٹھ یا ستر یا اس سے زیادہ جلدوں میں ہے اور امام احمد اکثر دقیق مسائل امام محمد رحمہ اللہ کی کتب سے نقل فرماتے اور ان کا بغور مطالعہ فرماتے۔ ان سے استفادہ کرتے اور یہ اس لئے کہ تقلید و اتباع امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ عندالجمہور مسلم ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں جن احادیث سے امام شافعی رضی اللہ عنہ نے دلیل پکڑی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان احادیث سے تمسک نہیں کیا اور نہ ہی ان سے دلیل پکڑی جس کی بنا پر لوگوں میں گمان پیدا ہوا کہ امام صاحب کا مذہب احادیث کے مخالف ہے۔ حال یہ ہے کہ امام صاحب نے ان دوسری احادیث سے اخذ کیا ور تمسک فرمایا جو امام شافعی کی احادیث سے صحیح اور قوی تھیں۔ ان وجوہات کی بنا پر

مذہب امام ہمام کو دیگر مذاہب پر ترجیح دی جاتی ہے۔

مقصد دوم: حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم، الحدیث (متفق علیہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا بہترین دور میرا زمانہ ہے پھر وہ جوان سے ملے ہوں گے پھر وہ جو ان سے ملے ہوں گے۔ اور یہ حدیث مبارک متعدد وطرق سے مروی ہے۔

پس یہ حدیث اس بات پر صریح دلالت کر رہی ہے کہ خیریت تابعین، تبع تابعین سے زیادہ ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بالاتفاق تابعین سے ہیں کیونکہ آپ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو دیکھا ہے اور ان میں سے حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ ہیں اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عمر سات سال تھی اور یہ حدیث مبارک ان سے سنی۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجداً بنی لہ بیتاً فی الجنة

امام خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اما النوع الثالث: من مناقبہ وفضائلہ التی لم یشارکہ فیھا أحد بعدہ انہ روی عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان العلماء اتفقوا علی ذالك وان اختلفوا فی عددھم فمنھم من قال انھم ستة وامراة ومنھم من قال خمسة وامراة ومنھم من قال سبعة وامراة

نوع تیسری، آپ کے مناقب وفضائل میں سے جن میں آپ کے بعد کوئی شریک نہیں۔

بیشک امام صاحب نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمایا اس پر علماء کا اتفاق ہے اگرچہ ان کے عدد میں اختلاف ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں ان کی تعداد چھ ہے اور ایک عورت۔ اور بعض کے نزدیک پانچ اور ایک عورت۔ اور بعض نے کہا سات اور ایک عورت۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

روى الخوارزمي بسنده عن ابى يوسف يعقوب بن ابراهيم القاضي اخبرنا ابوحنيفه رضى الله عنه قال سمعت انس بن مالك رضى الله عنه يقول قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم

یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (طلب العلم فريضة على كل مسلم)

وبهذاالاسناد: عن ابوداؤد الطيالسى عن ابى حنيفة رضى الله عنه قال ولدت سنة ثمانين وقد عبدالله بن انيس صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم الكوفه سنة اربع وتسعين ورايته وسمعت منه وانا ابن اربع عشرة سنة سمعته يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم حبك الشي يعمى ويصم

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں سن ۸۰ ہجری میں پیدا ہوا اور عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ، صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سن ۹۴ ہجری میں کوفہ تشریف لائے۔ میں نے آپ کو دیکھا اور ان سے سنا اس وقت میری عمر ۱۶ سال تھی۔ میں نے ان سے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ فرماتے ہیں۔ (حبك الشي يعمى ويصم)

وبهذاالاسناد: عن ابى يوسف القاضى حدثنا ابوحنيفة رضى الله عنه قال ولدت سنة ثمانين وحججت مع ابى سنة ست وتسعين وانا ابن ستة عشرسنة فلما دخلت المسجد الحرام

رايت حلقة عظيمة فقلت لابى حلقة من هذه فقال حلقة عبدالله بن الحارث بن جزء الزبيدى صاحب رسول الله صلى الله وسلم فتقدمت فسمعتهٗ يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من تفقه فى دين الله كفاه الله همه ورزقه من حيث لايحتسب

حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں سن ۸۰ ہجری میں پیدا ہوا اور سن ۹۶ ہجری میں اپنے باپ کے ساتھ حج کیا اور اس وقت میں ۱۶ سال کا تھا جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک عظیم مجلس دیکھی تو میں نے اپنے باپ سے پوچھا یہ مجلس کس کی ہے۔ میرے باپ نے فرمایا یہ حلقہ عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی کا ہے جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں آگے بڑھا اور میں نے ان سے سنا۔ فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من تفقه فى دين الله كفاه الله همه ورزقه من حيث لايحتسب

وبهذا الاسناد: عن التمتام يحى بن القاسم عن ابى حنيفة رضى الله عنه عن جابر بن عبدالله رضى الله عنه قال جاء رجل من الانصار إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم مارزقت ولداقط ولاولد لى قال فاين انت من كثرة الاستغفار وكثرة الصدقة ترزق بهما الولد قال فكان الرجل يكثر الصدقة ويكثرالاستغفار قال جابر فولدله تسعة ذكور

حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور

عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری اولاد نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فاین انت من کثرة الاستغفار و کثرة الصدقة ترزق بهما الولد) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس مرد نے استغفار وصدقہ بکثرت کیا۔ فرماتے ہیں اس کے گھر نولڑکے پیدا ہوئے۔

وبهذاالاسناد: عن التمتام يحيى بن القاسم عن ابی حنيفة قال سمعت عبدالله ابن ابی اوفی رضی الله عنه يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من بنى لله مسجداً ولو كمفحص قطاة بنى الله له بيتا فى الجنة

حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ (من بنى لله مسجداً اكمفحص قطاة بنى الله له بيتا فى الجنة)

وبهذا الاسناد: عن ابی سعيد الخدری عن ابی حنيفة رضى الله عنه قال سمعت واثلة بن الاسقع رضى الله عنه يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لاتظهر شماتة لا خيك فيعا فيه الله ويبتليك

حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ (لاتظهر شماتة لاخيك فيعا فيه الله ويبتليك)

وبهذاالاسناد: عن يحى بن معين ان ابا حنيفة صاحب الراى سمع عائشة ابنة عجرد تقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أكثر جند الله فى الارض الجراد لا آكله ولا احرمه

یحیی بن معین کہتے ہیں حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ صاحب الرای تھے انہوں نے

عائشہ بنت عجرد سے روایت کیا۔ عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (اکثر جند اللہ فی الارض الجراد لا آکلہ ولا احرمہ)
(جامع المسانید، جلد اول ص۲۲ تا ۲۶)

پس یہ ہیں صحابہ کرام میں سے چھ حضرات اور صحابیات میں سے ایک عورت، جن سے امام صاحب نے روایت کیا۔ اور جن کے نزدیک پانچ صحابہ کرام اور ایک عورت ہے وہ حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کو بدو وجوہ خارج کرتے ہیں۔

اول: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اکثر علماء کے نزدیک سن ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سن ۹۶ ہجری میں فوت ہوئے لہٰذا ان سے روایت کیسے مقصود ہوسکتی ہے۔

دوم: یہ حدیث احادیث معنعن سے ہے جن کو تدلیس لاحق ہے۔ راوی ظن کرتا ہے کہ میں نے اس سے سنا ہے حالانکہ اس نے اس سے نہیں سنا ہوتا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے تمام احادیث میں فرمایا (سمعت) ......اور اس روایت میں (عن جابر) یہ نہیں کہا کہ (سمعت) بلکہ فقط یہ ہی کہا (عن جابر) جیسا کہ ارسال احادیث میں تابعین کی عادت ہے۔

یہاں تک کہ ابراہیم نخعی کہتے ہیں جب میں تم کو کہوں (أخبرني فلان عن عبداللہ بن مسعود) پس وہی ہے جس نے مجھے سے اس سے خبر دی اور جب میں کہوں (قال عبداللہ) تو مجھے ایک جماعت نے اس سے خبر دی۔

اور جن کے نزدیک سات صحابہ کرام سے ملاقات ثابت ہے وہ ان میں حضرت معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ کو لاحق کرتے ہیں اور اس میں بھی کلام ہے کیونکہ حضرت معقل بن یسار مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان کے زمانہ خلافت میں ہوا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال سن ۶۰ ہجری میں ہوا۔ لہٰذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کو دیکھنا اور آپ سے روایت کرنا کیسے مقصود ہوسکتا ہے لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش اصحاب رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کے زمانہ میں ہوئی اور یہ وہ زمانہ ہے جس کی خیریت کی شہادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور عدالت کے ساتھ ان کو موصوف فرمایا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی (تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ) میں فرماتے ہیں۔

الف الامام عبدالکریم الشافعی جزا فی مایروی الامام ابو حنیفة عن الصحابة

امام عبدالکریم شافعی نے حضرت ابوحنیفہ کی صحابہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے کے بارے میں ایک جز تالیف فرمائی

درمختار میں امام حصنی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

وصح ان ابا حنیفة سمع الاحادیث من سبعة من الصحابة کما بسط فی أواخر منیة المصلی وادرك بالسن عشرین صحابیا کما بسط فی اوائل الضیاء

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے سات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے احادیث سنی ہیں جیسا کہ منیۃ المصلی کے اواخر میں تحریر ہے اور بیس صحابہ کرام کو پایا ہے جیسا کہ ضیاء کے اوائل میں تفصیل سے تحریر ہے۔

علامہ ملا علی قاری اپنے رسالہ (رد قفال) میں فرماتے ہیں۔

فإنه من بین الائمة المجتهدین مختص بکونه من التابعین دون غیره باتفاق العلماء المعتبرین — انتهی

بے شک آئمہ مجتہدین نے آپ کو تابعین میں سے شمار کیا ہے نہ کہ کسی دوسرے طبقہ میں۔ اس پر معتبر علماء کا اتفاق ہے۔

یہ بات بھی علم اصول میں درست و مسلم ہے کہ مثبت منفی پر مقدم ہوتا ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے لہذا عقل و نقل سے ثابت ہوگیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا تعین وتابعین سے ہے اور تمام ائمہ سے فاضل ترین ہیں (بناءً علیہ) مذہب امام اعظم ابوحنیفہ

رضی اللہ عنہ دیگر تمام مذاہب پر مرجح ہیں۔

مقصد سوم: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

انه خطبنا عمر رضی الله عنه بالجابية فقال ایها الناس انی قمت فیکم کمقام رسول الله صلی الله علیه وسلم فینا فقال أوصیکم باصحابی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یفشوا الکذب الحدیث، رواه الترمذی

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقامی جابیہ پر ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! میں تمہارے درمیان اس مقام پر کھڑا ہوں جس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہوکر خطاب فرمایا کہ میں تمہیں صحابہ کرام کے ساتھ وصیت کرتا ہوں پھر جو ان سے ملے ہوں پھر وہ جو ان سے ملے ہوں اور اس کے بعد جھوٹ ظاہر ہوگا۔

چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ دین صحابہ کرام سے حاصل کیا جائے گا ان کے بعد تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین سے اور زمانہ تابعین اور تبع تابعین میں سے کوئی مذہب مقرر و متعین نہیں۔ مگر مذہب ائمہ اربعہ۔ اور اس بات پر اجماع کا انعقاد ہے کہ خلاف مذاہب اربعہ کے کسی امر پر عمل نہ کیا جائے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ تابعین میں سے ہیں بنسبت دیگر ائمہ یعنی امام مالک و امام شافعی و امام احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ اس بنیاد پر یہ قول لازم ہوا کہ مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کو محکم پکڑا جائے کیونکہ بنسبت تبع تابعین کے زمانہ تابعین میں خیریت زیادہ ہے۔

اس لئے مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کو دیگر مذاہب پر ترجیح دی جاتی ہے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں لکھتے ہیں۔

جس مؤرخ نے یہ قول سترہ حدیث پہنچنے کا نقل کیا ہے خود اس مؤرخ نے امام صاحب کی نسبت یہ عبارت لکھی ہے۔

ویدل علی انه من کبار المجتهدین فی الحدیث اعتماد مذهبه

فیما بینهم والتعویل علیه اعتماده ردا وقبولا
یعنی امام ابوحنیفہ کی حدیث میں بڑے مجتہد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ علماء کے درمیان ان کا مذہب معتمد ہے اور اس کو مستند و معتبر رکھا گیا ہے۔ کہیں بحث و مباحثہ کے طور پر اور کہیں قبول کے لحاظ سے۔

اور ظاہر بات ہے جو مذہب مقبول ہے وہی مرجح ہوگا اس لئے مذہب امام کو تمام مذاہب پر ترجیح ہے۔

اور مولانا اشرف علی تھانوی نے سورہ لقمان کی ایک آیۂ کریمہ سے امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کا ثبوت پیش کیا ہے (احسن الکلام حصہ دوم ملفوظ نمبر ۶۴۹)

کہتے ہیں (واتبع سبیل من اناب الی) سے امام صاحب کی تقلید ثابت ہوتی ہے کیونکہ مسائل دینیہ میں اصابت (یعنی درست پالینا) انابت کا فرد ہے اور مسائل اجتہادیہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے زیادہ ہیں (لہٰذا وہ کثیر الاصابت ہیں) اس واسطے ان کی تقلید کرتے ہیں اور (واتبع) میں خطاب عام ہے جیسا کہ سیاق سے معلوم ہوتا ہے۔

مولانا اشرف علی دیوبندی کے کلام سے ثابت ہوا مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کثیر الاصابت ہیں کیونکہ مسائل اجتہادیہ امام صاحب کے زیادہ ہیں۔ اس اعتبار سے بھی مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ دیگر تمام مذاہب پر مرجح ہے۔

مقصد چہارم: امام شافعی فرماتے ہیں (الناس عیال ابی حنیفة فی الفقه) علامہ ابن حجر مکی جو شافعیوں میں سے ہیں اپنی کتاب (قلائد العقبان فی مناقب النعمان) میں۔ صاحب سیرت شامی، جو اکابر شافعیں میں سے ہیں اپنی کتاب (عقود الجمان فی مناقب النعمان) میں۔ ابوبکر خطیب بغدادی' جو ائمہ احادیث میں سے ہیں' اپنی کتاب (تاریخ بغداد) میں۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اپنے مکتوب جلد دوم میں۔ علامہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب (صراط مستقیم) میں اور امام حصنکی اپنی کتاب (درمختار) میں اور خوارزمی نے اپنے مسند میں اس کو ذکر کیا ہے۔ کہ علم

الاحکام کو جس نے سب سے پہلے استنباط کیا اور قواعد اجتہاد کی بنیاد رکھی، وہ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے۔

والدليل عليه ما اشتهر واستفاض عن الشافعي رضي الله عنه انه قال الناس عيال ابي حنيفه رضي الله عنه في الفقه، انتهى . كما نقله ابن وهبان عن حرملة . (جامع المسانید، ج اوّل ص ۳۵)

یعنی اس پر دلیل یہ ہے جو امام شافعی رضی اللہ عنہ سے مشہور و مستفیض ہے کہ انہوں نے فرمایا فقہ میں سب لوگ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے عیال ہیں یعنی فقہ میں وہ اپنے خاندان کی کفالت کر رہے ہیں۔ صاحب بحرالرائق (الاشباہ) میں لکھتے ہیں۔

ولقد انصف الامام الشافعي حيث قال من اراد ان يتبحر في الفقه فلينظر الى كتب ابي حنيفه

یعنی تحقیق امام شافعی رضی اللہ عنہ نے انصاف کیا جب یہ کہا کہ جو شخص فقہ میں تبحر ہونا چاہے۔ اسے چاہئے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی کتب دیکھئے۔ امام حموی شارح ''اشباہ'' فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے سوائے فقہ اکبر جو علم کلام میں ہے کوئی تصنیف نہیں فرمائی، لہٰذا ان کتب امام سے مراد آپ کے اصحاب کی کتب ہیں۔ امام حموی شارح الأشباہ لکھتے ہیں۔

ذكر الحافظ الذهبي في كتابه المسمى (بالصحيفه في مناقب فقيه الوقت ابي حنيفة)

أن المزني روى عن الشافعي رحمة الله عليه هذا الذي رواه حرملة

یعنی امام مزنی علیہ الرحمہ نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کی ہے جو حرملہ نے روایت کی۔ امام ذھبی اس کتاب مذکور میں احمد بن الصباح سے نقل کرتے ہیں۔

قال سمعت الشافعي يقول قيل لمالك هل رايت ابا حنيفة قال

نعم رایت رجلاً لو کلمك فی هذه الساریة ان یجعلها ذهبا لقام بحجته

احمد بن صلاح فرماتے ہیں میں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے سنا، فرماتے ہیں حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کیا آپ نے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ فرمایا ہاں دیکھا ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ایک ایسا مرد ہے اگر وہ تجھ کو اس ستون کے بارے میں کلام کرے کہ اس کو سونے کا بنا دے تو ضرور وہ اپنی دلیل سے اس کو سونے کا بنا دے۔

اس کتاب میں احمد بن مفلس سے منقول ہے۔

عن احمد بن مفلس قال حدثنا مقاتل قال سمعت ابن المبارك یقول ان الاثر قد عرف و ان احتیج الی الرای فرأی مالك وسفیان وابی حنیفه...... وابو حنیفة احسنهم رأیًا وأدقهم فطنة واغوصهم علی الفقه وهو افقه الثلاثه وهو کالصدیق رضی الله عنه (حموی شرح اشباہ، ص۱۱)

روایت ہے احمد بن مفلس سے، کہتے ہیں ہمیں مقاتل نے حدیث بیان کی۔ فرمایا میں نے عبداللہ بن مبارک سے سنا، فرماتے ہیں اثر تو معروف ہے۔ اگر رائے کی طرف احتیاج ہو تو پھر رائے امام مالک وسفیان وابوحنیفہ رحمہم اللہ کی۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ان سے رائے کے اعتبار سے احسن اور ذکاوت و ذہانت کے لحاظ سے نہایت باریک بین، اور فقہ میں گہری نظر رکھنے والے ہیں اور آپ تینوں اماموں میں سے زیادہ فقیہ ہیں۔ بطور جملہ مستانفہ فرمایا حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مثل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وجہ شبیہ بیان کرتے ہوئے علامہ حموی لکھتے ہیں۔

اوّل: یہ کہ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ کی تدوین وترتیب کی ابتداء کی آپ سے پہلے یہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھی جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت صد آیات کے بعد حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے ساتھ قرآن معظم کو جمع کرنے کی ابتدا کی۔

دوم: یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مردوں میں سے سب سے اول ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اسی طرح حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے فقہ کو مدون فرمایا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی (قلائد العقبان فی مناقب نعمان) میں لکھتے ہیں۔

قال عبدالله بن مبارك و ناهيك ما رايت فى الفقه منه ورايت مسعر فى حلقته جالسًا بين يده يساله ويستفيد منه ما رايت احدقط تكلم فى الفقه منه

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے لیے یہی کافی ہے کہ فقہ میں، میں نے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مثل نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مسعر بن کدام آپ کے حلقہ میں آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے آپ سے سوال کرتے ہیں اور آپ سے مستفید ہورہے ہیں۔ میں نے کسی کو ہرگز نہیں دیکھا کہ فقہ میں آپ سے بڑھ کر ہو۔

قال عبدالله بن مبارك كان ابوحنيفه افقه من اهل زمانه ولقيت الف رجل من العلماء فلولا انى لقيت ابا حنيفة لكنت من الفلاسفين

حضرت عبداللہ بن مبارک ہی فرماتے ہیں اپنے زمانہ والوں سے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ فقہ جاننے والے تھے۔ علماء میں سے میں نے ایک ہزار آدمی کی ملاقات کی ہے پس اگر میں حضرت ابوحنیفہ سے ملاقات نہ کرتا تو میں فلاسفین میں سے ہوتا۔

قال معمر ما اعرف رجلا تكلم فى الفقه احسن معرفة من ابى حنيفة

معمر کہتے ہیں میں کسی مرد کو نہیں پہچانتا کہ معرفت کے لحاظ سے حضرت ابوحنیفہ

رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی فقہ میں اچھا کلام کرنے والا ہو۔

قال وکیع مارایت احد افقه واحسن من ابیحنیفة

امام وکیع فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی کو اُحسن واُفقہ نہیں دیکھا۔

قال ابراهیم واستاذ شافعی بن عکرمة مارایت احد أروع ولا أفقه من ابی حنیفة رضی الله عنه

ابراہیم کہتے ہیں اور یہ شافعی بن عکرمہ کے استاد ہیں۔ میں نے بہت زیادہ پرہیز گار اور بہت زیادہ فقیہ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

قال ابویوسف مارایت احد أعلم بنفس الحدیث من ابی حنیفة

قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے نفس حدیث کا زیادہ علم رکھنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

وقال ابویوسف مارایت احد أعلم بتفسیر الحدیث من ابی حنیفه رضی الله عنه

قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں میں نے حدیث کی تفسیر کا اعلم حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

وقال السفیان الثوری کنابین یدی ابی حنیفة رضی الله عنه کالعصافیر بین یدی البازی وان اباحنیفة کسید العلماء

سفیان ثوری فرماتے ہیں ہم حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایسے ہی ہیں جیسے باز کے سامنے چڑیاں۔ اور بے شک حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ علماء کے سردار کی مثل ہیں۔

قال علی بن عاصم لووزن علم ابی حنیفة بعلم اهل زمانه لرجح علی علمه

علی بن عاصم کہتے ہیں اگر حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے علم کا آپ کے زمانہ

والوں کے علم کے ساتھ وزن کیا جائے تو حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا علم ان کے علم سے راجح ہوگا۔

قال یزید بن هارون کتبت علی الف شیخ حملت عنهم العلم فما رایت والله فیهم أشد درعا من ابی حنیفة رضی الله عنه ولا أحفظ لسانا منه ولا فی عظم عقله

یزید بن ہارون فرماتے ہیں میں نے ایک ہزار شیخ پر لکھا ہے جن سے میں نے علم حاصل کیا۔ اللہ کی قسم میں نے ان میں سے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر پرہیز گار نہیں دیکھا نہ ہی آپ سے زیادہ از روئے زبان کی حفاظت کے۔ اور نہ ہی آپ سے بڑھ کر عقلمند دیکھا ہے۔ یعنی حضرت ابوحنیفہ نہایت عقلمند تھے۔

قال علی بن عاصم لو وزن عقله بعقل نصف اهل الارض لرجح عقله علی عقلهم (انتھی کلام ابن حجر)

علی بن عاصم کہتے ہیں اگر حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے عقل کے ساتھ اہل زمین کے نصف عقل کا وزن کیا جائے تو آپ کا عقل ان کے عقل پر راجح ہوگا۔

صاحب سیرت شامی محمد بن یوسف دمشقی صالحی شافعی اپنی کتاب عقود الجمان فی مناقب النعمان میں فرماتے ہیں۔

انه کان ابو حنیفة رضی الله عنه اخذ العلم بأوفر نصیب اما علم الکلام فقد تقدم انه بلغ فیه مبلغا یشار الیه بالاصابع وناهیك به ان سلم الیه علم النظر والقیاس وأصابة الرای حتی قالوا فیه ابو حنیفه امام اهل الرای فیه

فرماتے ہیں حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے علم کا بہت زیادہ حصہ پایا ہے لیکن علم کلام، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس میں اس مقام پر فائز ہیں جہاں انگلیوں سے اشارہ ہی کیا جا سکتا ہے (یعنی علم کلام میں وہ اعلیٰ وارفع مقام رکھتے تھے) اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان میں تیرے لئے یہ کافی ہے آپ کے علم نظر و قیاس اور

اِصابت رائے کو تسلیم کیا گیا، یہاں تک کہ علماء کرام نے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ (اصابت رائے) میں اھل الرای (یعنی رائے رکھنے والوں) کے امام ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی کتاب مذکور میں فرماتے ہیں۔

مدح المشائخ له با العلم والفقه والورع والامانه اكثر من ان يحصى وأظهر من ان يخفى

یعنی مشائخ عظام نے علم وفقہ اور ورع وامانت کے ساتھ جو آپ کی تعریف فرمائی اس کو شمار نہیں کیا جا سکتا اور چھپایا بھی نہیں جا سکتا۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں۔

ومناقبه اكثر من ان تحصر وصنف فيها ثبت ابن الجوزى مجلدين كبيرين وسماه (الانتصار الإمام آلائمة الأمصار) صنف غيره اكثر من ذالك

فرماتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اتنے مناقب ہیں کہ ان کو احاطہ حصر میں نہیں لایا جا سکتا اور محدث ابن جوزی نے آپ کے مناقب میں دو کبیر جلدیں تصنیف فرمائیں۔ اس کتاب کا یہ نام رکھا (**الانتصار الامام الائمة الانصار**) اور آپ کے علاوہ دیگر علماء کرام نے اس سے بھی زیادہ آپ کے مناقب پر تصانیف فرمائی ہیں۔

علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری رسالہ (ردقفال) میں لکھتے ہیں۔

واما اتباع ابى حنيفة رضى الله عنه قديما وحديثافى الازدياد فى جميع البلاد سيما فى بلاد الروم وما وراء النهر وولاية الهند والسند اكثر اهل خراسان وعراق مع وجود كثير ين فى بلاد والعرب بالاتفاق واظن انهم يكونون ثلثى المسلمين بل اكثر عند المهندسين باالاتفاق

تمام شہروں میں، ہر دور میں حضرت امام حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اتباع کرنے والے زیادہ ہوتے جارہے ہیں۔ بالخصوص بلاد روم اور ماوراء النہر ملک ہند اور سندھ میں اور خراسان وعراق کے اکثر علاقوں میں اور اس کیساتھ عرب کے شہروں مین بھی آپ کی اتباع کرنے والے بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

میرا گمان ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے دوتہائی ہیں بلکہ حساب لگانے والوں کے نزدیک بالاتفاق اس سے بھی زیادہ ہیں۔

اسی رسالہ مذکور میں علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

ویکفینا من السلاطین ابراهیم بن ادهم المتلمذ لإمامنا فی العلم والعمل واعراضه من الدنیا و اقباله علی العقبیٰ والحضور مع المولیٰ ان السلاطین فی زمان و مکان ثابتون علی مذهب النعمان کسلاطین الروم حفظهم الله تعالیٰ من حوادث الدوران وسلاطین ماوراء النهر فی دهر وعصر وسلاطین الهند والسند فی البر والبحر ولعلّ حکمة ذالك ان اباحنیفة من ذریة کسریٰ الملقب بنو شیروان العادل فحیث عدل الامام عن الدنیا اقبل علی العقبی جعل الله سلاطین الاسلام واساطین الانام من العلماء الاعلام علی مذهبه الی یوم القیمة حتی روی ان مهدی علیه السلام انما یحکم علی وفق مذهبه علیه الرضوان لما روی الحسن بن سلیمان فی تفسیر حدیث لاتقوم الساعة حتّٰی یظهر العلم وهو علم ابی حنیفة رضی الله عنه من الاحکام

اور سلاطین میں حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی رحمۃ اللہ علیہ ہی ہمارے لئے کافی ہیں جو علم وعمل میں ہمارے امام حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور ان کا دنیا سے اعراض اور عقبیٰ کی طرف رجوع اور اپنے مولیٰ کے ساتھ حضوری بھی ہمارے لئے کافی ہے۔ ہر زمانے اور ہر جگہ بادشاہ وقت آپ کے مذہب پر عمل پیرا رہتے ہیں جیسا کہ روم

کے بادشاہ (اللہ تعالیٰ اُنہیں اپنی حفاظت میں رکھے) اور ماوراء النہر کے بادشاہ، اور ہند و سندھ کے حکمران بھی۔

شاید اس میں حکمت یہ ہے کہ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کسریٰ جو نوشیران عادل کے نام سے ملقب ہے کی اولاد میں سے ہیں۔ اس لئے امام صاحب نے دنیا سے اعراض سے کیا اور عقبیٰ کی طرف آئے۔

اس لئے اسلام کے سلاطین اور علماء اعلام میں سے یکتائے زمانہ لوگوں کو قیامت تک اللہ تعالیٰ نے مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اتباع کرنے والا بنایا۔

یہاں تک کہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق حکم دیں گے جیسا کہ حدیث (لاتقوم الساعة حتی یظهر العلم) کی تفسیر میں حسن بن سلیمان سے مروی ہے کہ احکام میں سے وہ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا علم ہے۔

درمختار میں ہے:

وحسبك من مناقبه اشتهار مذهبه ماقال قولا الاوأخذبه امام من الائمة الاعلام وجعل الله تعالیٰ الحکم لاصحابه واتباعه من زمنه الی هذه الایام الی ان یحکم بمذهبه عیسیٰ علیه اسلام

فرماتے ہیں حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سے تیرے لئے یہ کافی ہے کہ آپ کا مذہب مشہور ہے۔ اور جو آپ نے فرمایا ائمہ کے سرداروں نے اسے قبول کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے زمانے سے لے کر آج تک اپنے متبعین واصحاب کا حاکم بنایا (یہاں تک کہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آپ کے مذہب کے مطابق حکم فرمائیں گے۔ میں اسے قبل بھی اوائل کتاب میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ اولیاء کرام کا کشف ہے اور اس یک صحت وسقم کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور ھواعلم بالصواب۔

صاحب درمختار کے اس قول کے ماتحت صاحب ردالمختار، ابن العابدین مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

(قوله اشتهار مذهبه) اے فی عامة بلادالاسلام بل فی کثیر من الاقالیم والبلاد لایعرف الامذهبه کبلا دالردم حفظه الله والهند والسند وماوراء النهر وسمر قند ثم قال (قوله) الی ان یحکم بمذهبه عیسی علی نبینا علیه السلام تتبع فی القهستانی أوکانه وأخذ مما ذکره اهل الکشف ان مذهبه آخر المذاهب انقطاعا

صاحب درمختار کا قول ہے کہ اسلام کے عام شہروں میں بلکہ اکثر ممالک اور شہروں میں آپ ہی کا مذہب معروف ہے مثل روم کے شہر کے، اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے اور ہندوستان وماوراالنہر اور سمرقند ہیں۔ پھر فرمایا صاحب درمختار کا قول حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے ساتھ ہی حکم دیں گے۔ یہ قہستانی کا قول ہے یا گویا اس نے اہل کشف سے لیا ہے۔جیسا کہ عالم ربانی حضرت امام شعرانی نے لکھا ہے۔فرماتے ہیں۔

ان الله لما منّ علی باطلاع علی عین الشریعة رایت المذاهب کلها متصلة بها ورایت مذاهب الائمة تجری جدولها کلها درایت جمیع المذاهب التی اندرست قد استحالة حجارة ورایت أطول جدولا الامام اباحنیفة ویلیه الامام مالك ویلیه الامام الشافعی ویلیه الامام احمد واقصر هم جدولا الامام داؤد وقد انقرض فی القرن الخامس فاولت ذالك بطول زمن العمل بمذاهبهم وقصره فکما کان مذهب الامام ابی حنیفة اولی المذاهب المدونه فکذالك یکون آخرها انقراضا وبذالك قال اهل الکشف (المیزان الکبریٰ ص ۲۷)

فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب مجھ پر یہ احسان کیا کہ مجھے شریعت کے عین (یعنی اصل شریعت) پر مطلع فرمایا تو میں نے دیکھا تمام مذاہب شریعت کے ساتھ متصل ہیں۔

اور میں نے دیکھا ائمہ مذاہب کی نہریں جاری ہیں اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ جو مذاہب مندرس (یعنی مٹ گئے) ہوگئے پتھر کی حالت میں ہوگئے (یعنی ان پر کوئی عمل کرنے والا نہیں رہا) اور میں نے دیکھا نہر کے لمبا ہونے کے اعتبار سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی نہر سب سے بڑھ کر ہے اور اس کے ساتھ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی نہر ہے اور اس کے ساتھ حضرت امام شافعی اور اس کے ساتھ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی نہر ملتی ہے۔ اور امام ابوداؤد کی نہر سب سے چھوٹی ہے جو قرن خامس یعنی (پانچواں زمانہ) میں ختم ہو چکی ہے۔

اور میں نے اس کی تاویل یہ کی کہ زمانہ عمل کا طول وقصر ان کے مذاہب کے مطابق ہے۔ پس جیسا کہ مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، مذاہب مدونہ (یعنی کتابی شکل میں ترتیب دیا ہوا) میں اول مذہب ہے اس طرح اختتام کے لحاظ سے یہ مذہب تمام مذہب کا آخر ہوگا اور یہی اہل کشف کا قول ہے۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں:

وقدأتبعه على مذهبه كثيرمن الاولياء الكرام ممن اتصف بثبات المجاهدة وركض في ميدان المشاهدة كابراهيم بن ادهم وشقيق البلخي ومعروف الكرخي وابن يزيد البسطامي وفضيل بن عياض وداؤد الطائي وابى حامد اللفات وخلف ابن ايوب وعبدالله بن مبارك ووكيع ابن جراح وابى بكر الوراق وغير هم ممن لايحصي لبعده ان يستقصي

(ردالمحتار، ج اوّل، ص ۴۳، ۴۴)

فرماتے ہیں اولیاء کرام میں سے اکثر نے حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کی تقلید کی ہے۔

(علامہ ابن العابدین فرماتے ہیں یہاں اتباع بمعنی تقلید ہے) اور یہ اولیاء کرام وہ ہیں جو مجاہدہ میں ثابت قدم (یعنی ہمیشہ مجاہدہ میں رہنے والے) سے متصف ہیں اور

میدان مشاہدہ کے شاہسوار۔ مثل ابراہیم بن ادھم منصور بلخی، شقیق بلخی بن ابراہیم متوفی ۱۹۴ معروف کرخی بن فیروز متوفی ۲۰۰ ابو یزید بسطامی آپ کا اصل نام طیفور بن عیسی ہے متوفی ۱۶۱ء

فضیل بن عیاض خراسانی نے فقہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے حاصل کی اور امام شافعی نے آپ سے روایت کیا اور امام بخاری ومسلم نے بھی آپ سے روایت کیا ہے آپ کی وفات ۱۸۷ میں ہوئی۔ دواد طائی یعنی ابن نصر بن نصیر بن سلیمان کوفی طائی متوفی ۱۶۰ھ، ابوحامد اللفاف یعنی احمد بن خضرویہ البلخی متوفی ۲۴۰ھ، خلف بن ایوب متوفی ۲۱۵ھ، کے ترجمہ کے ماتحت امام تمیمی لکھتے ہیں کہ خلف بن ایوب سے روایت ہے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف پھر تابعین کی طرف پھر حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف۔ جو چاہے آپ سے راضی رہے یا ناراض۔ عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ، وکیع بن جراح بن ملیح بن عدی کوفی، یحییٰ بن اکثم فرماتے ہیں۔

وکیع بن جراح ہمیشہ روزہ رکھتے اور ہر رات قرآن پاک ختم کرتے، ابن معین کہتے ہیں میں نے وکیع بن جراح سے کوئی افضل نہیں دیکھا اور وکیع بن جراح امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیتے اور یحییٰ بن سعید قطان بھی آپ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

ابوبکر الوراق، وہ محمد بن عمرو الترمذی ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی اولیاء کرام جن کا شمار کرنا بوجہ بعد زمانہ کے نہایت دشوار ہے۔ جیسے حاتم الاصم اور سیدی محمد شاذلی بکری متوفی ۸۴۷ھ وغیرہ اس کے بعد فرماتے ہیں اگر یہ اولیاء کرام آپ میں کوئی شبہ پاتے آپ کی تقلید نہ کرتے (بالجملہ) حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے زھد وورع اور عبادت وعلم اور فہم میں آپ کا کوئی شریک نہیں۔

اس لئے حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

لقد زان البلاد ومن علیھا، امام المسلمین ابو حنیفة

یعنی شہروں اور شہر والوں کو مسلمانوں نے امام حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے زینت عطا کی۔

باحکام و آثار و فقه، کآیات الزبور علی صحیفه

یعنی احکام و آثار اور فقہ کے ساتھ زینت دی جو اوراق پر مشتمل زبور کی آیات سے ہیں۔

فما فی المشرقین له نظیر، ولا فی المغربین ولا بکوفه

مشارق و مغارب میں آپ کی کوئی نظیر ہے نہ کوفہ میں

صاحب ردالمحتار ابن العابدین فرماتے ہیں۔

فالدولة العباسية وان كان مذهبهم مذهب جدهم فاكثر قضاتها ومشائخ اسلامها حنفية يظهر ذالك لمن تصفح كتب التواريخ وكان مدة ملكهم خمسمائة سنة تقريبا واما الملوك اسلجوقيون وبعدهم الخوارزميون فكلهم حنفيون وقضاة ممالكهم غالبها حنفية (ردالمحتار، ج اول ص ۴۲)

یعنی مذہب حنفی کی تصدیق وعمدگی وتقلید کی یہی دلیل کافی ہے کہ اس مذہب کے مقلدین ہزارہا اولیاء اور علماء کرام ہیں۔ اور پھر سلطنت عباسیہ تقریباً پانچ سو برس رہی۔ ان میں اکثر قاضی و مفتی اور مشائخ کرام مذہب حنفی پر ہی تھے۔ سلجوقیہ وخوارزمیہ بمع رعایا ومعززین تو سب کے سب حنفی تھے جس نے کتب تواریخ کی چھان بین کی اس لئے یہ ظاہر ہو جائے گا۔

مجمع البحار الانوار کے خاتمہ میں ہے (یہ صحاح ستہ وغیرہ ایک معتبر شرح ہے)

ويدل عليه مايسر الله له من الذكر المنتشر فى الآفاق فلو لم يكن الله تعالىٰ فيه سرٌّ لما جمع شطر الاسلام على تقليده

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو اتنے مسلمانوں کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی

تقلید پر جمع کیا ہے اس میں ضرور کوئی سر الٰہی (یعنی اللہ تعالیٰ کا راز) ہے ورنہ دو تہائی مسلمان کا ایک مذہب پر جمع ہونا نہایت مشکل ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہوری اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں۔

حضرت یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرض کیا۔

این اطلبك يا رسول الله قال عندعلم ابى حنيفة رضى الله عنه

یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں آپ کو کہاں تلاش کروں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے علم کے پاس۔

حضرت امام ربانی قطب دورانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اپنے مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں

مثل روح الله مثل امام اعظم کوفی است که ببرکت ورع وتقوی ودولت متابعت سنت درجه علیادراجتهاد واستنباط یافته است که دیگراں درفهم آن عاجز اند ومجتهدات او را بواسطه دقت معانی مخالف کتاب وسنت دانند واو را اصحاب الرای پند ارند کل ذالك لعدم الوصولی الی حقيقة علمه ودرايته وعدم الاطلاع على فهمه وفراسته

مگر امام شافعی علیہ الرحمہ از فقاهت اوعليه الرضوان شمه یافت که گفت الفقهاء كلهم عيال ابى حنيفة فى الفقه

روح اللہ کی مثل حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کوفی ہیں کہ ورع اور تقویٰ اور متابعت سنت کی دولت کی برکت سے اجتہاد واستنباط میں عالی درجہ پایا۔ جو دوسرے ان کی سمجھ میں عاجز ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مجتہدات کو دقت معانی کی وجہ سے کتاب وسنت کے مخالف جانتے ہیں اور آپ کو اصحاب الرائے گمان کرتے ہیں۔

یہ تمام آپ کے علم و درایت کی حقیقت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہے اور آپ کے فہم وفراست پر مطلع نہ ہونے کے سبب، مگر امام شافعی رضی اللہ عنہ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت کو سمجھ لیا اور فرمایا تمام کے تمام فقہاء فقہ میں حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا عیال ہیں یعنی فقہ میں حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تمام فقہاء کی کفالت فرمارہے ہیں۔

ابوالموٴید امام خوارزمی فرماتے ہیں۔

سیدی واستاذی ووالدی رحمہ اللہ امام سیف الآئمۃ السایلی رحمہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے چار ہزار تابعین سے علم حاصل کیا اور بسبب کمال احتیاط۔ جب کوئی مسئلہ قرآن وسنت سے استنباط کرتے جب تک تمام استادان گرامی اس کو پسند نہ کرتے اس کو جاری نہ کرتے۔ اس طرح کتب معتبرہ مثل ارشاد الطالبین وفتاویٰ برہنہ وغیرہ سے منقول ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کوفہ کی مسجد میں تعلیم وتدریس اور لوگوں کو فیض رسانی کیلئے جب مسند پر جلوہ افروز ہوتے تو ہزاروں شاگرد آپ کے گرداگرد اکٹھے ہوتے تھے اور ان شاگردوں میں سے چالیس وہ شاگرد جو جید مجتہد تھے آپ کے سامنے حاضر ہوتے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جب کوئی مسئلہ استخراج کرتے، حاضرین کے ساتھ مشورہ ومناظرہ اور گفتگو فرماتے اور قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ سے استدلال فرماتے۔ جب اس کے درست ہونے پر تمام کا اتفاق ہوتا امام المسلمین حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ غایت فرحت ومسرت کی وجہ سے الحمد للہ، واللہ اکبر فرماتے اور حاضرین مجلس آپ کی موافقت کرتے ہوئے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حکم فرماتے کہ اس مسئلہ کو کتاب میں درج کرلیں اور اس مسئلہ کو کتاب میں درج کرلیا جاتا۔

یہ ہیں وہ دلائل اور وجوہات جس کی بنا پر مذہب امام الائمہ سرج الامہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو تقلید میں تمام مذاہب پر ترجیح دی جاتی ہے۔ امام المسلمین رضی اللہ عنہ کے

مقلدین کی تعداد دو تہائی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔

آخر میں اسود الدولی کا ایک شعر پیش خدمت ہے۔

حسدوا الفتی اذلم ینالوا سعیه، فالناس اعداء له وخصوم

شیخ محمد حسن سنبلی حنفی (**تنسیق النظام فی مسند امام**) میں اس شعر کو اس طرح نقل فرماتے ہیں۔

اذلم ینالوا شانه ووقار، فالقوم اعداء له وخصوم

جب لوگ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان ووقار کو نہ پاسکے تو وہ سب کے سب آپ کے دشمن اور آپ کی ذات کے ساتھ جھگڑا کرنے والے بن گئے۔

فرماتے ہیں:

وفی المثل السائر البحر لایکدره وقوع الذباب ولاینجسه ولوغ الکلاب

یعنی حضرت امام الائمہ، سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ایک جاری سمندر کی مثل ہیں۔ مکھیوں کا گرنا سمندر کو مکدر (یعنی گدلا) نہیں کرسکتا اور کتوں کا چاٹنا اس کو نجس وناپاک نہیں کرسکتا۔ آخر میں دعا ہے اللہ جل مجدہ بوسیلہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کو مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر کاربند اور اس کا پابند فرمائے۔ آمین

بجاه طٰهٰ ویٰسٓ صلی اللہ علیه وسلم

واللہ أعلم بالصواب وماعلینا الاالبلاغ

۴فروری ۲۰۰۳ء

بمطابق ۲ ذوالحج ۱۴۲۳ھ